کشف اور پُراسرار

روحانی قوتوں کا حصول

تحقیق وتالیف: حکیم محمد طارق محمود مجذوبی چغتائی

پی۔ایچ۔ڈی (امریکہ)

حکیم عاشق حسین فاروقی
ہر قسم کی جسمانی بیماریوں کا شافی علاج
عبقری کی ادویات سے کیا جاتا ہے۔

عبقری اکیڈمی دوکان نمبر 4۔
قرآن محل مارکیٹ بالمقابل قاسم سینٹر
اردو بازار، ایم اے جناح روڈ، کراچی
0300-3218560, 0301-2485447

کشف اور پُراسرار

روحانی قوتوں کا حصول

تالیف

حکیم محمد طارق محمود عبقری مجذوبی چغتائی

دفتر ماہنامہ عبقری

مرکز روحانیت وامن 78/3، مزنگ چونگی، قرطبہ چوک

یونائیٹڈ بیکری اسٹریٹ، جیل روڈ، لاہور فون نمبر 042-7552384

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں۔

نام کتاب : کشف اور پراسرار روحانی قوتوں کا حصول

مؤلف : حکیم محمد طارق محمود عبقری مجذوبی چغتائی

ناشر : دفتر ماہنامہ عبقری

مرکز روحانیت وامن 78/3، مزنگ چونگی، قرطبہ چوک

یونائیٹڈ بیکری اسٹریٹ، جیل روڈ لاہور فون نمبر: 042-7552384

مطبع : اظہار سنز پرنٹرز، 9۔ریٹی گن روڈ، لاہور

فون نمبر: 042-7220761

قیمت : **200** روپے

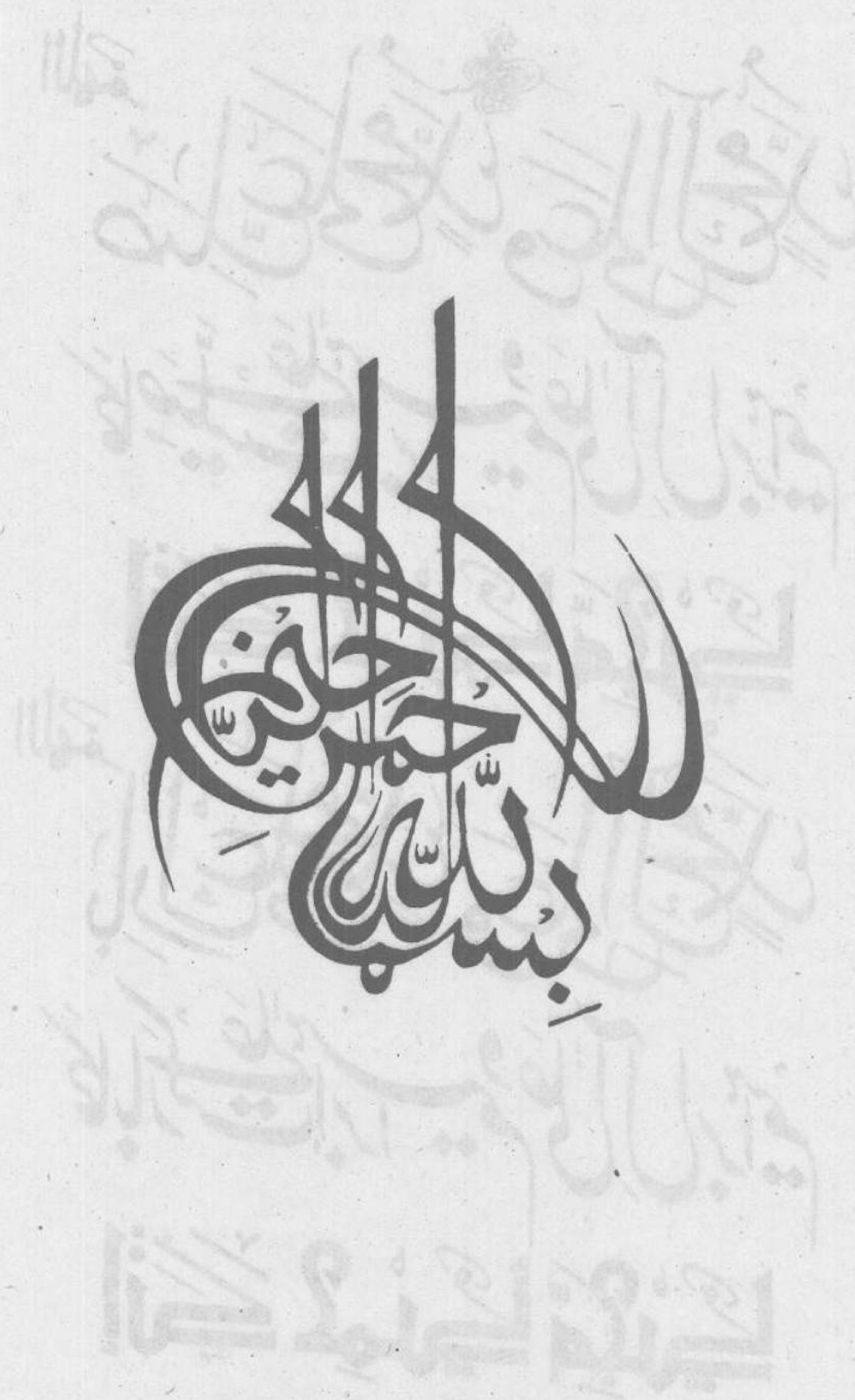
بسم الله الرحمن الرحيم

اللّٰهُمَّ

صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ

إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اللّٰهُمَّ

بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ

إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

مضمون	صفحہ
حال دل	۷
خوبصورت چڑیل	۸
ماں کا خون	۱۳
روحانی محفل	۱۵
صحرائے عرب کا عجیب واقعہ	۱۶
روحانی محفل	۲۵
درود تنجینا کے کمالات	۲۶
روحانی خط	۳۹
تصوف اور عرب	۴۱
روحانی محفل	۵۱
روحانیت کیا ہے؟	۵۲
روحانی عروج	۶۲
روحانی کورس (حصہ اول)	۶۵
تنقیدی خط	۷۲
روحانی محفل	۸۸

مضمون	صفحہ
علامہ اقبال کی قبر اور شفاء	۸۹
روحانیت کیا ہے	۹۴
روحانی محفل	۱۰۱
روحانیت اور تصور	۱۰۲
وظیفہ	۱۰۹
ارواح	۱۱۰
روح کیا ہے؟	۱۱۸
درد بھری باتیں	۱۳۲
مادی دنیا کا وجود	۱۳۴
روحانی قوتیں	۱۶۲
کشف کرامات کی حقیقت	۱۶۹
اعتقاد اور ضعیف الاعتقادی	۱۷۳
روحانیات اور علم الیقین	۱۸۰
روحانیت کے شعبے	۱۸۶
عقل دانش اور روحانیت	۱۹۵

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
طبقات	۲۰۳	حروف اعداد	۲۸۴
روحانیات سے متعلق کچھ شبہات اوران		دست شناسی اور اسلام	۲۸۷
کے جوابات	۲۰۸	۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰ ۱۱ ۱۲	
سیالکوٹ کا پراسرار سنیاسی	۲۱۲	۸ ۹ ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱	۳۰۲
رومیں ہے رخش عمر!	۲۲۷	نو علامات کی تشریح	۳۰۵
اعداد کی طلسماتی دنیا	۲۳۴	ماہانہ قسمت کے خود اختیاری عدد	۳۰۸
۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹	۲۴۲	ماہانہ قسمت کی پیشگوئی	۳۱۱
کیا اعداد انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے		باہمی تعلقات	۳۱۲
ہیں؟	۲۶۵	شادی کے اوقات	۳۱۳
منطقہ البروج سیارگان اور اعداد	۲۶۶	مبارک سال اور مہینہ	۳۱۳
مفرد اعداد	۲۶۸	علوم مخفیہ	۳۱۴
مرکب اعداد	۲۹۷	استفادہ	۳۲۸

حال دل

کتاب کیا مسلسل مشاہدات تجربات اور روحانی واردات کا ایک انوکھا مجموعہ ہے۔ جو کئی لوگوں کی زندگیوں کے نچوڑ بھی اور در بدر کی ٹھوکروں کے بعد حاصل بھی۔

میری زندگی کا ایک بڑا حصہ ان روحانی قوتوں کی طرف سفر کرتے گزرا ہے جو کچھ قدم قبرستانوں ویرانوں اور جنگلوں کی طرف بھی اٹھے ہیں۔

وہاں کیا دیکھا؟ کیا پایا؟ زندگی اور حالات کی عجیب وغریب کہانیاں پھر حاصل کیا ہوا یہ ایک الگ داستان ہے جو کچھ طویل بھی اور انوکھی بھی ہے بلکہ بعض واقعات نا قابل فراموش اور نا قابل یقین ہیں۔

زیر نظر کتاب میں بندہ نے مختلف ماہرین فن کے تجربات یکجا کیے ہیں۔

بس ایک بات پیش نظر رہے کہ اگر کوئی عمل شریعت اور اسلام سے متصادم ہے تو وہ میرا نہیں کسی تجربہ کار کا ہو سکتا ہے میری تو اول سے آخر یہی خواہش رہی ہے کہ آپ قرآن و سنت سے رہبری حاصل کریں بس اسی میں نجات کامیابی اور سرخروئی ہے۔

امید ہے آپ اس کتاب سے علم وکمال روح و روحانیت اور تجربات کا اتھاہ سمندر حاصل کریں گے۔

حکیم محمد طارق محمود عبقری مجذوبی چغتائی
78/3 مزنگ چونگی یونائیٹڈ بیکری سٹریٹ
جیل روڈ لاہور: 042-7552384

خوبصورت چڑیل

اس دفعہ قارئین تین خطوں کا جواب پائیں گے۔ پہلا خط ایک انوکھی خبر کے بارے میں ہے جو کچھ ایسے ہے۔

''(کائی افریقہ) وہ چڑیل تھی یا خوبصورت بلا۔ کئی زندگیاں جس کی بھینٹ چڑھ گئیں۔ بتایا جاتا ہے کہ افریقہ کے دور افتادہ گاؤں کائی میں ایک بہت ہی حسین عورت تھی۔ اس کے حسن کے چرچے سن کر کئی لوگ آئے اور اس سے شادی کرنا چاہی مگر جس نوجوان کی بھی اس خوبصورت عورت سے شادی طے ہوتی اسی رات اس کا سر دھماکے سے پھٹتا اور وہ مر جاتا۔ چار ماہ پہلے اس حسین بلا کا آخری شکار دنیا سے رخصت ہوا۔ یہ نوجوان فرانس میں ملازمت کرتا تھا۔ وہ اپنی زندگی کے تمام اثاثے لے کر کائی پہنچا اور مذکورہ خاتون کے گھر آ کر اس کو شادی کی پیش کش کی جو منظور کر لی گئی۔ مگر اسی رات جب وہ اپنے دوستوں سے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہا تھا، اچانک اس نے اپنا سر دیواروں سے ٹکرانا شروع کر دیا اور کچھ دیر بعد وہ خون میں نہائی ہوئی ایک لاش تھی۔ کائی کے مکین بتاتے ہیں کہ لڑکی کے اندر شیطانی روح ہے جو انسانوں سے انتقام لیتی ہے بعض کا خیال ہے کہ وہ چڑیل ہے لیکن شیطانی اثر پر اکثریت متفق ہے کیونکہ اہل افریقہ شیطان سے بہت ڈرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ شیطان اس علاقے کے مردوں عورتوں کے دماغوں اور زندگیوں پر مسلط رہتا

ایک فوجی ٹرک کی زد میں آ کر مر گیا۔لڑکی نے بتایا کہ اس کا مرنے والوں کی موت سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ وہ تو یہ گاؤں بھی چھوڑنا چاہتی ہے۔ گاؤں والوں نے تنگ آ کر ایک عامل سے رابطہ کیا اور اس کے عمل سے اگلے دن لڑکی عام انسانوں کی طرح اپنے گھر میں مری ہوئی پائی گئی جس سے گاؤں والوں کو ایک شیطانی روح سے نجات مل گئی۔

یہ خبر بھیج کر مجھے اظہار خیال کے لئے کہا گیا ہے۔اس خبر میں تین باتیں قابل غور ہیں ..... ایک یہ کہ لڑکی میں کوئی بدروح تھی یا چڑیل۔ دوسری یہ کہ جو کوئی اس سے شادی کرتا اس کا سر دھماکے سے پھٹتا اور وہ مر جاتا،اور تیسری بات یہ ہے کہ ایک عامل آیا جس کے عمل نے اسے زندگی سے نجات دلا دی ..... جہاں تک اس عورت میں شیطانی روح ہونے کا یا چڑیل ہونے کا تعلق ہے، میں نہیں کہتا کہ اس میں ایسی کوئی روح موجود تھی۔ ویسے یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس عورت پر یا کسی اور فرد پر جو روحیں مسلط ہوتی ہیں، وہ کبھی ان کی روح میں نہیں ہوتیں۔ آسیب زدگی جب بھی ہوتی ہے وہ اعصابی مرکز پر حملہ آور ہوتی ہے۔ دماغ کے خلیوں پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ایسی صورت میں یا تو معمول بے حس ہو جاتا ہے اور وہ چیز اس کے منہ سے بولنے لگتی ہے یا پھر اگر منہ سے نہیں بولتی تو جسم کے کسی حصے کو مفلوج کر دیتی ہے اور شخص مذکور ہمہ وقت اکساہٹ، بے چینی اور بے قراری محسوس کرتا رہتا ہے۔

کبھی کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ گھر کا کوئی فرد مسلسل ان بدروحوں کا شکار ہوتا ہے۔ بے چینی بے قراری اور اکساہٹ اس پر مسلسل طاری رہتی ہے اور دیگر افراد یہ صورت بہت کم محسوس کرتے ہیں،ایسے گھروں میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ گھر کی چیزیں دیکھتے دیکھتے غائب ہو

جاتی ہیں پھر کسی سوٹ کیس یا پلنگ یا کسی ایسی ہی چیز کے پیچھے پڑی مل جاتی ہیں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔اس کے لیے مختصر سا تشریحی نوٹ دیتا ہوں جو آپ کے سوال کا شافی جواب ہوگا۔

آسیب زدگی ایک قدرتی امر ہے ان لوگوں کے لیے جو اس کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس میں ''گڈ میڈیئم شپ'' اساسی حیثیت رکھتی ہے۔گڈ میڈیئم دراصل ایک صلاحیت ہے جو بعض حالتوں میں ایک بڑی صورت بھی بن جاتی ہے۔گڈ میڈیئم شپ انسان کی وہ صلاحیت ہے جو اپنے جسم میں روحوں سے تعلق رکھنے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔یعنی جسم کی حالت یا کیفیت ایسی بن جاتی ہے جس سے جسم کے چور راستے کھل جاتے ہیں اور ہر کس و ناکس کی رسائی ان چور راستوں تک ہو جاتی ہے۔مثلاً ایسے افراد جو بہت زیادہ ذہن مرکوز کرنے کے عادی ہوں یا ایسے افراد جو انہماک سے اپنا کام سرانجام دینے کی خبر رکھتے ہوں وہ جلد کامیاب ہوتے ہیں۔اس کے مقابلے میں وہ افراد جو بکھرے بکھرے رہتے ہیں یا کسی ایک نقطے پر مرتکز نہیں ہو پاتے۔وہ افراد ایسی حالت میں گم جاتے ہیں ہوتا یہ ہے کہ ایسے لوگ یا تو اچھے خیالات کے ساتھ اچھی روحوں کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں یا پھر برے خیالات کے ساتھ بری روحوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے یعنی بندہ اچھی یا بری روحوں کا شکار ہو جاتا ہے اور آسیب زدہ کہلاتا ہے Concentration شعوری طور پر کی جائے یا لاشعوری طور پر ہر حال میں اس کا نتیجہ ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ ایسی روحیں بھی ہوتی ہیں جو صغر سنی میں بعض افراد پہ مسلط ہو جاتی ہیں۔ وہ فرد جب بڑا ہوتا ہے تو اس کی ذات پر ویسا ہی فرد مسلط ہوتا ہے جو ہمارے اس جہاں سے متفق نہیں ہوتا۔ بلکہ اس جہاں کا فرد ہوتا ہے جہاں کی ہر چیز خاص ڈھب کی ہوتی ہے اسی طرح بعض روحیں وہ بھی ہوتی ہیں جو جیسا مزاج رکھتی ہیں ویسے ہی ان کے ساتھ اس جہان میں بیتتی ہے مثلاً ایسی روحیں روتی رہتی ہیں، چیخ و پکار کرتی رہتی ہیں۔

یہ تو تھیں بد روحیں یا کچھ اچھی روحیں ان میں وہ روحیں بھی ہوتی ہیں جو مکمل طور پہ شخص

مذکور پر مسلط ہوتی ہیں اور ان کا مقصد وحید اپنی مسلط شدہ صورت میں دنیا کی جانب لوٹ جانا ہوتا ہے۔ مثلاً ادم اندرا نامی عورت تھی جو ہزاروں سال پہلے ایک عیاش رانی تھی۔ ایک رات وہ مرگئی۔ اس نے آسیب زدگیوں والا طوفان اٹھا دیا۔ دنیادار عورت تھی لہٰذا آسیب زدگیوں کے بعد وہ مادی شکل میں آ گئی۔ یعنی عام انسانوں کی طرح زندگی بسر کرنے لگی۔ کچھ عرصہ پہلے مجھے روحانی طور پر اس کا اتا پتہ بتایا گیا تو میں اسے ملنے گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی۔ اس نے کہا، تم مجھے دیکھ چکے ہو، اب جاؤ، میں نے کہا ایک سوال پوچھنا ہے۔ اس کے جواب میں ایسی بری بو اس کے بدن سے اٹھی کہ میں نہ رک سکا۔ وہ ایک ملنگنی کے روپ میں رہتی تھی اور لاہور کی مسلم مسجد کے پاس اس کا ڈیرا تھا وہ رات کو غائب ہو جاتی تھی...... یہ کوئی بیس سال پہلے کی بات ہے۔

یہ تو تھیں وہ روحیں جو آسیب زدگی کر کے انسانی وجود سے Ecta Plash کھینچتی ہیں اور پھر رفتہ رفتہ میٹریلائز کرتی ہیں۔ البتہ ان کے علاوہ بھی آسیب زدگی کی صورتیں ہیں۔ وہ آسیب زدگی جناتی ہوتی ہے اچھے یا برے جنات راہ جاتے لوگوں کو اپنے تسلط سے اپنا مریض بنا لیتے ہیں۔ یہ آسیب زدگی زیادہ خطرناک اور زیادہ پائیدار ہوتی ہے اور مدتوں علاج معالجہ کرنا پڑتا ہے۔ تب کہیں یہ جان چھوڑ کر جاتے ہیں۔

ان تمام آسیب زدگیوں کو آپ اچانک آسیب زدگیوں کی زد میں لا سکتے ہیں وہ جو کسی فرد کو اپنا گذشتہ جنم یاد آ جاتا ہے اور وہ اپنے سے کسی بڑی عمر کے لوگوں کو اپنے بچے اور اولاد گردانتے ہیں۔ وہ دراصل مکمل آسیب زدگی کا کیس ہوتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ فلاں بچے کو اپنا ماضی یاد آ گیا۔ یہ بات ناممکن ہے اپنا ماضی تو صرف اس روح کو یاد آیا ہوتا ہے جو اس بچے پہ مسلط ہوتی ہے۔ اب رہا یہ معاملہ کہ آسیب زدگی بعض حالتوں میں مسلط کرائی جاتی ہے جیسے کسی سے دشمنی ہو یا حسد ہو اور کسی کالے علم والے کے پاس جا کر کہا جائے کہ فلاں کو تباہ برباد کر دو یا فلاں کو بیمار کر دو، اور یوں وہ اپنی منفی روحانی قوتوں کے ذریعے اس شخص کو تباہ و برباد یا بیمار کر دے۔ دونوں صورتوں میں یا تو وہ ذاتی منفی قوت کو مجتمع کر کے اس

شخص پر مسلط کرے گا۔ یا پھر کسی روح کو اس پر مسلط کر دے گا۔ دونوں حالتوں میں شکار بیمار ہو جائے گا۔ تباہ و برباد ہو جائے گا، یا اس کے ساتھ کچھ ایسے واقعات پیش آئیں گے کہ اس کے پاس ان کی کوئی تاویل نہ ہوگی۔

یہ تھا سارا معاملہ جو اس عورت کے ساتھ پیش آسکتا تھا مگر در حقیقت اس عورت کا معاملہ کچھ اور تھا جس کی نشاندہی اس بات سے ہوتی ہے کہ وہ عمل کرنے سے مر گئی۔ ہوا یوں کہ اس عورت نے اپنے جسم کے پرت کر لیے تھے، عام طور پر جسم انسانی کے تین پرت ہیں...... جسم، نفس اور روح ...... ان میں ایک چوتھی چیز بھی ہے جسے نسمہ یا جسم مثالی کہا جاتا ہے۔ اب اصل میں جسم انسان پانچ پرتوں میں بٹ جاتا ہے۔ جسم (نفس) جسم مثالی (نفس نمبر۲) اور روح۔ فی الحال آپ اتنی بات کو ہی سمجھیں۔ جسم سے جب ہم سفر کرتے ہیں تو راہ میں ایک برزخ آتا ہے وہ نفس ہے اور جب اس برزخ سے نکلتے ہیں تو جسم مثالی آتا ہے۔ چنانچہ جسم مثالی بھی ایک حقیقت ہے۔ پھر ایک برزخ آتا ہے۔ یعنی جسم مثالی اور روح کا سا بینی سلسلہ۔ اس کے بعد روح آتی ہے۔ گویا جو لوگ اپنے پہلے نفس سے گزر کر جسم مثالی پر دسترس رکھتے ہیں۔ وہ بڑے لوگ کہلاتے ہیں لیکن اگر برزخ یعنی نفس کے دروازے پر کھڑے ہو کر دونوں طرف کا تماشا کریں تو بڑی روحانی قوت پیدا ہوتی ہے یہ قوت منفی بھی ہے مثبت بھی۔ سو جو لوگ اس سٹیج پر کھڑے ہو کر اپنی منفی قوتوں کو بڑھا لیتے ہیں۔ ایسے لوگ بے پناہ خوبصورت ہو جاتے ہیں مگر ابلیس کے چیلے کہلاتے ہیں اور اسی مقام پر کھڑے ہو کر وہ اپنے سے کم تر انسانوں کو جو چاہیں کریں جیسا چاہیں دکھائیں اور جس طرح چاہیں انہیں تباہ و برباد کر دیں...... یہی وہ عورت کرتی تھی۔

اسی مقام پر کھڑی ہو کر وہ عورت جو سوچ لیتی تھی ہو جاتا تھا، یعنی یہ مقام وہ خطرناک مقام تھا کہ اسے حاصل کرنے کے بعد کوئی چھوڑنا چاہیے تو چھوڑ نہیں پاتا روکنا چاہے تو اپنے آپ کو روک نہیں سکتا، یہی وجہ ہے کہ جب اس عامل نے عمل کیا تو یہ عورت اس عمل کی متحمل نہ ہو سکی اور گھر میں مردہ پائی گئی۔ اگر یہ اس عامل سے اوپر کی منزل میں ہوتی تو عامل راہی

ملک عدم ہو جاتا...... سو یہ آسیب زدگی کا نہیں ذاتی منفی قوت کا کیس تھا۔

ماں کا خون:

دوسرا خط چھپنے والی ایک کہانی...... ''ماں کا خون'' کے بارے میں آیا ہے۔ خط یوں ہے کہ ''ماں کا خون'' کے آخر میں مصنفہ نے خود ہی کچھ سوال پوچھے ہیں۔ وہ خود تو ان کا جواب نہیں جانتی مگر انہوں نے سوال پوچھے ضرور ہیں۔

''کیا یہ ماں کے خون کا معجزہ تھا؟''

''کیا اللہ نے ماں کی فریاد سن لی تھی؟''

''کیا وہ کام جو روحانی عامل نہیں کر سکے تھے وہ میری روحانی قوتوں نے بیدار ہو کر کر لیا تھا؟''

''کیا بیٹے کی آنکھوں نے ماں کا خون پہچان لیا تھا؟'' یہ ہیں وہ سوالات جو اس حقیقی کہانی کے آخر میں پوچھے گئے ہیں اور کہا گیا ہے کہ میں ان کا جواب دوں تو جناب بندہ جواب اس کا ایک ہی ہے، اور وہی درست ہے کہ وہ خون جو ماں کے ماتھے سے بہا وہ سچا تھا۔ وہ اپنی زبان سے اعتراف بھی کرتی ہے۔

''اس خون میں ملاوٹ نہیں''...... میں نے غصے اور جذبات سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا...... ''اللہ گواہی دے گا یہ خون پاک ہے اور تو نے......''

پھر آواز رندھ گئی۔ اس خون کی سچائی تھی جو اس وقت بول پڑی تھی۔ ہم سب بڑے بے ایمان قسم کے لوگ ہیں کہ اکثر اپنے اندر کی سچائیوں کو سامنے لانے سے گریزاں رہتے ہیں۔ اگر ہم ان سچائیوں کو سامنے لے آئیں اور ہمارا دل بھی سچا ہو، خون بھی سچا تو پھر ہر رواں دعا بن کر عالم کُنْ فَیَکُوْنَ سے ٹکرا جائے اور دعائیں باب قبولیت پالیں۔ ہم اسی لیے بے ایمان ہیں کہ ہم اپنے اندر کی سچائیوں کو باہر نہیں آنے دیتے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارا اندر باہر آ جائے اور شخص مذکور کسی مشکل کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے۔ یہ لمحہ کبھی کبھی

زندگی میں آجایا کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ''ماں کا خون'' میں وہ لمحہ آ گیا...... بہر حال یہ آنے والا لمحہ ماں کو مبارک کہ وہ آیا تو گھر کے نصیب جاگ اٹھے۔

ابھی چند روز پہلے اخبار میں ایک خبر تھی کہ ایک صاحب جن کے پیٹ میں مہلک قسم کا السر تھا، پیٹ کے پھوڑوں اور ان میں ہونے والی درد سے گھبرا کر اٹھے اور فیصلہ کیا کہ مرنا ہی ہے تو پھر اپنے آپ کو دریا میں ڈبو کر مر جاؤں۔ دن رات کی تکلیف کب تک برداشت کروں گا۔ وہ صاحب اٹھے۔ دریا تک پہنچنے سے پہلے کھیتوں میں ایک لوٹا لسی کا نظر آیا۔ بڑی سخت پیاس لگی تھی۔ اٹھایا اور پی گئے۔ پھر موت کی منزل کی جانب بڑھے اور اوپر تلے چار پانچ خون کے موشن ہوئے اور پھر یہ صاحب بے ہوش ہو گئے۔

گاؤں کے کچھ لوگ ادھر سے گزرے اور انہیں اٹھا کر گھر لے گئے۔ گھر پہنچ کر حکیم کو بلایا۔ اس نے کہا سبحان اللہ جو کام بڑے بڑے نسخوں نے نہ کیا وہ خدا جانے کیسے ہو گیا۔ انتڑیوں میں زخموں کی دوا دی گئی۔ چند روز میں شفایاب ہو گئے۔ ان کی سوچ نے ہی فیصلہ دیا کہ ہو نہ ہو یہ اس لسی کا کرشمہ ہے۔ اٹھے اور اٹھ کر اس جگہ پہنچے۔ ایک صاحب کو موجود پایا، ان سے پوچھا بھائی۔ یہاں چند روز پہلے لسی کا لوٹا پڑا تھا۔ وہ کس کی تھا۔ وہ صاحب لمبی لمبی کتابی آنکھیں گھما کر بولے...... ''اجی حضرت وہ لسی کہاں تھی۔ وہ تو ڈی ڈی ٹی گھولی ہوئی تھی۔ پودوں کے لیے، خدا جانے کون لے گیا۔

زہریں تریاق بنتی رہتی ہیں، اللہ کی قدرت ہے اسی طرح ایک زہر اس شخص کے لیے تریاق بنی جس کا نام یحیٰی محمد تھا اور جو بستر مرگ پر پڑا زندگی کے دن گن رہا تھا۔ اس کی اپنی بیوی کے ہاتھ میں'' اس کی تریاق تھی۔ کبھی کبھی ہم اللہ پاک سے کتنی قریب سے مانگتے ہیں۔ کتنے دل سے مانگتے ہیں۔ اور کتنے درد سے مانگتے ہیں۔

میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ابتلا اور مصائب کا ایک دور آتا ہے، انسان کسی مہلک مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے اور بندہ مایوس ہو جاتا ہے۔ مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ کے کرم سے مایوسی گناہ ہے۔ خود انسان میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنی قوتیں سمو رکھی ہیں جس میں معجزے

رونما ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان قوتوں کو ہم منفی اور تخریبی سوچوں سے جھوٹ اور فریب کاری سے بیکار کیے رکھتے ہیں۔ اگر آپ اللہ کے ان بندوں کو دیکھیں جن کے لیے مکڑی اور کیڑے مار دوائی تریاق بن گئے تھے تو وہ آپ کو عام سے بندے لگیں گے لیکن غور سے دیکھنے سے انکشاف ہوگا کہ وہ اندر سے پختہ کردار والے ہیں اور اللہ کے ساتھ ان کا براہ راست رابطہ ہے۔ اسی بدولت ان کی خدائی قوتیں زندہ و بیدار رہتی ہیں۔

روحانی محفل:

مہینے کا تیسرا جمعہ پڑے گا۔ اس روز صبح نو بجے سے ساڑھے گیارہ بجے تک ایک گلاس سامنے رکھیں۔ بلا تعداد

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰهُ عَلَیْهِ و آله وَسَلَّمَ

پڑھیں۔ ساڑھے گیارہ بجے پورے یقین کے ساتھ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں۔ پہلے عالم اسلام کے لیے پھر پاکستان کے لیے، پھر اپنے ذاتی معاملات کے لیے دعا کریں۔ انشاءاللہ آپ کی دعائیں قبول ہوں گی۔ دعا کے بعد پانی پر دم کر کے اسے پی جائیں۔ (۱)

صحرائے عرب کا عجیب واقعہ

آج تک ہم یہ تو مسلسل لکھ رہے ہیں کہ روحانیت کیا ہے مگر ایک سوال کا جواب رہ جاتا ہے جو ایک منطقی فکر رکھنے والے ذہن میں ہرگاہ ابھر سکتا ہے۔ اس سوال کو سامنے لانے کے لیے ہمیں اپنی خلقت کا جائزہ لینا پڑے گا۔ غور سے دیکھیں تو ہم تین بار خلق ہوئے پہلی بار جب رب العزت نے اپنی صفت خالقیت کو بروئے کار لانے کا ارادہ کیا اور ''کُنْ'' کہہ کر اس کائنات وما فیہا کو تخلیق کیا۔ گویا ہم عدم سے وجود میں آئے۔ ہمارے اس وجود کی ہیئت کیا تھی، اس کا ادراک ہمیں نہیں۔ اتنا جانتے ہیں کہ ''کُـنْ'' اس آفرینش کا ازل قرار پایا اور ''فَیَکُونْ'' ابد بن کر وقت کی لامتناہیوں پر پھیل گیا۔ زمان ومکان کے احاطوں میں لطافت وکثافت کی جلوہ آرائیاں تُولِجُ الَّیلَ فِی النَّھَارِ وَتُولِجُ النَّھَارَ فِی الَّیلِ وَتُخرِجُ الحَیَّ مِنَ المَیِّتِ وَتُخرِجُ المَیِّتَ مِنَ الحَیِّ کا نغمہ سرمدی گنگناتی ہوئی روز جزا تک کے لیے دراز ہوگئیں۔ ثانیے سے دقیقہ۔ دقیقے سے ساعت۔ ساعت سے روز وشب اور ماہ وسال ترتیب پانے لگے۔ نقطہ مفروضہ سے لکیر تک پہنچا۔ لکیر زاویے تشکیل دیتی ہوئی کہیں قوس کہیں قوسین کے اتصال سے دائرہ بنی۔ کہیں مستقیم رہی تو کہیں قائم میں قرار پا کر دیوار بن گئی۔

ہماری خلقت کا دوسرا مرحلہ تب طے ہوا جب ارواح کو تخلیق کر کے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ کا سوال ہمارے خالق نے پوچھا، جواباً ''بلیٰ بلیٰ'' کا شور اٹھا یعنی سب نے یک زبان ہو کر کہا بے شک تو ہمارا رب ہے اور یوں ایک میثاق کی صورت ہر روح کا اعزاز بن گیا۔ اقرار کا یہ پہلا لمحہ تھا، اس کے بعد ہماری ارواح کس حال میں رہیں۔ کیا کرتی رہیں، ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ ہمیں اس بارے میں اتنا ہی علم ہے

جو ہمیں کتب سماوی کے مطابق دیا گیا یا انبیاء کرام علیہم التحیۃ والسلام کی زبانی معلوم

ہوا۔ اس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں۔ پھر کبھی اس پہ بات کریں گے بہر حال ہماری خلقت کا تیسرا مرحلہ ہمارا اس عالم محسوس میں آنا ہے۔ گوشت پوست کے اس پیکر میں اچھائی برائی کی تمیز کے ساتھ، اشرف الخلق کا تاج پہن کر شعور و لاشعور کے پیمانے لے کر جنت کے سبزہ زاروں سے زمین کے خرابوں تک ہم آئے، دیوار نے جو لکیر کھینچی تھی بے شمار دیواروں میں کھنچتی چلی گئی۔ یوں زندگی جو پیدا ہوئی لامحدودیت سے محدودیت کے ننھے ننھے پنجروں میں محصور ہوتی چلی گئی۔ ''نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا'' کے شکوے زبانوں پہ آنے لگے مگر تغیر نے ہر شئے کو سنبھالا دیا بلکہ اپنے ثبات سے تحرک پیدا کیا۔ زندگی کی ''چاٹی'' میں ارتقاء کی بلوئی ڈلکر مکھن، مکھن خوروں کے سپرد کیا اور چھاچھ کو بڑھاتے بڑھاتے ہر کہہ دمہ کی اوک کو بھر دیا۔ یہی وہ درست مقام ہے جہاں اس سوال کو سامنے آجانا چاہئے جو میں نے ابتداء میں روک لیا تھا۔

سوال یہ ہے کہ آخر ہماری تخلیق کا مقصد کیا تھا؟ ہمیں اس دنیا میں کیوں بھیجا گیا؟...... اس کا جواب کچھ مشکل نہیں کیونکہ اس کا جواب خود خالق کائنات نے اپنے صحیفہ تمام میں دے دیا ہے یعنی وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ اور نہیں پیدا کیا میں نے جن و انس کو سوائے اس کے کہ وہ عبادت کریں۔ اس آیت پاک کی تشریح ایک حدیث قدسی سے ہوتی ہے۔ حدیث پاک ہے...... میں چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں، سو میں نے خلق کو پیدا کیا'' ...... اس حدیث پاک میں جن و انس کا ذکر نہیں خلق کا ذکر ہے۔ گویا پہچان کے لیے جن و انس کے علاوہ تمام مخلوقات کا وجود بھی ضروری تھا کیونکہ مکلف اور باشعور مخلوق کے لیے کائنات کی وسعتوں میں پھیلی ہوئی کہکشاؤں، چاند، ستاروں، خلاؤں، بے پایاں مسافتوں اور سیاروں پر آویزاں پہاڑوں، جھیلوں، موجزن سمندروں سے پامال تک کی تصویروں کو دیکھ دیکھ کر ہی تصویر گر کو پہچاننا مقصود تھا۔ ثابت ہوا کہ اسے پہچاننا ہی اس کی بندگی یا عبادت ہے۔

یہ بات ہے بھی بڑی مدلل۔ اس کی تسبیح و تہلیل تو تخلیق کائنات کے فوراً بعد سے ہو ہی

رہی تھی۔ نہ صرف فرشتے اس کام پر مامور تھے بلکہ زمینوں آسمانوں کی ہر شئے اس کام میں مصروف تھی...... ''ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے، سب اس کی (یعنی اللہ کی) تسبیح پڑھتے ہیں یا پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ (بنی اسرائیل آیت: ۴۴)

یہ خالق کی عظمتوں کا اعتراف تو تھا مگر لگا بندھا بغیر کسی تحقیق و تجسس کے، عائد کردہ اعتراف و اقرار تھا۔ بالکل ویسے جیسے بادشاہ لوگ کچھ افراد مدح خواں بنا کر اپنے گردوپیش میں رکھ لیتے ہیں جن کا کام صرف بادشاہ سلامت کی تعریف کرنا ہوتا ہے۔ بادشاہ بھی خوب سمجھتا ہے کہ یہ پالے ہوئے طوطے ہیں جو پڑھایا ہے پڑھتے رہیں گے مگر جب کبھی بادشاہ ایسا چاہنے لگے کہ تعریف کرنے والا اس کی حقیقی حکمتوں، دانائیوں اور قدرتوں کی سچی تعریف کرے تو ایسی تعریف تحقیق و تجسس کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ ذرے کا اربواں کھربواں حصہ جب ایٹم کی صورت دریافت ہوتا ہے تو جو کلمات زبان سے سرزد ہوتے ہیں۔ انتہائے عبادت ہوتے ہیں۔ اسی لیے اسلام میں تفکر کو منتہائے عبادت قرار دیا گیا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ایک ساعت کا تفکر جنوں اور انسانوں کی عبادت سے افضل ہے۔ سچ پوچھیں تو خالق کی پہچان کا حق ہی اس طرح ادا ہوتا ہے کہ حدیث پاک کے مطابق رَبَّنَا اَرِنَا الاَشیاء کَمَا ھِیَ ''اے ہمارے رب ہمیں اشیاء کی اصل حقیقت سے بہرہ ور کر دے کہ ہم اشیاء کے باطن میں غواصی کریں اور ان میں دانستہ رکھی ہوئی حکمتوں کو دریافت کر کے ابھریں تو حیران ہو کر پکار اٹھیں...... ''رَبِّ زِدْنِی حیرتی'' ''اے میرے رب میری حیرت کو بڑھا دے...... پھر اپنی دریافت شدہ معلومات دنیا کے سامنے رکھ کر ساری دنیا کو حیران کر دیں۔

اوپر جو جملہ میں نے لکھا ہے دراصل یہ ایک عظیم صوفی کی زبان سے اس وقت سرزد ہوا تھا جب وہ عرفان کے سمندروں میں غلطاں و پیچاں تھا۔ ہر لمحہ رب علا ایک نئی شان سے جلوہ گر تھا مگر میں نے اس جملے کو دنیاوی تحقیق کے پیش منظر میں تحریر کیا ہے۔ ہاں یہ بڑی ذمہ داری ہے۔ یہاں لکھا گیا ہے۔ خالق کی پہچان کے سلسلے میں جناب علی المرتضیٰ کا قول ہے

''اللہ تک پہنچنے کے اتنے راستے ہیں جتنے ہمارے سانس ہیں''...... ظاہر ہے یہ راستے روحانی ہیں کیونکہ اس کائنات میں روحانیت ہی روحانیت ہے۔ جو اچھا عمل یہاں سرزد ہو رہا ہے یا کیا جا رہا ہے۔ سب روحانی ہے۔ میں قریب قریب اپنے لفظوں کو یہاں دہرا رہا ہوں۔ اس سے پہلے بھی اس حقیقت پر لکھ چکا ہوں کہ شعوری یا لاشعوری طور پہ اس دنیائے آب وگل میں جو کچھ کیا جا رہا ہے یا ہو رہا ہے، ایک لامحدود روحانی عمل کا حصہ ہے۔ کسان فصل نہیں اگاتا، مٹی میں پوشیدہ اسرار کو باہر لاتا ہے۔ پھل پھول، کانٹے، خود رو جڑی بوٹیاں، بیج بیج، پتہ پتہ، شاخ شاخ اور تنکا تنکا اس شہنشاہ ارض و سما کے دیئے ہوئے Directive یا ہدایت کے مطابق React کر رہا ہے۔ یہ ہدایات ''کُن'' کی سرزدگی کے ساتھ ہی ہر شئے کے باطن میں رکھ دی گئی تھیں۔ کچھ مقاصد خود بخود پورے ہو رہے ہیں۔ کچھ ہم سرانجام دے رہے ہیں۔ ہم اسی لیے تو اشرف الخلق ہیں کہ ہمیں دولت عقل و ادراک حسیات اور نتیجہ فکر پیش کرنے کی صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے۔ یہ صرف ہمارا اعزاز ہے۔ قوت مشاہدہ ہمیں عطا کی گئی ہے۔ قوت قبول و طرد صرف ہمارا حصہ ہے۔ ہم اس کائنات میں مالک و مختار کل خالق و مہتمم ہر خلق کے نائب ہیں۔ یہ نیابت تبھی ہماری ہے کہ ہم اپنے آپ کو اس نیابت کے قابل اور اس کا حقدار ثابت کریں اور یہ ثبوت روحانی اقدار کو سمجھے اور اپنائے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ خالق کا ہر عائد کردہ حکم روحانی ہے اور جو اس کے برعکس کرتے ہیں وہ ابلیسیت ہے۔

ہمارے پاس ایک لمحہ بھی فضول کاموں میں گنوانے کے لیے نہیں ہوتا کیونکہ ہمیں رفتہ رفتہ محنت شاقہ کے لیے اپنے خالق کی پہچان یعنی عرفان کے مرتبہ پر پہنچنا ہے۔ خواہ یہ مرتبہ اسرار حق کو اشیاء کے بواطن سے باہر لانے کا فریضہ ادا کر کے حاصل کریں خواہ روحانی انداز حیات اپنا کر اس پر فائز ہوں کیونکہ ہماری تخلیق کا مقصد ہی حقیقت الحقائق سے واقف حال ہونا ہے اور یہی عبادت ہے یہی روحانیت کا لب لباب ہے۔

یہاں ایک اور نہایت اہم سوال پیدا ہوتا ہے۔ اگر ہم اپنے خالق کو اپنا رب ماننے کا

عہد کر کے عالم بالا سے عالم اسفل میں آئے ہیں۔ اگر ایک حدیث پاک کے مطابق ہر بچہ فطرت اسلام یعنی سلامتی کی جبلت لے کر پیدا ہوتا ہے تو پھر ہم بد، برے، بدنام اور بے راہرو کیوں ہو جاتے ہیں؟ گناہوں کے سلسلے ہمیں کیوں اس حد تک ہمیں اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں کہ ہم سب کچھ سمجھتے بوجھتے، نیکی بدی کی خوب پہچان رکھتے ہوئے بھی شرافت اور نجابت کی تمام حدوں سے تجاوز کرتے اور انسانیت کے مقام سے گر جاتے ہیں؟

بڑے تدبر سے اس سوال کا جواب ہمیں ڈھونڈنا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ التین (تیسواں پارہ) میں خود ہی اس سوال کا ایک حد تک جواب دیتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

''اور قسم ہے جبل تین کی (جہاں حضرت نوحؑ مبعوث ہوئے) جبل زیتون کی (جہاں حضرت عیسیٰؑ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا) اور مکہ مکرمہ کی (جہاں حضور علیہ والسلام کو مبعوث فرمایا گیا) کہ ہم نے انسان کو سب سے زیادہ متوازن بنایا...... پھر ہم نے اسے نیچے سے نیچے مقام کی طرف پھیر دیا''

غور فرمایا آپ نے انسان کے شرف کی قسم رب علا بھی کھاتا ہے اور اپنی بھیجی ہوئی چار شریعتوں کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ کوئی اور مخلوق اتنی متوازن میں نے نہیں بنائی جتنی ''انسان'' مگر پھر اسے نیچے سے نیچے مقام کی طرف پھیر دیا۔ گویا انسانی شرف تو انسانی کی ذات میں ہی موجود رہا مگر اس کی کیفیتوں کو اس زمین پر بھیجتے وقت ایسا بنا دیا گیا کہ وہ ایک زیرو پوائنٹ پر آ کھڑا ہوا۔ اس زیرو پوائنٹ پر حق و باطل دو راستے بھی متعین کر دیئے گئے۔ وحی کی رہنمائی بھی بھیج دی کیونکہ اس کی انتہائی تمنا تھی کہ انسان اس زیرو پوائنٹ پہ پھر سفر کر کے اپنی حسین حیات میں ہی اپنے اس منصب کو پالے جو ''احسن تقویم'' کہلاتا ہے۔ اب ظاہر ہے زیرو پوائنٹ سے اگر ہمارا سفر درست راستے پر ہے تو ہم اپنے منصب پر ضرور فائز ہوں گے۔ منصب کی ابتداء میں ہم جنت کے سبزہ زاروں کے پیچھے تھے، ہمیں اپنے مقام کی طرف لوٹنا ہے۔

یہ بھی واضح ہے کہ عبادت یا رب غفور کی پہچان کے بغیر ہم اپنے ہدف کو ہرگز نہیں پاسکتے۔ اس نے لاکھوں کروڑوں پیرائے سامنے رکھ دیئے کہ ان سے گزرو، میری کائنات کو سمجھو، میرے پیدا کردہ اسرار و رموز کو تلاش کرو، یہ ہرڈل ریس ہے مگر تمہاری جواں ہمتی ایک نہ ایک دن تمہیں مجھ تک پہنچادے گی۔ میری بادشاہی افلاک پر بھی ہے، زمین پر بھی مگر اسے اس طرح قائم کرو جس طرح میں چاہتا ہوں۔ میرا عرفان حاصل کر کے دوسروں سے مجھے متعارف کراؤ۔ میں بالمشافہ نہیں ملتا۔ اپنی پیدا کردہ حکمتوں میں مضمر ہوں۔ مجھے تلاش کرو کہ تمہارا مقصد زیست یہی ہے۔ اگر تم میرا کام کرو گے میں تمہیں تمام دنیاوی فکروں سے محفوظ کردوں گا۔

قارئین محترم! یہ تو مقصد مشیت تھا مگر ہم اس دنیا میں آکر ہر بات جو اس مقصد کے خلاف سوچتے یا کرتے ہیں وہ اثم عدوان ہے گناہ ہے بدی ہے۔ بالفاظ دیگر ہم اپنی اسفل سافلین کی گراوٹ کو ہی اپنا مفہوم سمجھ لیں تو ہم اپنے مقام سے معطل ہو جاتے ہیں اور دوزخی کہلاتے ہیں۔ خالی دوزخ میں اپنی آگ اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔

سو بات ہیر پھیر کر وہیں آجاتی ہے جہاں سے شروع ہوئی تھی کہ ہمارا مقصد تخلیق اللہ تعالیٰ کی پہچان ہے جسے ہمارے سفلی جذبات یا افعال ظلم ایذا رسانی فحش سوچ فحش گوئی، لعن طعن، چغلی، خیانت، بدعہدی، رشوت، سمگلنگ، غیض وغضب، حرام روزی، لالچ، بہتان تراشی، بدگمانی، ناؤنوش، بے جا دشمنی، صحبت بد، حسد، بغض، کینہ، خود غرضی، ناشکری، الحاد، فسق و فجور، خودنمائی، یا بے جا اسراف، غرور، شرک، حقوق اللہ اور حقوق العباد سے بغاوت اور سب سے بڑھ کر اوامر و نواہی سے بے خبری نے غفلت کے دبیز پردے بنا کر ہمارے عقل وشعور پر ڈال رکھا ہے اور ہم حیوانات و نباتات وحوش و جمادات سے بھی کم تر درجے پہ کھڑے ہیں۔

یقیناً آپ پردوں کو گرانا چاہتے ہیں اس لیے کہ سلامتی کی فطرت جو آپ کا ضمیر بن کر آپ کے باطن میں کھد بدی لگائے رکھتی ہے، بار بار آپ کے دھندلے یا سیاہ باطن میں

سچائی کی بعد بن کر بیدار ہوتی ہو گی اور آپ بے بس و بے کس بن کر سوچتے ہوں گے کہ وقت دور نکل چکا ہے، اب کیا تائب ہوں۔ اتنی غفلت کر چکے ہیں۔ اتنے گناہ جیب میں ہیں کہ کوئی کھرا سکہ اس میں ہونے کا در دور تک امکان نہیں، کون قبول کرے گا ہماری معذرتیں، کون معاف کرے گا ہماری خطائیں، کس منہ سے بخشش کے طالب ہوں۔ آپ غلط بھی نہیں ہیں مگر درست بھی نہیں ہیں، اس لیے بھٹک جانے والا مایوس ہو جایا کرتا ہے، مگر چونکہ اسے اپنے گھر تک کا صحیح راستہ معلوم کرنے کی اشد احتیاج ہوتی ہے ایک ہلکا سا ہی سہی، یقین ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ ہر راہ گیر سے پوچھتا ہے۔ راہ سنسان ہو تو کسی کے آنے کا انتظار کرتا ہے۔ صحرا میں بھٹک جانا سب سے دہشت ناک ہوتا ہے۔

میں ایک بار صحرا میں بھٹک گیا تھا۔ نہ وہاں کوئی موڑ تھا نہ نشان نہ درخت و بشر۔ دور دور تک ریت کے ٹیلے تھے یا منہ چڑاتے افق۔ جوں جوں شام ہوتی جا رہی تھیں۔ میرا دل اور زیادہ دہل رہا تھا۔ تنہائی موت بن کر چار سو رقصاں تھی۔ میں بے چینی سے اپنی شیور لیٹ پک اپ دوڑا رہا تھا۔ پٹرول ختم ہوتا جا رہا تھا اور راہ راست ملنے کی امید ختم ہوتی جا رہی تھی...... پھر ایک اور حادثہ ہوا میں غلطی سے گہری ریت میں گھس گیا، ٹائر پھنس گئے اور سفر معطل ہو گیا۔ پیدل اس ریگزار سے بچ نکلنا قریب قریب ناممکن تھا۔ میں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ ہاتھ اٹھا کر اپنی آہیں ہفت افلاک سے پرے پہنچانے کی کوششیں شروع کر دیں مگر کوئی حل نہ ملا۔ اس لمحے میں نے ہتھیار پھینک دینا ہی مناسب سمجھا اور دور دل کی گہرائیوں میں اتنے مدہم لہجے میں کہا کہ شاید خود مجھے بھی الفاظ کا پتہ نہ چلا ویسے وجدان بتاتا تھا کہ میں نے کہا ہو گا...... ''بار الٰہ جیسے تیری رضا!''

یہ ہماری بے بسی کی انتہا ہوتی ہے۔ سو اس لمحے ایک خیال بجلی کی طرح میرے من میں کوندا کہ تو نے زندگی بھر دور کے رب کو ہی پکارا ہے...... ہاتھ اور دامن پھیلا پھیلا کر پکارا ہے۔ مگر اس کو تیری ذات سے اتنا پیار ہے کہ وہ سمٰوٰت سے تجھے بھیج کر خود بھی وہاں محدود نہ رہ سکا۔ وہ تیرے ساتھ ساتھ یہاں آیا ہے اور اس نے اس کا اعلان بھی کیا ہے......'' اور ہم

"مالک اتنا قریب اور انجانہ سے یہ یے ن ہے۔ میں نے چ

لمحے خود ہی اپنے آپ سے کہنے لگا۔ "تو نے آج تک قریب والے کے اتنے قریب ہونے پر یقین ہی کب کیا ہے! اگر ایک فیصد بھی کیا ہوتا تو وہ تمام گناہ وہ تمام خطائیں، وہ تمام غلط کاریاں نہ کرتا جو تیرے باطن کے عفریت ہیں، یہ جواب بالکل درست تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں اپنی پوری کائنات حواس کے ساتھ اس کے حضور جھک گیا اور میں نے کہا:

"اے میرے سب سے قریب آقا! میرے گناہوں کو معاف فرما۔ میری خطائیں! میری غلط کاریاں ایک بار بھول جا۔ میں قربتوں کی انتہا سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے زیست کے ہر لمحے میں یہ یقین عطا فرما دے کہ تو قریب ہے، بہت قریب ہے۔ بہت ہی قریب ہے۔ اس کے بعد میں مسلسل روتا رہا۔ ٹھنڈی ریت پر میرا بدن ڈھلک گیا اور میری آنکھ لگ گئی۔

تھوڑی دیر بعد کسی نے جھنجھوڑ کر مجھے جگایا اور کہا...... "اٹھو"...... میں نے آنکھیں کھولیں۔ دو عرب نوجوان سامنے کھڑے تھے۔ ان کی خوبصورت مرسڈیز سامنے کھڑی تھی۔ اور وہ سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے مختلف لفظوں میں اپنی افتاد و بتائی۔ وہ کہنے لگے۔ دراصل ہم کچھ ہی دور سفر کرتے ہوئے گاڑی کھڑی کر کے سو گئے اب ہمیں یہ پتہ نہیں چل رہا کہ ہم کدھر سے آئے ہیں۔ کدھر جانا ہے کیونکہ صحرا میں منظر کی یکسانیت کے باعث سمت کا تعین نہیں ہو پاتا۔ میں نے پوچھا۔ "کیا آپ مین روڈ تک راستہ جانتے ہیں"؟ وہ کہنے لگے "ہاں"، تو میں نے کہا۔ آگے میں جانتا ہوں کیونکہ اس علاقے میں میرا روز آنا جانا رہتا ہے۔ ایک رسی میری پک آپ میں موجود تھی۔ وہ ان کی کار سے باندھ کر دونوں گاڑیوں کو سٹارٹ کر کے شیورلیٹ پک اپ نکالی گئی۔ دس منٹ میں ہم لوگ مین روڈ پر تھے۔ وہاں سے ان لوگوں نے بھی اسی شہر کو جانا تھا جہاں میں ملازم تھا سو وہ

میرے پیچھے پیچھے اپنی منزل تک پہنچ گئے اور میں موت کے منہ میں جاتے جاتے بچ گیا۔

اس روز زندگی کا ایک بہت بڑا راز میں نے پایا تھا۔ سو میں اس راز میں آپ کو بھی شریک کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ بھی میری طرح دور کے رب کو ہی پکارتے رہے ہیں تو آیئے میری معیت میں قریب کے رب کو پکاریں اور تمام سچائیوں تمام خوش بختیوں اور تمام جائز آرزوؤں کو حاصل کر لیجئے۔ ایک عمل پیش خدمت ہے۔

کوئی ایسا وقت جس میں آپ بالکل فارغ ہوں، متعین کیجئے۔ پھر روزانہ اسی وقت پر اس عمل کو کیا کریں۔

۱۔ درود شریف یٰسٓ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ عَلٰی سَیِّدِ الْاُنعام۔ ۲۱ بار
(نوٹ یٰسٓ کا لفظ اتنے جذبے کے ساتھ پڑھیں جیسے حضور آپ کے بہت ہی قریب ہیں)

۲۔ پھر یا قریب ۵ تسبیح پڑھیں...... ہر بار یا قریب کہتے ہوئے یوں محسوس کریں جیسے وہ مقام قرب آپ پر کھل گیا ہے جس کی نشان دہی خود اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں فرمائی ہے۔ ہر بار سوچیں کہ آپ اس کے قریب اور قریب اور قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ پڑھائی کے اختتام تک آپ کا باطن پیار اور قرب کی خوشی میں چھلک جانا چاہیے۔ بس یہی وہ لمحہ ہے جب آپ اپنے خالق و مالک کو اتنا قریب پا کر اپنی اپنی تمام عرضیاں پیش کریں...... یہ عرضیاں ضرور منظور ہوں گی۔

۳۔ آخر میں پھر اوپر والا درود شریف اسی جذبے سے ۲۱ بار پڑھیں۔

یاد رکھیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے توسل کے بغیر یہ قرب کسی قیمت پر حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایک بات کا خاص خیال رکھیں کہ یہ پڑھائی اونچی آواز میں ہرگز نہ پڑھی جائے۔ بلکہ ہونٹ اور زبان نہ ہلیں تو اور بہتر ہے۔ اس طرح یہ پڑھائی اور دعا دل ہی دل میں کی جائے گی۔

روحانی محفل

اللہ تبارک وتعالیٰ کے صفاتی نام وخود ہی جانے کتنے ہوں گے۔ بس چند ایک کی نشان دہی قرآن پاک میں ہوئی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ جو کوئی میرے ناموں کا وسیلہ بنا کر جو دعا مانگے گا میں قبول کروں گا سو بعض ایسے ناموں کی نشان دہی بھی علماء و صلحاء نے کی ہے جو نام تو اللہ کے ہی ہیں مگر ان ننانوے ناموں میں شمار نہیں ہوتے جو تسلیم شدہ ہیں۔ بہت سے اسماء قرآن مجید میں ہی موجود ہیں مگر ان کو بھی ان ناموں کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا۔ مثلاً ذی الطّول، قریب وغیرہ ظاہر ہے قرآن پاک میں سارے نام آتے تو دفتروں کے دفتر چاہئیں تھے۔ سو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود بھی اپنے ناموں کی اتنی لمبی فہرست نہیں گنوائی کہ اصل مقصد نظر سے دور ہو جائے، البتہ ان میں سے بعض بڑے اور جامع مفاہیم رکھتے ہیں اور بے پناہ قوت بھی ان کو بھی پکار کر دیکھیں۔ یقیناً ہماری ہر مشکل آسان ہوگی۔

یَا قَرِیْبُ یَا مُسَهِّلُ

(اے قریب اے مشکلوں کو آسان کرنے والے)

بلا تعداد پڑھیں۔ یہ پڑھنے والے کے سامنے ایک گلاس پانی ہو۔ ساڑھے گیارہ بجے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائیں۔ دل کھول کر اپنے مالک سے دعا کریں۔ پورے یقین سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں ان سے جو مانگا جائے، پورے مان سے مانگا جائے جیسے اپنے ماں باپ سے مانگتے ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ پیار اور یقین کے ساتھ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ماں باپ کے مقابلے پر ستر گنا زیادہ پیار کرتے ہیں۔ آخر میں اپنے گلاس کے پانی پر دم کریں اور پی جائیں...... انشاء اللہ آپ کی مشکلیں آسان ہوں گی۔ دعا قبول فرمالی جائیں گی۔ (۲)

درود تنجینا کے کمالات

جہاں میں نے تصوف اسلامی کا مطالعہ کیا ہے۔ اسلامی علوم روحانی کی مشقیں کی ہیں۔ چلے کاٹے ہیں۔ رمل، نجوم، سامدرک، علم الاعداد، طب اور ادب کے دفتر کھنگالے ہیں۔ وہاں تبت کے لاموں، افریقہ، آسٹریلیا اور جنوبی امریکہ کے قدیم قبائلی شامانوں سے۔ یہودی مسلک سسٹم قبالہ اور اہل مغرب کے وچ کرافٹ، وائٹ میجک، بلیک میجک، گولڈن ڈان وغیرہ سے متعلق جتنا کچھ لٹریچر مل سکا پورے غور و تعمق کے ساتھ پڑھا ہے۔ میرا یہ سلسلہ دس سال کی عمر سے چل رہا ہے اور کتب بینی کا شوق بھی تقریباً اسی عمر سے رواں دواں ہے۔ میں نے بے شمار اور لاتعداد لوگوں کی روحانی مدد کی ہے۔ بڑی کثرت سے ایسے افراد موجود ہیں جن کو کسی نہ کسی روحانی سسٹم سے بیس پچیس سال پہلے فیضیاب کیا تو ایک بڑی تعداد گذشتہ ۲۰ سال سے میرے پاس آ کر اپنے مقاصد کو پانے میں کامیاب ہوئی۔

خدا گواہ ہے یہ سارے الفاظ جو اوپر میں نے رقم کیے ہیں۔ خودستائی کے لیے نہیں بلکہ صرف ایک خاص بات بتانے کے لیے کہے ہیں میرے پاس آنے والے خوب جانتے ہیں کہ میں اس انداز کا آدمی نہیں۔ میں نے ہمیشہ بہ بانگ دہل یہ کہا ہے کہ میں تو ایک ویسا ہی عاجز سا ذریعہ ہوں جیسا کوئی طبیب یا ذمے دار ڈاکٹر یا ذمے دار وکیل۔ اصل حقیقت جو اشیاء کو تکمیل فراہم فرماتی ہے۔ اپنے بندوں کی دادرسی فرماتی ہے۔ مشکلوں کے حل عطا کرتی ہے۔ مصیبتوں میں مونس و معاون ہوتی ہے۔ امراض میں شفایاب فرماتی ہے۔ رزق کی فراوانیاں دیتی ہے۔ وہی ذات بے ہمتا، بے مثال و لاشریک ہے جس کی قدرتوں کا نہ کوئی شمار ہے نہ کوئی مد و کنار۔ اس نے جب اپنے کسی بندے کو کوئی شرف عطا کرنا ہوتا ہے۔ اس کے نام سے کوئی اعزاز منسلک فرمانا ہوتا ہے تو وہ خود چارہ ساز ہوتے ہوئے اپنے اس بندے کے ذہن میں ایسا حل ڈال دیتا ہے جو مشکلات میں گھرے ہوئے افراد کو صاف بچا

کر نکال لے جانے کا سبب بنتا ہے اور لوگ کہتے ہیں صاحب اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سے فلاں کام کر دیا۔"

اس لمحے میں سرشاری کے عالم میں اپنے دل کو سجدۂ بوس کر کے کہتا ہوں ...... "آقا، آپ کا کرم ہے کہ آپ نے یہ اعزاز مجھ عاجز سے منسوب کرا دیا ورنہ میں جانتا ہوں۔ میں کتنا بے بس ہوں، کتنا بے بضاعت اور کتنا کمزور بندہ ہوں آپ کا" ...... یہ بات میں پورے وثوق سے کہہ رہا ہوں اور رتی بھر بھی اس میں اس خیال کا شائبہ نہیں کہ میں کچھ بھی ہوں یہ بات بھی میں نے کسی وضاحت کے لیے کی ہے۔

قارئین محترم! مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے جب کوئی مرد یا کوئی خاتون میرے پاس آ کر کہتے ہیں "میں آپ کے پاس آ تو گیا ہوں مگر ڈرتا ہوں کہ مجھ سے کوئی شرک سرزد نہ ہو جائے" ...... ایسے لوگ بڑے درست، بڑے خوش قسمت ہوتے ہیں کہ انہیں اس بات کا خیال رہتا ہے کہ کہیں ہم سے شرک سرزد نہ ہو جائے۔ جناب! اس بات کا خیال ہی اصل حیات اور اصل اسلام ہے۔ اسی ایک نقطے کو تو ہماری تباہیوں اور بربادیوں میں سب زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ آج اس دور میں جب ہم نے رشوت اور سفارش کو اپنا ان داتا اور معبود تصور کر رکھا ہے۔ کسی کا یہ کہنا بڑا بھلا لگتا ہے کہ "جناب! میں آپ کے پاس آ تو گیا ہوں مگر یہ کہیں شرک تو نہیں!"

میں بصد عجز پوچھنے والے سے یہ کہتا ہوں ...... "جناب! اگر ڈاکٹر، حکیم ماہر نفسیات یا کسی وکیل کے پاس جانا شرک نہیں تو میرے پاس آنا بھی شرک نہیں، اس لئے کہ وہ بھی ایک ہنر سے واقف ہوتے ہیں۔ سو آپ مدد کے لیے ان کے پاس جاتے ہیں۔ میں بھی جادو کے توڑ کرنے، جن بھوت پریت سے خلاصی دلانے یا دیگر مسائل کے حل کرانے کے ہنر سے واقف ہوں اگر جادو برحق ہے اور بڑے بڑے علماء نے اس کا ہونا قرآن حکیم سے ثابت کیا ہے تو پھر اس کا توڑ بھی ضرور ہوگا۔ اگر جن بھوت پریت کے لوگوں پر مسلط ہونے کے واقعات معتبر ترین کتب دینی و دنیوی سے ثابت ہیں تو ان سے جان چھڑانے کا فن بھی تو

ہوگا۔ اگر کچھ لوگ پیسے اور ہاتھ کی طاقت سے آپ کو آزار پہنچانے پہ تلے ہوئے ہیں تو ان لوگوں کا ناطقہ بند کرنے کا کوئی روحانی حل بھی ہوگا۔ اگر آپ کی ہر کوشش ہر کاوش، ہر محنت اکارت جا رہی ہے اور آپ کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ آپ کیا کریں تو ظاہر ہے۔ خالق کائنات نے ایسے علوم بھی متعارف کرائے ہوں گے کہ آپ کی مدد کی جا سکے۔ اللہ آپ کو دونوں جہانوں میں سرخروئی عطا فرمائے، تمام اعمال نیتوں کے مطابق اچھے یا برے قرار پاتے ہیں تو اس بات کا یقین رکھیں کہ اللہ جل مجدہٗ کے عطا کردہ فہم وادراک اور اسی کے عطا کردہ تنوع علوم کے ذریعے کسی کی مدد کرنا یا کسی سے مدد چاہنا شرک نہیں۔ اس دور کا سب سے بڑا شرک تو یہ ہے کہ ہم ہر لمحہ اس خوف کے شکار رہتے ہیں کہ اگر ہماری طاقتور سفارش نہیں تو نہ ہم اچھی ملازمت حاصل کر سکتے ہیں نہ اپنے جائز کاموں کو حکومتی اداروں سے رشوت یا سفارش کے بغیر کرا سکتے ہیں۔ ہم اس شرک کو چپ چاپ قبول کیے بیٹھے ہیں۔

اس دور نے سب سے بڑی لعنت ہم پہ جو مسلط کی ہے۔ وہ یہی خیال ہے اور یہ خیال غلط بھی نہیں، کبھی آپ کے ناجائز کام رشوت یا سفارش سے ہوتے تھے۔ اب آپ کے جائز کام ان دو لعنتوں کے بغیر ممکن نہیں رہے۔ ہر دفتر تھانہ لگتا ہے۔ آپ علم کا سمندر ہیں ہوتے ہیں۔ آپ شرفائے شہر میں سے ہیں۔ بڑے ہوں۔ ایک معمول سے کلرک کا انداز بھی آپ سے ایسا ہوگا جیسے آپ کی سات پشتیں اس کی غلام رہ چکی ہیں۔ افسروں کی تو بات ہی چھوڑیے۔ ان کی تو دہلیز پر قدم رکھتے ہوئے کلیجہ پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ یہی بے بسی کی وہ فضا ہے۔ جبر واکراہ کی صورت ہے جس کا ردعمل وہ کلاشنکوف ہے جو ہمارے نوجوانوں کے لیے کھلونہ بنتی جا رہی ہے۔ یہ تو نوجوان ہیں، مجھ جیسا شخص بھی کبھی کبھی اس رویے کے خلاف بھڑک اٹھتا ہے اور دو چار ایسے افراد کو مار دینے کی سوچیں سوچنے لگتا ہے جو میرے ساتھ ایسا انداز اختیار کرتے ہیں قسمیہ کہتا ہوں کہ جس شرک کے لیے جہاد کی ضرورت ہے وہ یہ شرک ہے جو روز بروز آپ کو بے بس بھی کر رہا ہے اور جبہ سائی پر مجبور بھی کر رہا ہے۔ میرے پاس بیروزگاری کا مارا ہوا جو شخص بھی آتا ہے اس کی زبان پہ یہ الفاظ سب سے پہلے

آتے ہیں...... ''جناب کوئی سفارش نہیں، بے روزگار ہوں، رشوت دینے کے لیے بھی کچھ نہیں''...... گویا وہ اپنے دل سے یہ بات ہمیشہ کے لیے واگزار کر چکا ہے کہ روزی رساں خدائے رزاق وخالق ہے، کیا کرے وہ؟...... اس کے ساتھ ایک تسلسل سے جو کچھ ہوتا ہے اس کا ردعمل یہی ہوسکتا ہے جو میں نے عرض کیا، بخدا ہمارے سیاسی نظام نے ہمیں جس مقام پہ لاکھڑا کیا ہ، وہاں لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ ہمارا ایک ایک عمل اس کے برعکس ہوتا ہے۔ اگر ہم دل سے عہد کر بھی لیں کہ ہم نے اس شرک کونہیں اپنانا تو ہمیں دھونس دھاندلی سے مشرک بنا دیا جاتا ہے مجبور کر دیا جاتا ہے کہ ہم ہر صاحب اختیار اور ہر صاحب اقتدار کے سامنے جھک جائیں تاکہ اپنے بچوں کے لیے نوکریاں حاصل کر سکیں۔ اپنے لیے دووقت کا رزق پاسکیں۔ اگر ہم ان فراعنہ کے تیوروں پر لکھی ہوئی تحریر انا ربکم الاعلیٰ پڑھ کر ان کی تائید نہ کریں گے تو ہمارے لئے ناداری وفلاحت کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اس حال میں روانی اعمال کا وہ حصہ جو دنیاوی حل وعقد کے لیے ہوتا ہے اگر اس کے ذریعے اپنے معاملات میں رہنمائی حاصل کی جائے تو وہ ہرگز شرک نہیں بلکہ ڈاکٹر، طبیب، ماہر نفسیات یا وکیل کا مشورہ ہے۔ دعا اور دوا میں اتنا ہی فرق ہوتا ہے کہ خالق کائنات نے شفا کو دعا کے ردعمل میں اور دوا کے باطن میں رکھ دیا ہے۔ دعا کی افضلیت یہ ہے کہ جب دوا ہمیں سوجھ نہ رہی ہو تو ہم اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں کہ شفاء کاملہ تو اسی کی ذات پاک کا خاصہ ہے۔ اس ارشاد کے مطابق کہ ''لکل داءٍ دواء ''یعنی ہر مرض کی دوا ہے، یہ تو یقینی ہو جاتا ہے کہ ہمارے مرض کی دوا تو ہے لیکن ہم یا ہمارا تجربہ یا ادراک کسی سبب سے اس دوا تک پہنچ نہیں پا رہا۔ لہٰذا اس لمحے ہم خالق دوا کی بارگاہ میں ملتجی ہوتے ہیں اور ہمارا یہ پیرایہ دعا کہلاتا ہے۔ یوں ہماری کم مائیگی ۔ یہاں کام آتی ہے اور ہمارا مریض خواہ وہ جسمانی مرض کا شکار ہو خواہ روحانی مرض کا، خواہ اسے بے کاری کا مرض ستاتا ہو، خواہ بہن بھائیوں یا شریک حیات کی بے اعتنائی کا مرض وہ ہر مرض سے شفا پاتا ہے۔ روحانیت میں یہ سب امراض ہیں اور ہر

مشکل کا حل شفاء کہلاتا ہے۔ چلتے چلتے ایک نکتہ عرض کرتا چلوں کہ ارشاد ربانی کے مطابق ''یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' جو کچھ زمین وآسمان میں ہے اللہ کی تسبیح پڑھ رہا ہے تو یاد رکھیں ''دوا بھی کوئی تسبیح پڑھتی ہوگی۔ اس کا اپنا اثر بھی اسی تسبیح کا مرہون منت ہے، سو اس کلیے کے مطابق کسی تسبیح سے شفایابی بھی حقیقت میں مریض کو دوا دینا ہی ہے۔

اس مضمون کی ابتدا کرتے ہوئے میں نے لکھا ہے کہ میں نے انواع واقسام کے روحانی سسٹم مطالعہ کیے ہیں۔ اس میں یہ بات مزید شامل کر لیجیے کہ میرے نزدیک ہر علم ایک ہی حقیقت کو پانے کے لیے ازل سے ابد کی جانب رواں دواں ہے۔ انسانی کاوشوں کا منبع ومنتہا ایک جذبہ ہے، ایک ہی تلاش ہے اور ایک ہی سبب کو دریافت کرنے کی طاقتور یا کمزور کوشش کا دوسرا نام ہے اور وہ ہے حقیقت کو پہچان کر منزل عرفان کو پانا۔ اس تلاش کے لاکھوں انداز ہیں۔ ایک افق سے دوسرے افق تک ایک سراب سے دوسرے سراب تک تلاش ہی تلاش ہے اپنے اپنے روحانی سفر ہیں۔ اپنی اپنی روحانی منزلیں ہیں۔ اپنی اپنی ولائتیں ہیں۔ کوئی رنگوں سے کھیل کر اپنی ولایت پا رہا ہے تو کوئی لکڑی کے حسن میں غواصی کر رہا ہے، کوئی مٹی پتھر یا چاک سے شکلیں تراش رہا ہے اور کوئی طبیعات و مابعدالطبیعات کے عقدوں کو حل کر رہا ہے۔ سب کے سب شعوری یا لاشعوری طور پہ اسی شاہ مکان ولامکان کی چاکری کر رہے ہیں، حتیٰ کہ جو شخص کچھ بھی نہیں کرتا، بظاہر بے کار اور بے معنی لگتا ہے۔ کون جانے صرف وہی کچھ کر رہا ہو اور کچھ نہیں تو سامان عبرت بن کر کچھ کرنے والوں کے ہوش وحواس درست تو رکھ رہا ہوتا ہے سائنسدان جسے ہمارے بیشتر علماء سخت شک کی نظر سے دیکھتے ہیں، میرے نزدیک لحظہ بلحظہ خدائے قدوس سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ کیونکہ وہ بزعم خویش صرف اور صرف سچ بولتا ہے...... سچ کو سچائی کا ثبوت سب سے پہلے ملتا ہے۔

یہ سب کچھ جو میں نے لکھا، ایک ایسی بات بتانے کے لیے لکھا ہے جو بہت سے دلوں میں اٹھنے والے کتنے ہی سوالوں کا شافی جواب بن سکتی ہے اور وہ بات یہ ہے کہ دن رات

مقام ایسا بھی آتا ہے کہ اپنی بے بسی کو بے چارگی کا بہت ہی شدت سے احساس ہوتا ہے۔

ایک شخص آتا ہے۔ نہایت معقول، نہایت شریف، نہایت دردمند دل رکھنے والا۔ اس کی بات سن کر جی چاہتا ہے۔ کاش وہ قوت پاس ہوتی کہ میں چشم زدن میں اس کا مسئلہ حل کر دیتا مگر اپنی بساط کے مطابق دل سے دعا کی جاتی ہے، کچھ نقش تعویذ بھی دیئے جاتے ہیں، کچھ پڑھنے پڑھانے کے لیے بھی دیا جاتا ہے مگر جلد ہی پتہ چلتا ہے کہ کچھ بھی نہیں ہوا، حالات سر مو بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلے، وہ روحانی اعمال جو سینکڑوں بلکہ ہزاروں بار تیر بہدف ہو چکے ہوتے ہیں۔ تجربات کی کسوٹی پر صد فی صد درست ثابت ہو چکے ہوتے ہیں۔ کسی ایک معمولی سے کام کے لیے بالکل بیکار ثابت ہوتے ہیں...... سوچنے کی بات ہے ایسا کیوں ہوتا ہے؟

اس سوال کا جواب طویل بھی ہے مختصر بھی۔ طویل اس طرح کہ ایسا فرد جس کا کام نہیں ہو رہا، اس کے اعمال دعا کا راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایک صاحب کا کاروبار نہیں چل رہا۔ ہزاروں کوششوں کے باوجود اس کے کاروباری سلسلے وہیں کے وہیں ہیں نہ تدبیریں کام آئیں نہ تقدیریں نہ دعائیں نہ عملیات...... حالات پتہ کیے گئے۔ ملتان کے رہنے والے ہیں یہ صاحب وہاں سے اطلاع آئی کہ اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر ایک غیر عورت کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ وہ عورت کہتی ہے، جب سے تمہیں ملی ہوں دن دگنی رات چوگنی ترقی کی ہے۔ تمہیں کیسے چھوڑ دوں؟ اس کے برعکس جب سے یہ صاحب اس محترمہ سے ملے ہیں۔ ان کے نصیب میں زوال ہی زوال ہے۔ ظاہر ہے۔ یہاں دو نظریوں کا ٹکراؤ ہے۔ بیوی کا دکھا ہوا دل بچوں کا باپ کی شفقت سے محروم ہونا ظاہر ہے۔ میری دعائیں اور میرے روحانی اعمال اس بندہ خدا کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔

ایک نوجوان میڈیکل میں داخلہ چاہتا ہے۔ میں قوی سے قوی عمل آزماتا ہوں۔ نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات نکلتا ہے۔ میں بے بس ہو کر اللہ کے حضور گڑگڑاتا ہوں کہ بار الٰہ،

یہ نوجوان ذہین بھی ہے۔ داخلے کا حقدار بھی ہے۔ آرزو بھی جائز ہے پھر کیا ہے؟ کیوں اس کا کام نہیں ہوتا؟ شام کو اس نوجوان کے والدین آ جاتے ہیں اور کہتے ہیں...... "صاحب ہمارے بچے کے لیے دعا نہ کریں۔ وہ آپ کے پاس آتا ہے تو ہم مصلّے سنبھال کر بیٹھ جاتے ہیں کیونکہ ہماری ماہوار آمدن سے تو گھر کے اخراجات بھی پورے نہیں ہو پاتے۔ ہم کیسے اپنے بیٹے کو میڈیکل میں داخلہ لے دیں۔ چھ بچیاں گھر میں جوان بیٹھی ہیں۔ ہم تو ان کی شادیاں بھی نہیں کر سکتے۔ تب مجھے پتہ چلتا ہے کہ کس قوت نے دعا کو روک رکھا ہے۔

میں ایسی سینکڑوں مثالیں دے سکتا ہوں، کسی نے ماں باپ کو ناراض کر رکھا ہے۔ کوئی کسی کا حق مار کر مظلوم بنا بیٹھا ہے، کوئی اپنی غیرت کو بیچ کر آتا ہے تو کوئی ایمان کا سودا کر کے۔ ایسے لوگ قدرت کی گرفت میں ہوتے ہیں۔ ان کا حل کسی روحانی آدمی کے پاس نہیں ہوا کرتا...... بدکاریاں، بے راہرویاں، رزق حرام، غصب، فریب اور اسی قبیل کی دوسری بدصورتیاں آپ کے زوال، افلاس اور بیماری کا سبب ہوں تو علاج آپ کے پاس ہے اور کسی کے پاس نہیں...... توبہ کیجئے آئندہ ایسے اعمال سے دور رہنے کا عہد کیجئے...... اور ایک تسلسل کے ساتھ اس نئی اور شاداب زندگی کو اپنائے رہیے، شاید وہ غفور الرحیم آپ کو معاف فرما دے اور آپ کی خوشیاں اور صحت و سلامتی واپس آ جائے۔

سحر جادو ٹونہ ٹوٹکا لوگوں کی چیرہ دستیاں، حاسدوں کا حسد، ستاروں کی چالیں، ظالموں کا ظلم، ان سب کا علاج ہے۔ ہر شے سے نپٹا جا سکتا ہے کیونکہ اگر آپ مظلوم ہیں یا کسی کے ڈسے ہوئے ہیں تو آپ حق پر ہیں۔ ایک ایک روحانی لفظ ہر لحہ آپ کی مدد کے لیے مستعد ہے۔ فعال ہے مگر آپ کا اپنا برا عمل خود آپ کی اپنی کاوش سے آپ کو چھٹکارا دلا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں۔

میں ایک درویش کے پاس بیٹھا تھا۔ ایک لڑکا آیا اور کہنے لگا...... "باباجی! میری ترقی اصولی طور پر اب ہونی چاہئے یعنی Due ہے مگر میرا افسر رشوت مانگتا ہے وہ ہر ماتحت سے رشوت لیتا ہے تب اس کے کاغذات ترقی کے لیے آگے بھیجتا ہے۔ آپ دعا کریں کہ میرا

افسر مجھے بغیر رشوت لیے ترقی دے دے“...... یہ درویش سوچ میں پڑ گیا، پھر کہنے لگا...... ”دیکھ برخوردار! تیرا افسر گناہوں کے ڈھیر سر پر لیے کھڑا ہے۔ پہلے میں اسے توبہ کی توفیق بارگاہ ایزدی سے دلاؤں پھر اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کرے تب جا کر یہ ممکن ہوگا کہ وہ بغیر رشوت کے تیری ترقی کر دے۔ تیرے افسر کے بداعمال کی جو سزا مقرر ہو چکی ہے اور اس کی روح کو جو آزار لگنے والے ہیں میرے پاس ان کا کوئی حل نہیں۔ یہ پیسہ اس کی اولاد کو بھی تباہ و برباد کرنے والا ہے یہ زہر جو اس نے اپنے رگ و پے میں دوڑایا ہے۔ اپنے بیوی بچوں کی نس نس میں گھولا ہے یہ سارا بوجھ اس کے اپنے سر پر ہے۔ وہ تنہا اس عذاب میں مبتلا نہیں۔ اس کی آل اولاد یہاں تک کہ اس کے رشتے دار بھی اس زہر سے جاں بلب ہیں۔ تیری ایک ترقی کے لیے کس کس کا جرم اپنے سر لوں۔ ایسا نہیں ہو سکتا لہٰذا تو صبر کر۔ ہم دعا کریں گے کہ کوئی ایسا شخص اس کی جگہ آ جائے جس کا اندر باہر اتنا سیاہ نہ ہو۔ پھر سفارش کے بغیر تیری ترقی کی امید کی جا سکتی ہے۔“

جناب دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے وقت، سائل کے باطن پر بھی ایک گہری نگاہ ڈالنی پڑتی ہے کہ کہیں اپنا مواخذہ نہ ہو جائے۔ لہٰذا جن کے کام نہیں ہوتے، اگر اس کا سبب ان کی اپنی ذات میں ہے تو وہ اپنا چارہ کریں، حق کو پہچانیں، ناحق کو ترک کریں، جتنی زیادتیاں کی ہوں۔ اتنی نیکیاں لوگوں سے کر کے اپنے اعمال کا میزان برابر کریں اور جہاں تک ممکن ہو ان لوگوں کو تلاش کر کے ہر صورت کفارہ ادا کریں جو ان کے ڈسے ہوئے ہیں۔

یہ تو تھا طویل جواب کا نمونہ۔ اب رہا کہ اس سوال کا مختصر جواب کیا ہے، تو جناب مختصر جواب یہی ہے کہ انسان خواہ سارے جہاں کے علم اور ہنر چاٹ لے، رہتا تو انسان ہی ہے کہیں نہ کہیں اس کی تمام صلاحیتیں فیل ہو جاتی ہیں۔ تب ابن عربی کا قول یاد آتا ہے۔

”بندہ بندہ ہی رہتا ہے چاہے کتنے عروج پر چلا جائے۔ رَبّ رَبّ ہی رہتا ہے خواہ کتنا تنزل کیوں نہ اختیار کر لے!“

میں اس دور میں اس انداز کی باتوں کو سمع خراشی ہی تصور کرتا ہوں مگر مجبوری یہ ہے کہ

میرا موضوع ہے روحانیت اور اس سے وابستہ ہوتے ہوئے ممکن نہیں کہ میں ان باتوں کو روک لوں۔ ان کو پوری شدومد سے بیان کرنا اور اس میں معذرت خواہانہ انداز اختیار نہ کرنا سب سے بڑا روحانی پیرایہ ہے میں تہہ دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو حق پر چلنے کی حق کہنے کی، حق کو پہچاننے کی توفیق دے اور تاحیات دیئے رکھے۔ یہی بات حرز جاں بنا کر رکھنے کی ہے۔ یہ نہیں تو ہر عمل، ہر چلہ، ہر روحانیت باطل ہے۔ بعض اوقات ہم نے لوگوں کی نظر میں اپنے آپ کو حق پرست بنا رکھا ہوتا ہے مگر ہم حق پرست ہوتے نہیں۔ اپنا یہ محاسبہ کرنا بھی ہمارے لیے ضروری ہے۔

اس بقدر ظرف تشریح کے بعد میں ایک ایسا عمل پیش خدمت کر رہا ہوں جو کسی اعتبار سے بھی اسم اعظم سے کم نہیں۔ اس پر عمل کرنے والے حیرت انگیز نتائج پائیں گے۔ قارئین کا تحفہ ہے اسے خوب سمجھ لیجئے۔ دو تین بار پڑھ کر اس کی تفصیلات کو اپنے ذہن میں بسائیے پھر عمل کیجئے۔

بعد نماز عشاء، (یا اس وقت کیجئے جب آپ نے سو جانا ہو)

ا: درود تنجینا گیارہ بارہ

ب: اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ اکیس بار

یہ سورہ یٰسین کی آخری سے پہلی آیت ہے۔ سورہ میں اس آیت کا نمبر ۸۲ ہے۔ ۲۱ بار یہ آیت پڑھنے کے بعد التحیات پر بیٹھنے یا چوکڑی لگا کر یا جیسا آپ آرام دہ محسوس کریں ویسے بیٹھئے۔ جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیجئے۔ جسم کے کسی حصے میں کسی قسم کا کوئی تناؤ نہیں ہونا چاہئے۔ پانچ سات گہری سانسیں لیجئے۔ سانس اندر لے جاتے ہوئے بے شمار بار اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ کہتے ہوئے سانس سے سینہ بھر لیجئے۔ پھر سانس روک کر جتنی بار اللہ اللہ اللہ کہہ سکتے ہیں کہیں، پھر آہستہ آہستہ ھُو ھُو کہتے ہوئے سانس نکال دیں اور محسوس کریں کہ آپ کا باطن اس پاک اسم کی خوشبو سے معطر ہو گیا ہے۔ پانچ سات سانس لینے سے آپ کا سارا اعصابی تناؤ ختم ہو جانا چاہئے۔

اب اپنی آرزو کے بارے میں چند سیکنڈ سوچیے یہ کوئی بھی آرزو ہو سکتی ہے۔ مثلاً

۱۔ آپ دولت مند مگر حلال ذریعے سے دولت مند بننا چاہتے ہیں۔
۲۔ آپ خوبصورت بیوی کے شوہر یا خوبصورت شوہر کی بیوی بننا چاہتے ہیں۔
۳۔ آپ زبردست صحت کے مالک بننا چاہتے ہیں، بیماری سے چھٹکارا پانا چاہتے ہیں۔
۴۔ آپ اپنا پیار پانا چاہتے ہیں۔
۵۔ سائنسدان، چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ سی ایس ایس افسر بننا چاہتے ہیں۔
۶۔ اعلیٰ درجے کے کرکٹر بننا چاہتے ہیں۔
۷۔ روحانی آدمی بننا چاہتے ہیں۔
۸۔ آپ کار حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یا ایسی کوئی مخصوص شئے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

جو بھی تمنا ہے جو بھی آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس عمل سے حاصل کر سکتے ہیں۔
آپ کو صرف یہ کرنا ہے کہ مذکورہ درود شریف، مذکورہ آیت لکھی ہوئی تعداد کے مطابق پڑھ کر اور پانچ سات سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں۔ جسم کو ویسے ہی ڈھیلا چھوڑے رکھیں اور یہ تصور کریں کہ وہ آرزو یا وہ تمنا جو آپ کے دل میں ہے پوری ہو چکی ہے۔ تصور ہی تصور میں اس آرزو کے پورا ہونے کے بعد کے منظر کو اتنی تفصیل سے دیکھیں جیسے حقیقتاً وہ سب کچھ آپ کی زندگی میں موجود ہے۔ مثلاً ہم کوئی ایک مقصد سامنے رکھ کر ایک منظر تصور میں بتاتے ہیں تاکہ بات پوری طرح آپ کی سمجھ میں آسکے۔

فرض کیجیے ہم نے ایک اعلیٰ عہدہ حاصل کرنا ہے مثلاً ہمارے پاس انجینئرنگ کی ڈگری ہے۔ ہمیں نوکری نہیں مل رہی ہمیں یہ بھی پتہ نہیں کہ ہمارے لیے کسی محکمے میں نوکری کرنا بہتر ہے اپنی چشم تصور میں یوں منظر بنائیں گے کہ ہم اپنے آپ کو نہایت اچھے اور شاندار لباس میں کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے آگے شایان شان ٹیبل ہے جس پر متعدد فائلیں اور ایسی ہی دوسری آفس کے استعمال کی چیزیں پڑی ہیں۔ ہم یعنی میں اس جگہ دلی طور پر مطمئن ہوں چہرے پر سکون ہے۔ صحت و سلامتی کے مکمل آثار ہیں۔ مختلف

ماتحت میرے پاس آرہے ہیں۔ مختلف کاغذوں پر دستخط کر رہا ہوں۔ محکمے میں میری لگن، محنت اور ذہانت کی شہرت ہے۔ میرے افسر مجھ سے خوش ہیں۔ وہ مجھے اپنے آفس میں بلاتے ہیں۔ میرا احترام کرتے ہیں۔ مجھے بڑے بڑے پراجیکٹ تفویض کیے جارہے ہیں۔ میں ان پراجیکٹس پر پورے انہماک اور ایمان داری سے کام کر رہا ہوں۔ میرے چار سو آسودگیوں اور خوشحالیوں کا دور دورہ ہے پھر تصور ہی تصور میں اپنے آپ کو فیلڈ میں لے جائیں۔ وہاں بڑی وضاحت سے کام ہوتے ہوئے دیکھیں۔ اپنے آپ کو ان کاموں کا معائنہ کرتے ہوئے دیکھیں۔

اسی طرح اگر آپ شادی کرنا چاہتے ہیں تو اپنی ازدواجی زندگی کی تصویریں بنائیں۔ خوبصورت بیوی یا خوبصورت شوہر کو اپنی زندگی میں دیکھیں، جیسے گھر کا آئیڈیل آپ کے ذہن میں ہے۔ وہ گھر خیالی دنیا میں بسائیں۔ اگر کسی مخصوص کردار سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو اسے اپنا شریک بنا کر یہ خیالی فلم اپنے تصور کی سکرین پر چلائیں۔ پوری پوری تفصیلات کو دیکھیں۔

بعینہٖ اگر آپ کسی مرض سے خلاصی پانا چاہتے ہیں یا طاقتور جسم کے متمنی ہیں تو اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھیں کہ آپ کے عضلات میں بجلیاں بھری ہوئی ہیں۔ آپ اس مرض سے صحت پاچکے ہیں۔ خوبصورت ہو چکے ہیں، زندہ دل بن چکے ہیں۔ آپ کے ہونٹوں پر لافانی مسکراہٹیں ہیں۔

ان مثالوں سے آپ خوب سمجھ سکتے ہیں کہ آپ نے اپنی تمنا کو ذہن میں رکھ کر کیا منظر دیکھنے ہیں۔ مختصر لفظوں میں یہ خیالی پلاؤ پکانا ہے مگر یقین مانیں کہ اس عمل کو دل و جان سے کیا یہ خیالی پلاؤ نہیں رہے گا بلکہ صد، فیصد یہ منظر ایک حقیقت بن کر آپ کی زندگی میں آجائیں گے۔

اس عمل میں ایک گر یاد رکھنا بہت ضروری ہے۔ وہ گر ہے کہ آپ کے ذہن میں بار بار یہ بات آئے گی کہ آخر ایسا کیسے ہوگا؟ بس یہی آپ نے نہیں سوچنا۔ اس کی تھوڑی سی تفصیل

ہے خالق و مالک کائنات کا کمپیوٹر ہے یہ پوری کائنات اس کمپیوٹر کے کنٹرول میں ہے یہ بات میں اس انداز میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آج کی معلومات کے مطابق یہی طرزِ فکر درست ہے ورنہ اس کے لیے روحانی اصطلاحات بھی موجود ہیں جو ہر آدمی کی سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ کچھ یوں سمجھ لیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنا فرمان ہے...... ''وَاللّٰہُ مُحِیطٌ بِکُلِّ شَیْءٍ'' ...... اللہ نے ہر شئے کا احاطہ کر رکھا ہے۔ ظاہر ہے۔ یہ احاطہ ایک کمپیوٹرائزڈ سسٹم ہے۔ اس بڑے سسٹم کا ایک چھوٹا سسٹم ہمارے اندر بھی لگا ہوا ہے۔ جب ہم ایک خاص انداز میں بڑے سسٹم میں اپنے چھوٹے سسٹم کو ضم کر کے اپنی خواہشات بڑے سسٹم کے سپرد کرتے ہیں تو اس سسٹم کے پاس بڑے زبردست اختیارات اور کچھ کرنے کی طاقتیں لامحدود ہوتی ہیں۔ ہم زندگی میں بیشتر چیزوں کے یا مقامات کے حصول میں صرف اس لیے ناکام رہتے ہیں ہم کیوں اور کیسے کے مخمصوں میں پھنسے رہتے ہیں ہمیں پھنسنا بھی پڑتا ہے اس لیے کہ ہم بہت محدود ہیں۔ فوراً ہماری حدود سامنے آجاتی ہیں اسی لئے ہم سوچتے ہیں کہ ایسا کیسے ہوگا؟ کیسے ہوسکتا ہے؟ لیکن جب ہم درمیان کے استدلال کو ختم کر کے صرف وہ منظر دیکھتے ہیں جس کی ہمیں آرزو ہوتی ہے تو ہم اس لامحدود قوتوں کے حامل عالمی دماغ یا عالمی کمپیوٹر کے سپرد اس منظر کو کر کے اس بات سے بے نیاز ہو جاتے ہیں کہ وہ اس نتیجے کو کیسے ہماری زندگیوں میں لائے گا۔ اس کمپیوٹر سسٹم کو وہ وہ طریقے معلوم ہیں جو ہمارے خواب وخیال میں بھی نہیں ہوتے۔

اس بات کو بھول جائیے۔ یہ آپ کے اندر کی منفی لہر ہے جو بار بار ابھرے گی، آپ کا تمسخر اڑائے گی کہ کس مصیبت میں اپنے آپ کو ڈال رہے ہو، کیا احمقانہ طریقہ اختیار کر رہے ہو۔ اس لمحے آپ نے صرف ایک جملہ کہنا ہے...... ''اے میرے باطن کی منفی لہر تو جھوٹی ہے۔ فی الفور میرے اندر سے رخصت ہو جا۔ میرا عمل درست ہے اور وہ جو اپنے

تصور میں دیکھ رہا ہوں یقیناً ہو کر کہے گا"...... یہ کہہ کر پھر اپنے عمل کی طرف راغب ہو جائیں۔ میں آپ کو بار بار یقین دلاتا ہوں کہ اس عمل میں دیکھا جانے والا منظر ۹۹ فیصد ہو کر رہے گا۔ ایک فیصد صرف یہ ہوگا کہ اگر منظر آپ کے لیے خطرناک ہے تو اس کی نوعیت بدل دی جائے گی اور عالمی کمپیوٹر خود اس کی اصلاح کرے گا مگر رد عمل ضرور ہوگا۔

ہر فقیر جو اک نگاہ سے آپ کی دنیا بدل دیتا ہے۔ اسی گر کو استعمال کرتا ہے۔ اس کی ذات میں یقین کی منزل اس حد تک بڑھ گئی ہوتی ہے کہ وہ ایک بار آپ کے لیے اچھا سوچتا ہے یا کوئی مخصوص تمنا کرتا ہے تو عالمی کمپیوٹر فی الفور اس کی اس سوچ کو قبول کر کے مستعد ہو جاتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ کے بگڑے کام سنور جاتے ہیں۔ اسی کو روحانی تصرف بھی کہا جاتا ہے۔ اسی کو صاحب امر ہونا بھی کہتے ہیں۔ یہ سارے سلسلے صدیوں سے جاری و ساری ہیں۔ ان کی توضیحات مختلف وقتوں میں بدلتی رہتی ہیں۔ وہ کمپیوٹر جسے انسان نے آج دریافت کیا ہے اور جو آج کی دنیا میں سب سے بڑی حیرت انگیز ایجاد ہے، یہ ایجاد نہیں صرف دریافت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی شہنشاہی میں یہ ایک ادنیٰ سا سسٹم ہے۔ جسے روحانی فضاؤں سے وابستہ لوگ صدیوں سے جانتے ہیں۔ اس سے مسلسل کام لیتے رہے ہیں...... اس سسٹم سے کام لینے کی بہت سی کنجیاں ہیں۔ ان میں "ماسٹر کی" یعنی کلید اعظم وہ ہے جو میں نے شروع میں لکھی ہے۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنَ ...... "بیشک اس کا حکم کائنات میں جاری وساری ہے جب وہ کسی شئے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا اور وہ شئے ہو جاتی ہے۔"

یہی امر کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہے جس کی لامتناہی قوتوں سے ہم اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کا حصول کرتے ہیں اس عمل پر میری رہنمائی میں عمل پیرا ہونے والے افراد چند دنوں، چند ہفتوں یا چند مہینوں میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ زیادہ دیر لگانے والے وہ ہوتے ہیں جو اپنی منفی لہر پر قابو نہیں پا سکتے۔

ایک وضاحت باقی ہے اور بہت ضروری ہے۔ اس مشق میں اپنی آرزو سامنے رکھتے

ہوئے ناممکن باتوں کا نہ سوچیں۔ مثلاً یہ کہ میں ابدی زندگی پا چکا ہوں۔ مثلاً یہ کہ میں چند لمحوں میں چند دنوں یا ہفتوں میں دنیا کا سب سے امیر آدمی بن چکا ہوں۔ درجہ بدرجہ خواہشات کا تعین کریں اور ان کے پورا ہو جانے کے مناظر چشم تصور سے دیکھیں۔ مثلاً اگر آپ بالکل کنگال ہیں تو پہلے اپنے رزق کے کھلنے کا ٹارگٹ بنائیں۔ جب یہ ٹارگٹ حاصل ہو جائے تو اپنی تیز ترقی اور مالی حالت کی بہتری کے مناظر دیکھیں۔ اس طرح رفتہ رفتہ بے شک اربوں کھربوں تک پہنچ جائیں ضرور ایسا ہوگا۔ یہ درجہ بدرجہ تعین اس لیے ضروری ہے کہ اگر آپ نے کسی شئے کی انتہا کو اپنا کر یہ منظر دیکھنے شروع کر دیئے تو منفی لہر بھی اتنی شدید اور طاقتور ہوگی اور منفی لہر اپنی تمنا درست انداز میں طاقتور انداز میں عالمی کمپیوٹر کے سپرد کرنے کی صلاحیت کو مفلوج کر دیتی ہے۔ عالمی کمپیوٹر کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ آپ چاہتے کیا ہیں۔ لہٰذا درجہ بدرجہ اپنی تمناؤں کی ترتیب بنائیے اور اس نایاب عمل سے فائدہ اٹھایئے۔
میرے پاس جو لوگ اپنے معاملات لے کر آتے ہیں ان کا ۶۰ فیصد اس عمل سے پایۂ تکمیل کو پہنچایا جاتا ہے۔ دعا کا اصول بھی یہی ہے کہ دعا مانگ کر یقین رکھیں کہ آپ کی دعا قبول ہو چکی ہے۔ صرف اس کا ظہور باقی ہے مگر دعا میں بھی ہمیشہ یہ اصول یاد رکھیں کہ بیشتر دعائیں منفی لہر برباد کر دیتی ہے۔ علاوہ ازیں دعا مانگنے والے کا اپنا ذہن صاف نہیں ہوتا سو وہ مبہم دعائیں مانگتا ہے جن کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔

روحانی خط

دربار سرکار رسالت پناہ مدینہ منورہ میں بصد عجز حاضر تھا کہ مجھے اونگھ آئی۔ دیکھتا ہوں ایک بہت سن رسیدہ بزرگ ایک چابی نکال کر مجھے دیتے ہیں۔ چابی لینے کے بعد میں چونک جاتا ہوں۔ باب جبریلؑ کے باہر وہی بزرگ بیٹھے قرآن حکیم کی تلاوت کر رہے ہوتے ہیں۔ حافظہ غلطی نہیں کھاتا تو ان کا نام بابا کرم الٰہی صاحب تھا۔ مدتوں پہلے پاکستان سے مدینہ منورہ گئے تو پاسپورٹ پھاڑ کر پھینک دیا۔ پھر حج کرنے بھی نہ گئے کہ کہیں وہاں جا کر وفات نہ پا جائیں۔ قرب رسولؐ میں فنا تھے، عشق رسولؐ اوڑھنا بچھونا تھا۔ میں بابا صاحب

کے پاس بیٹھ گیا۔ خاموش مؤدب تھوڑی دیر بعد سر اٹھایا اور فرمایا......کا کا کی گل اے؟" (لڑکے کیا بات ہے؟)

میں نے عرض کیا کہ ابھی ابھی آپ نے مجھے مسجد نبویؐ کے اندر ایک چابی عطا کی ہے۔ وہ چابی دے دیجئے۔ باباجی نے اپنی ایک کاپی میں سے ایک کاغذ نکال کر دیا اور فرمایا۔ یہ پوری کائنات کی چابی ہے جب چاہو لگالو اور جو دروازہ چاہو کھول لو۔

میں نے دیکھا۔ اس کاغذ پر درود تنجینا لکھا تھا۔ یہ کاغذ آج بھی میرے پاس ہے۔ اسی سے درود تنجینا نقل کر کے لکھ رہا ہوں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ صَلٰوةً تُنَجِّيْنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ الْاَهْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِىْ لَنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ الْحَاجَاتِ وَتُطَهِّرُنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ السَّيِّاٰتِ وَتَرْفَعُنَا بِهَا عِنْدَكَ اَعْلَى الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِهَا اَقْصَى الْغَايَاتِ مِنْ جَمِيْعِ الْخَيْرَاتِ فِى الْحَيٰوةِ وَ بَعْدَ الْمَمَاتِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝

بروز جمعۃ المبارک یہی درود پاک ۹ بجے صبح سے ½ ۱۱ بجے تک پڑھا جائے گا۔ کوئی تعداد مقرر نہیں۔ غسل کر کے یا کم از کم وضو کر کے اس کا ورد کریں۔ ایک گلاس پانی سامنے رکھیں۔ اس پر وقتاً فوقتاً یہ درود پاک دم کرتے جائیں۔ ساڑھے گیارہ بجے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں۔ خشوع وخضوع سے دعا مانگیں، پھر پانی کا گلاس پی جائیں اور امید واثق رکھیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی ہر جائز آرزو پوری فرمائیں گے۔ (۳)

تصوف اور عرب

یہاں میں کچھ ایسی معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں جو کسی حد تک میرے مسلک کو واضح کر سکیں گی۔

لفظ روحانیت ایک اصطلاحی لفظ ہے اور آج کے اس دور میں عام طور پر ماورائی علوم سے متعلق ہے۔ ہر شخص نے ایک خاص مفہوم اپنے ذہن میں وضع کر رکھا ہے کہ روحانیت کیا ہے یا لفظ روحانیت سے مراد کیا ہے۔ ایسے اصطلاحی لفظ ہر فن، ہر ہنر اور ہر شعبۂ علم میں انسانوں نے طے کر رکھے ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ کسی خاص نظریے کو بیان کرنے کے لیے بار بار لمبی چوڑی تشریح نہ کی جائے، بلکہ اختصار سے کام لیتے ہوئے کم سے کم وقت میں ایک معلوماتی پیرائے کو لکھ پڑھ اور سمجھ لیا جائے۔

ہم ایک محفل میں کہتے ہیں...... "لیجئے لطیفہ سنیئے"...... عربی زبان میں یہ لفظ ہرگز ان معانی میں استعمال نہیں ہوتا جن معانی میں اردو بولنے والا طبقہ اسے استعمال کرتا ہے۔ اس طرح یہ لفظ روحانی منازل میں چھ ایسے بدنی مقامات کا نام ہے جنہیں لطائف ستہ کہا جاتا ہے اور لطیفہ قلب لطیفہ روح، سر، خفی، اخفی وغیرہ کے نام سے موسوم کیے جاتے ہیں مگر ہم عام طور پر اسے مزاحیہ بات کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ سائنس میں نظریۂ اضافت، ادب میں نظریۂ وجودیت، روحانیت میں مسلک وحدت الوجود اور وحدت الشہود ایسی اصطلاحی مثالیں ہیں جن کا نام و نشان بھی احادیث معتبرہ یا قرآن پاک میں نہیں یہ خالصتاً انسانی تراکیب ہیں مگر سب کی سب فی الفور ہمارے سامنے اس تشریح کو ختم کر دیتی ہیں جو ان کی تہہ میں پوشیدہ ہوتی ہے۔

ہمارے ہاں لفظ مذہب دین کے معنی میں استعمال ہوتا ہے مگر عربوں کے ہاں اس

کے کچھ اور معنی ہیں۔ میں بہت سال پہلے عربستان میں بغرض ملازمت گیا تو ایک عرب نے مجھ سے پوچھا...... ''تمہارا مذہب کیا ہے؟'' ......میں نے جواب دیا...... ''اسلام۔'' وہ ہنس پڑا کہنے لگا اسلام تو دین ہے۔ میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ تم حنفی ہو مالکی ہو یا حنبلی و شافعی......تب مجھے یہ پتہ چلا کہ عربوں کے ہاں اس لفظ کو فرقے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مذہب کے معنی چونکہ راستہ ہے لہٰذا عربوں کے ہاں یہ لفظ اس خاص مسلک کے لیے استعمال ہوتا ہے جسے آپ نے اختیار کیا ہو۔ قصہ مختصر یہ کہ اصطلاحی نام انسانی وضع کردہ اجمالی نام ہوتے ہیں۔ جو ہر علمی و روحانی مقصد کی وضاحت کرنے کے لیے ترتیب دیئے جاتے ہیں تا کہ بات مختصر سے مختصر کی جا سکے۔

اسی طرح کا ایک اصطلاحی لفظ تصوف بھی ہے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ یہ لفظ قرآن حکیم یا احادیث مبارکہ سے ہرگز ثابت نہیں بلکہ یہ لفظ اسلام کی آمد سے کہیں بعد میں بنایا...... یا اپنایا گیا۔ کوئی اسے اصحاب صفہ کی مناسبت سے لفظ صوف سے مشتق مانتا ہے، تو کوئی صفا سے تصوف اور صوفی کا رشتہ جوڑتا ہے۔ آج تک تمام طبقہ ہائے فکر اس کے مادہ پر متفق نہیں ہو پائے۔ تاہم مسلسل استعمال کے بعد آج یہ لفظ ایک جہان معنی اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ تصوف کو ماننے والے یا اس کی مخالفت کرنے والے دونوں گروہ خوب جانتے ہیں کہ اس کے کیا معنی ہیں۔

ہاں یہاں یہ وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ اکثر لوگ نجوم، رمل، علم الاعداد، پامسٹری، جعفر، فال وغیرہ کو بھی تصوف کے زمرے میں شامل کر لیتے ہیں، حالانکہ یہ بات نادرست ہے وہ اس لیے کہ یہ سب روحانی ہنر تو کہلا سکتے ہیں، لیکن ان کا تصوف سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ جن بھوت بھیجنا، جن بھوت نکالنا حب و بغض کے تعویذ لکھنا، کشادگی کا رکی سبیل کرنا یا کسی مؤکل کو حاضر کرنا، سب روحانی ہنر ہیں اور مخفی علوم کہلاتے ہیں۔ تصوف سے ان کا واسطہ نہیں۔ یہ سب عامل عملیات کی دنیا کے شاہکار ہیں مگر تصوف کے میدان میں ان کی کچھ حقیقت نہیں ہمارے دور کے عظیم صوفی بزرگ مولانا اللہ یار خان نقشبندی میں

اویسی دلائل السلوک میں فرماتے ہیں۔

''تصوف کے لیے نہ کشف وکرامات شرط ہے نہ دنیا کے کاروبار میں ترقی دلانے کا نام تصوف ہے نہ تعویذ گنڈوں کا نام صوف ہے۔ نہ جھاڑ پھونک کا نام تصوف ہے نہ مقدمات جیتنے کا نام تصوف ہے۔ نہ قبروں پر سجدہ کرنے اور ان پر چادریں چڑھانے اور چراغ جلانے کا نام تصوف ہے اور نہ آنے والے واقعات کی خبر دینے کا نام تصوف ہے، نہ اولیاء اللہ کو غیبی ندا کرنا، مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا تصوف ہے نہ اس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک توجہ سے مرید کی پوری اصلاح ہو جائے گی۔ نہ اس میں کشف والہام کا صحیح اترنا لازمی ہے اور نہ وجد وتواجد اور رقص وسرود کا نام تصوف ہے، یہ سب چیزیں تصوف کا لازمہ بلکہ عین تصوف سمجھی جاتی ہیں۔ حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز پر بھی صوف اسلامی کا اطلاق نہیں ہوتا، بلکہ یہ ساری خرافات اسلامی تصوف کی عین ضد ہیں۔''

اس دہشت زدہ کر دینے والے بیان کے بعد مولانا ہی کے الفاظ میں یہ بھی سنیے کہ تصوف آخر ہے کیا۔ مولانا ایک اقتباس کے ذریعے فرماتے ہیں۔

> ''تصوف وہ علم ہے جس سے تزکیۂ نفوس اور تصفیۂ اخلاق اور ظاہر و باطن کی تعمیر کے احوال پہچانے جاتے ہیں تا کہ سعادت ابدی حاصل ہو، نفس کی اصلاح ہو اور رب العالمین کی رضا اور اس کی معرفت حاصل ہو اور تصوف کا موضوع تزکیہ، تصفیہ اور تعمیر باطن ہے اور اس کا مقصد ابدی سعادت حاصل کرنا ہے۔''

گویا مولانا کے مطابق تصوف نام ہے اس بات کا کہ وہ افعال جو قرب الٰہی کا باعث بنیں ان پر عمل کیا جائے اور جو عمل وفعل اللہ سے دوری کا باعث بنے اسے ترک کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ وہ کسی عمل یا انداز کو تصوف ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ علوم مخفی جن کا میں نے ذکر کیا ہے۔ اگرچہ تصوف سے براہ راست کچھ تعلق نہیں رکھتے مگر ابتداء میں قریب قریب تصوف کا ہر متلاشی ان علوم کو حاصل کرتا ہے۔ یہ وہ دور ہوتا ہے جب

انسان بقول غالب:

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں!

وہ ہر اس علم سے بہرہ ور ہونے کی کوشش کرتا ہے جسے روحانیت سمجھتا ہے یا روحانیت کے حصول میں مدد ومعاون سمجھتا ہے مگر وہ جوں جوں آگے بڑھتا ہے اسے احساس ہوتا ہے کہ یہ سب ظنی اور قیاسی علوم ہیں۔ لہٰذا وہ جلد ہی اپنی اصلاح کر کے اصل جادہ ومنزل کے حصول میں کوشاں ہو جاتا ہے، یا پھر ان علوم کی بھول بھلیوں میں گم ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ علوم سفر روحانی میں کچھ نہ کچھ کام ضرور آتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ بیشتر لوگ ''سلوک'' سے وابستہ لوگوں کو بالضرور ان علوم کا ماہر بھی سمجھتے ہیں اور بعض اوقات یہ علوم انسان کے عام مسائل کو سلجھانے میں بے حد مددگار بھی ثابت ہوتے ہیں۔

اوپر دیئے ہوئے اقتبسات کے مطابق حضرت مولانا اللہ یار نے تو ان علوم کو تصوف کی ضد قرار دیا ہے مگر میں ایسا نہیں سمجھتا۔ میرے خیال کے مطابق ہر وہ علم جو بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچائے اسے جاننے یا استعمال کرنے سے روح تصوف کو کچھ زک نہیں پہنچتا۔ ''الاعمال بالنیات ۔'' ''تمام کام نیتوں کے مطابق اپنا مفہوم رکھتے ہیں۔ سو نیت اگر نیک ہو اور اس عمل کی سرانجام دہی میں شرک کا پہلو نہ نکلتا ہو تو اسے عمل میں لانا بعض اوقات فرض ہو جاتا ہے۔ اس کی ایک مثال دیتا ہوں۔ ہمارے ہاں ہر ساس یہ سمجھتی ہے کہ بہو اس پر جادو کراتی ہے۔ ہر بہو بھی جواباً یہ یقین رکھتی ہے کہ ساس نے اس پر کالا علم کرایا ہے۔ ان پڑھ ہی نہیں پڑھے لکھوں میں بھی یہ اعتقاد پایا جاتا ہے۔ سو اب ایک ایسا شخص جو ان افراد کی روحانی مدد کرنا چاہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ساس یا بہو کی بیماری میں اس مسلسل منفی سوچ کا ہاتھ ہے جو دن رات اس خاتون پر مسلط رہتی ہے۔ اگر چند بتیاں یا چند نقش نیک نیتی کے ساتھ اسے تھما کر یہ یقین دلا دیا جائے کہ ان کے اثر سے وہ ٹھیک ہو جائے گی اور آئندہ بہو کے خلاف ساس یا ساس کے خلاف بہو نقش تعویذ کرانے کی بجائے سچے دل سے اسے

چاہنے لگے گی، تو یہ نقش تعویذ ان خواتین کو دے دینا میں فرض منصبی سمجھتا ہوں، کیونکہ انہیں یقین دلانے کا اور کوئی طریقہ نہیں ہوتا، البتہ یہ تلقین بھی روحانی معالج کا فرض ہوتی ہے کہ آئندہ یہ خواتین ایک دوسری کے بارے میں غلط نہ سوچیں۔

اس مثال سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ساس بہو صرف وہم میں ہی گرفتار ہوتی ہیں۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ بعض حالات میں یہ حقیقت بھی ہوتی ہے کہ ساس بہو یا اور رشتوں پر وہ دوستی کے ہوں یا دشمنی کے، ایسے عملیات ایک دوسرے کو زیر کرنے کے لیے کرائے جاتے ہیں، البتہ ان کی اوسط پندرہ فیصد تک ہے، پچاسی فیصد وہم ہوتا ہے۔

دراصل اس کائنات میں جو کچھ ہے ایک دوسرے سے مرتبط ہے۔ بلکہ میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ سائنس ہی سائنس ہے۔ یہ علوم بھی اب رفتہ رفتہ سائنس کے دائرہ کار میں آتے جاتے ہیں۔ ہم انسانوں نے بہت مدت پہلے شعوری احاطوں میں نہ آنے والے واقعات یا کیمیاوی کرامات کو سحر، جادو اور جن بھوت، پریت سمجھ رکھا تھا اور ایک ہجوم اوہام تھا جو سمٹنے میں ہی نہ آتا تھا۔ مگر اب یہ بادل چھٹتے چھٹتے درست وضاحتوں کے بعد اپنی اصل شباہتوں کے ساتھ سچ ہمارے سامنے آنے لگا ہے۔ کتنی گدیاں کتنے مندر، کتنی خانقاہیں محض کیمسٹری کے چند اصولوں اور اشیاء میں کیمیاوی ردوبدل کے نتیجے میں بڑے بڑے روحانی مرکزوں میں ڈھلے ہوئے تھے۔ لوگ ان کو کاہنوں اور روحانی سربراہوں کی کرامات سمجھ کر ان کے سامنے ماتھا ٹیکتے تھے مگر آج یہ تجربات بچوں کی سائنسی کتابوں میں موجود ہیں اور اب ان کو کرامات کا درجہ نہیں دیا جاتا۔ مثال کے طور پر ایک فن ہے جسے وینٹریلوکوئزم کہا جاتا ہے۔ آج یورپ اور امریکہ میں ہوٹل ہوٹل اس کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اس میں اس فن کا ماہر ہونٹ بند کر کے ایک ''کنج لب'' کھول کر گفتگو کرنے پر قادر ہوتا ہے یہ پریکٹس کی جاتی ہے اور اس فن کی کتب بازار میں عام ملتی ہیں۔ لہٰذا وینٹریلوکوئزم کا ماہر ایک گڑیا یا ڈمی اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ خود ہی باتیں کرتا ہے خود ہی ڈمی کے منہ سے جواب دیتا ہے۔ بولتا وہ خود ہے مگر لوگ سمجھتے ہیں کہ ڈمی جواب دے رہی ہے۔

اس فن کو ہمارے ہاں پتلیوں کا تماشا کرنے والے بھی کسی حد تک استعمال کرتے ہیں۔ وہ پتلیوں کی آواز اپنے حلق سے نکالتے ہیں مگر ہمارے ہاں اس کے مظاہرے بہت کم ہیں۔ البتہ ماضی میں اس فن سے روحانی گدیاں چلائی گئیں۔ حاضرین مجلس کے سامنے ایک لوٹا یا کوئی برتن پانی سے بھر کر رکھ دیا جاتا۔ سوال کرنے والے سوال کرتے جواب لوٹے کے اندر سے سنائی دیتا ہے۔ ان کرامات کا مرکز ریاست جموں وکشمیر میں تھا اور یہ حضرت لوٹا پیر کے نام سے مشہور تھے اور ساٹھ ستر سال پہلے پورے ہندوستان سے لوگ اپنے سوالوں کے جواب لینے وہاں جایا کرتے تھے، حالانکہ یہ محض شعبدہ تھا۔ اسی طرح فاسفورس کے ذریعے بہت سے کام لیے جاتے تھے۔ عامل فاسفورس کو پانی میں پکا کر ایسا کر لیتے کہ وہ جلد نہ جلتا۔ کچھ سیکنڈوں اور منٹوں کے بعد جلتا۔ وہ کس گھر میں جاتے اور معائنہ کرتے ہوئے کسی دیوار سے یہ فاسفورس لگا دیتے۔ پھر چند طلسماتی الفاظ پڑھتے۔ تھوڑی دیر میں فاسفورس جل اٹھتا، تب یہ کہہ دیا جاتا کہ گھر میں بسنے والا بھوت جلا دیا گیا ہے۔

میں اس سائنسی کھیل کو جانتا ہوں۔ ایسے اور بھی بہت سے فراڈ مجھے معلوم ہیں۔ دل چاہتا ہے انہیں لکھ دوں تاکہ قارئین ایسے فریبوں میں نہ آئیں مگر ایک خطرے کے پیش نظر ایسا نہیں کر پاتا کیونکہ آج بھی لوگ ان ڈراموں سے متاثر ہو کر لٹتے ہیں۔ افسوس کہ ہمیشہ ایسی چیزوں سے جھوٹے عامل اور فراڈ گدی نشین فائدہ اٹھاتے ہیں۔

بہر حال کالی بھیڑیں ہر شریف اور کار آمد فن میں پائی جاتی ہیں۔ میں نے بڑے بڑے فراڈ اور بڑے بڑے نیکوکار عامل دیکھے ہیں۔ فراڈ عامل اپنے عمل کی قیمت ہزاروں میں بتائے گا۔ پہاڑی الو خریدنے کے لیے مردے کی کھوپڑی حاصل کرنے کے لیے ایسا کالا بکرا حاصل کرنے کے لیے جس کا ایک بال بھی سفید نہ ہو، چودھویں کے چاند میں گرگٹ پکڑنے کے لیے ظاہر ہے آپ ان میں سے ایک چیز بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا آپ بے بس ہو کر عامل کو طلب کردہ رقم دے دیں گے۔ میرے پاس اکثر ایسی عورتیں ایسی مرد آتے رہتے ہیں جو ان فراڈ عاملوں کے ہاتھوں لٹ چکے ہوتے ہیں۔ کسی نے بیس ہزار

کسی نے پچاس ہزار لٹایا ہوتا ہے۔ اگر ادائیگی کرنے والا ذرا صحت مند ہو اور اپنی رقم کے مطالبے پر تشدد کا رویہ اختیار کرے تو بھی یہ چالباز پچاس ہزار میں سے دس ہزار اخراجات کا رکھ کر باقی رقم لوٹا دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دام میں نہ آنا آپ کے بس میں ہے۔ میں بڑے وثوق سے اعلان کرتا ہوں کہ کتنا بڑا ہی عمل کیوں نہ کیا جائے خرچہ اس حد تک نہیں جاسکتا۔ یہ بڑی بڑی رقمیں یہ لوگ اپنے ناؤنوش کے لیے بٹورتے ہیں۔

یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو معجزات عطا کیے گئے اولیاء اللہ کو کرامات کی صلاحیت سے نوازا گیا۔ معجزات تو انبیاء علیہم السلام کو رب کائنات کے عطیات ہیں مگر اہل تصوف کی نظر میں کرامات کی کوئی حیثیت نہیں کشف و کرامات کو یہ لوگ شعبدہ ہی قرار دیتے ہیں۔ یہ روحانی مراتب حاصل کرنے میں جو سفر درپیش آتا ہے اس کا ایک موڑ ہے اور صاحب ہمت اہل تصوف اس موڑ کو جلد از جلد کراس کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ بعض اوقات اس موڑ کی کیفیات باقی سارے سفر کو برباد کر کے رکھ دیتی ہیں۔ لوگ صرف اسے ولی سمجھتے ہیں جو ان کے دل کی بات بوجھ لے یا یہ جان لے کہ وہ کیا مشکل لے کر ان کے پاس آئے ہیں۔ بتانے والا یہ بات بتا دے تو بس ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ہجوم مکھیوں اور مچھروں کی طرح اُمڈ پڑتا ہے اور صورت حال بے قابو ہو جاتی ہے۔ ہر طرف سے داد و تحسین کے ڈونگرے برسائے جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ طالب سلوک وہیں کا ہو کر رہ جاتا ہے اور منزل اسے پکارتی رہ جاتی ہے۔ اس سفر کے دوران اہل تصوف کا ہرگز یہ عندیہ نہیں ہوتا کہ وہ دنیاوی طور پر شہرت حاصل کریں اور لوگوں کو اپنے گن گانے پر مجبور کریں۔ یہ تو باطن میں آنے والے اوامر و نواہی کے ہاتھ ہوتا ہے کہ وہ بعد میں کیا پیرایہ اختیار کریں کس ہیئت کو اپنائیں۔

یہ ایک مختصر سا تعارف ہے تصوف کا بات لفظ کی نہیں صرف اصطلاح کی ہے، لہٰذا جہاں ہم نے اپنی سہولت کے لیے بے شمار اصطلاحوں کو اپنایا ہوا ہے اس اصطلاح کو بھی اپنانے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کا حقیقی مفہوم تو ”الفقر فخری و الفقر منی“ کا نچوڑ ہے یعنی تصوف

کا ماحاصل فقر محمدؐ کا حصول ہے۔ یعنی آخری قرارگاہ تو یہی فقر ہے، البتہ اس کے لیے جو طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے۔ اس سارے سسٹم کے لیے لفظ تصوف استعمال کیا جاتا ہے۔

شرک اور غیب کا مسئلہ بھی زیر بحث آتا رہتا ہے۔ پچھلی بار بدعت کا الزام بھی دبے لفظوں میں لگایا گیا۔ میں بڑے شرح وبسط سے بیان کر چکا ہوں کہ آپ اگر کسی روحانی معالج یا شخصیت کے پاس جائیں تو اسے روحانی ڈاکٹر، دانشور یا وکیل سمجھ کر جائیں۔ آپ کی بعض امراض کا حل طبیبوں کے پاس ہوتا ہے جو دواؤں کے ذریعے آپ کے اسقام (بیماریوں) کو درست کر دیتے ہیں مگر ایسا بھی ہوتا ہے کہ دعاؤں کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ کبھی آپ کے دنیاوی مسائل میں کسی تجربہ کار بزرگ یا دانشور کے مشورے آپ کے لیے مشکل کشا ثابت ہوتے ہیں تو کبھی کسی روحانی دانشور کی علوم مخفی پر دسترس آپ کی مشکلوں کو آسان کر دیتی ہے۔ اسی طرح آپ کے دنیاوی مقدمات ایک وکیل کی فراست سے آپ کے حق میں ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی بعض اوقات آپ کا مقدمہ کسی روحانی وکیل کے ذریعے ٹھیک فیصلے تک پہنچنے کا محتاج ہوتا ہے۔

یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ حقیقی شفا دینے والا مشکل کشائی فرمانے والا اور مقدمات کے فیصلے کرنے والا تو وہی خالق و مالک ارض وسماوات ہے۔ اس کے باوجود آپ ان افراد کے پاس اپنے مسائل لے کر جاتے ہیں اور یہ شرک نہیں ہے۔ اسی طرح کسی روحانی باصلاحیت فرد کے پاس جانا بھی شرک نہیں کیونکہ وہ تو خالصتاً اللہ کا بندہ ہوتا ہے۔ صرف اور صرف اس پر تکیہ کر کے بیٹھا ہوتا ہے اور دنیاوی ڈاکٹر، دانشور اور وکیل کی طرح آپ کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ضمانت نہ اس کے پاس ہے نہ اس کے پاس۔ دونوں کے منصب ایک جیسے ہیں مگر شرط خلوص نیت اور خلق خدا کی خدمت کرنے کا جذبہ ہے۔ بدباطن تو دنیاوی منصب دار ہو یا روحانی دونوں پیسے بٹورنے کو اپنا مقصود سمجھتے ہیں۔

جیسے بلیک سیاست، بلیک وکالت اور بلیک ادب ہوتا ہے اسی طرح بلیک عامل یا بلیک

جھنڈے گاڑنے کا چارا کرتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ ان علوم کو پیسہ حاصل کرنے کے لیے سیکھتے ہیں لہٰذا اگر آپ کو بدقسمتی ان کے در پر لے جائے تو افسوس نہ کریں۔ وہ آپ سے کاروباری زبان میں بات کرے گا اور منہ مانگی رقم پائے گا۔ وہ دنیاوی عیش وعشرت کے لیے اپنی عاقبت کو اس بازی پر لگائے ہوتا ہے۔ آپ نے اس کے پاس جانا ہے تو عاقبت کو سنوارنے کا خیال مطلقاً چھوڑ دیں...... کالا علم کرنے والوں کے پاس جا کر کسی کے لیے بدی کا سامان کرنا یقیناً شرک ہے۔ اس کے لیے کسی روحانی بندے کو موردالزام ٹھہرانا اس پر ظلم کرنا ہے۔

رہا غیب کا مسئلہ تو ہمارے بچپن میں یہ دعویٰ کیا جاتا تھا کہ یہودیوں کی سلطنت نہیں بن سکتی اور یہ نہیں معلوم کیا جا سکتا کہ ماں کے پیٹ میں لڑکی ہے یا لڑکا۔ ہم خود بھی یہ باتیں بڑی شدومد سے کیا کرتے تھے کیونکہ ہم وعظ میں سنتے تھے کہ یہ دو باتیں حتمی طور پر قرآن حکیم میں لکھی ہوئی ہیں۔ ہم نے خود تو کبھی نہیں دیکھا تھا کہ آیا یہ آیات اسی مفہوم کے ساتھ قرآن مجید میں ہیں بھی یا نہیں۔ البتہ اس پر یقین کامل رکھتے تھے۔ پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ یہودیوں کی سلطنت بھی بن گئی اور مشینوں پر یہ بھی معلوم ہونے لگا کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے۔ اور تو اور اب جینٹک تھیوری نے تو اور غضب ڈھا دیا ہے۔ اس کے ماہرین جسم کے چند جینز کا تجربہ کر کے حتمی طور پر یہ بتا سکتے ہیں کہ موصوف کب کس عمر میں، کونسی بیماری میں مبتلا ہوگا۔ کونسا پیشہ اختیار کرے گا۔ ڈاکو بنے گا یا تاجر۔ کچھ عرصہ اور اس پر تحقیق ہو جانے دیجئے۔ مشین انسانی زندگی کا پورا گراف بنا کر رکھ دیا کرے گی۔ اس پر یہ تحقیق بھی ہو رہی ہے کہ کیوں نہ بنیادی جینز کو تبدیل کر کے انسانی بڑی خصلتوں اور بیماریوں کو نیک خصلتوں اور صحت مندیوں میں تبدیل کر دیا جائے۔

قارئین محترم اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ ہے، یقیناً ہے۔ ویسے تو ایک جملہ ہر اس موضوع پر لکھی گئی کتاب میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تو غیب ہوتا ہی نہیں کیونکہ اس کی نظر سے کوئی شے اوجھل نہیں۔ یہ تو اس غیب کی بات ہو رہی ہے جو ہمارا غیب ہے یعنی بہت سی باتیں ہماری نظر سے اوجھل ہیں مگر اب تک انسان قرن ہا قرن سے کرتا کیا رہا ہے۔

یہی نا کہ وہ تحقیق کے مراحل سے گزر کر ہر غیب کو شہود کی منزل میں لاتا رہا ہے۔ ا سے ی تک چند حروف سے اتنی بڑی بڑی زبانوں کو تخلیق کرنا، اور بے شمار زبانوں کو تخلیق کرنا۔ اتنے فنون، اتنے ہنر پیدا کرنا، اتنی جڑی بوٹیوں کے خواص کو معلوم کرنا، ذرے سے خورشید تک کے تمام اسرار کو منصہ شہود پہ لانا، انسانی نفسیات اور اناٹمی کے غیب کو لفظوں اور جملوں میں ڈھالنا، زمین کے ایک سرے پر کھڑے ہو کر دوسرے سرے کے مناظر کو مشینوں پر دیکھنا، مشینوں کے ذریعے ہزاروں میلوں کی مسافت پر بات کرنا، کائنات کے نظام کو سمجھ کر دوسرے سیاروں کی تسخیر کرنا وہاں کے حالات معلوم کرنا، اشیاء کی حقیقتوں کو پہچان کر بندے اور خدا کے تعلق کو سمجھنا کونسا غیب ہے جو آج شہود میں نہیں آ رہا۔ مجھے تو ایک ہی بات معلوم ہے کہ اس کائنات کی تخلیق کا مقصد ہی غیب کو جاننا ہے اور یہی انتہائے عبادت ہے۔ سمندروں کی گہرائیوں میں ایک غیب ہے۔ انسان وہاں تک پہنچ کر اسے آشکارا کر چکا ہے۔ تحت الثریٰ میں بھی ایک غیب ہے۔ انسان بارہ ہزار فٹ کی گہرائی سے تیل نکال رہا ہے۔ بخدائے لایزال جوں جوں یہ غیب مشہود میں آ رہے ہیں انسان خدا کے قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ انسانی اذہان میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ لامحدودیتیں مرتسم ہوتی جا رہی ہیں۔ اگر اشیاء کے غیب سے ظہور میں آنے کا یہ جوالا ختم ہو جائے تو ساری کائنات ایک بے معنی سا ہیولا بن کر رہ جائے۔ زندگی بوریت کا انبار بن جائے۔

یہ سب کچھ عین رضائے الٰہی کے مطابق ہے۔ اس نے کائنات بنائی ہے۔ اس میں ایسی نشانیاں رکھی ہیں، حکمتیں اور اسرار و رموز اس کے خوف میں قائم کی ہیں تو اس کا مقصد یہی اور صرف یہی کہ میری مخلوق میری ناپیدا کنار حقیقتوں کو یک لخت نہ معلوم کر لے بلکہ ذرا ذرا محنت ذرا مشقت سے پائے۔ اس سے بڑی دلچسپی کائنات میں کوئی ہے ہی نہیں۔ زندگی کا اور کوئی مفہوم سمجھ میں آتا ہی نہیں۔ البتہ یہاں میری سوچ کا تیر اک دو نقطوں کی طرف پرواز کرتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا غیب کو جاننا تو کامل و اکمل ہے۔ انسان کا جاننا بہرحال ناقص ہے۔ یہی خالق و مخلوق میں حد فاصل ہے۔ ''تخلقوا باخلاق اللہ'' اپنے اندر اللہ کی عادات پیدا کرو کا یہی مفہوم ہے۔ ایک لمحے کے لیے رُک کر سوچئے۔ اگر انسان پر اس

کائنات کا پورا غیب کھل بھی جائے تو کیا قیامت آجائے گی۔ بندہ تو بندہ ہی رہے گا۔ سو غیب و شہود کا مسئلہ اتنا خوفناک نہیں جتنا ہم لوگوں نے بنا لیا ہے۔ انسان کھربوں میل کی دوری پر اگر کسی بلیک ہول کو دریافت کر لیتا ہے، پانچویں گیلیکسی (کہکشاں) پر یہ منظر دیکھ کر عش عش کر اٹھتا ہے کہ وہ گیلیکسی کسی شادی والے گھر کی طرح سجی ہوئی ہے اور ستارے وہاں ایک مکمل دائرے کی صورت میں رقص کر رہے ہیں تو اس غیب کا شہود میں آنا عین رضائے رب جلیل ہے۔ انسان کا غیب کو پانا اور اس کے علم کا کامل نہ ہونا، یہی وہ توازن ہے جس سے ہم زندگی سے لطف حاصل کرتے ہیں، جب یہ غیب کامل شہود میں آ گیا تو باقی کیا رہے گا؟ سکوت موت!

میں نے اس سے پیشتر لکھا تھا کہ انسان اس کائنات کی کامل ترین روحانی و جسمانی مشین ہے۔ کائنات میں جتنی مشینیں اب تک بن چکی ہیں اور جتنی بننے والی ہیں۔ سب کا خلاصہ انسان ہے اسی لئے وہ اشرف المخلوقات ہے۔ جب انسان کے بنائے ہوئے الٹراساؤنڈ سسٹم، ای سی جی اور سیکننگ مشینیں، دوربینیں، خوردبینیں، سپیس شپ، مصنوعی سیارے اور ٹی وی سیٹ کیسے کیسے غیب پڑھ لیتے ہیں تو خود انسان کسی غیب کو کیوں نہیں پڑھ سکتا؟ سائنس کا دعویٰ ہے کہ انسان حقیقی صلاحیتوں کا ابھی عشر عشیر بھی سائنسی تحقیقات کا حصہ نہیں بن سکا اور یہ کہ حقیقی انسان سامنے آیا تو اس کی قوتیں لامحدود اور بے پایاں ہوں گی۔

روحانی محفل

بروز جمعۃ المبارک صبح نو بجے سے ساڑھے گیارہ بجے تک گذشتہ ماہ والا وِرد یعنی کلمۂ طیبہ کا ورد ہوگا۔ ایک گلاس پانی سامنے رکھیں۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ یعنی کلمۂ درود شریف پڑھیں۔ بلاتعداد پڑھیں کوشش کریں کہ اس دوران بات چیت نہ کی جائے۔ ساڑھے گیارہ بجے ہاتھ اٹھائیں۔ پہلے عالم اسلام، پھر اپنے وطن، پھر اپنے گھر، گھر کے افراد اپنے آپ اور اپنے بچوں کے لیے پورے جذبے سے دعا کریں۔ ہر جائز کام کے لیے دعا کر سکتے ہیں انشاء اللہ قبول ہو گی۔ (۴)

روحانیت کیا ہے؟

جو اپنے نفس کی پتلی کو اپنی انگلیوں پر نہیں نچا سکتا وہ دوسروں کے نفس کی پتلی کو بھی نہیں نچا سکتا

ایک سادہ سی حقیقت پر غور کریں۔ خدا نے انسان کو قوت غصبیہ ودیعت کر رکھی ہے جو جلال کی پیداوار ہے۔ انسان جب اس قوت کو غلط استعمال کرتا ہے تو بدکاریوں کی طرف مائل ہوتا لیکن یہی قوت ہے جو اگر مثبت طریقے سے استعمال کی جائے تو انسان کے اندر حمیت، حریت اور غیرت کے جذبات پیدا کرتی ہے اور انسان اسے استعمال کر کے میدان جنگ میں شجاعت کی لاثانی مثالیں قائم کرتا ہے۔ قوت غصبیہ کے ان دو مظاہر میں زمین آسمان کا فرق ہے لیکن قوت ایک ہی ہے اور یہ آگ کے بھڑکتے شعلے کی طرح ذات باری کے جلال کا عکس ہے۔ اس کی ذات نے اس کا انحصار انسان کی صوابدید پر رکھا ہے کہ وہ اس پرتو جلال کو کہاں کب یا کیسے اور کس طرح استعمال کرتا ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اس کے صحیح اور غلط استعمال کا ذمہ دار بھی انسان خود ہے۔

اس پرتو جلال کو اگر قوم اور ملت کے دشمنوں کے خلاف میدان جنگ میں استعمال کیا جائے تو انسان غازی، مجاہد یا شہید کا اعزاز حاصل کرتا ہے لیکن اسے کمزوروں اور محکوموں کے خلاف استعمال کیا جائے تو استعمال کرنے والا ظالم کہلاتا ہے۔

اس تمہید کا مقصد یہ ہے کہ ہر چیز کی ابتدا اللہ کی ذات سے ہے۔ ابلیس بھی اسی کی تخلیق تھی اور اسے صوابدید بھی اسی نے ودیعت فرمائی تھی جس کی وجہ سے اس نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی اور راندہ درگاہ کیا گیا۔

ان ساری باتوں کا قواعد عملیات سے بڑا گہرا تعلق ہے کیونکہ جب ہم عملیات کرتے

ہیں تو رنگ و آہنگ اور جلال اور جمال کی لطافتوں کو بھی سامنے رکھتے ہیں مختلف عملیات کے لیے زوال سے پہلے کا وقت اور زوال کے بعد کا وقت یا مخصوص حرکتیں اور موسم اس لیے ضروری ہیں کہ ہم نے خیروشر دونوں میں سے جو کام بھی کرنا ہے اس کے مطابق ماحول کا اس سے ملانا ضروری ہوتا ہے تاکہ اس میں تاثیر پیدا ہو۔

یہ وہ مقام ہے جہاں آکر اکثریت کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے اس لیے کہ وہ وظیفے یا عمل کی نوعیت کو مخصوص زمان ومکان سے مربوط یا ہم آہنگ نہیں کر سکتے۔ اگر وظیفے یا عمل کا تعلق سلسلہ جلال سے ہو تو ان تمام چیزوں کو استعمال کیا جاتا ہے جن کا تعلق جلال سے ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر مسئلہ سلسلہ جمال سے متعلق ہے تو اس کے لیے اسی طرح کی فضا پیدا کرنی ضروری ہوتی ہے لوگوں کو ناکامی اس لیے ہوتی ہے کہ وہ اس نکتے کو نہیں سمجھتے کہ صحیح کام کو صحیح وقت پر سرانجام دینا چاہئے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ مرشد کامل اپنے مریدوں کو ورد وظیفہ بتا کر اسے وقت بھی بتاتا ہے کہ ایسے وقت میں یہ وظیفہ کیا جائے۔ کوئی شخص اگر یہ کام اپنے طور پر شروع کردے اور اسے مناسب رہنمائی حاصل نہ ہو تو اس کی کامیابی غیر یقینی ہے۔

عملیات کے بارے میں گفتگو کے دوران چلے اور وظیفے کا ذکر کیا گیا ہے۔ چلے اور وظیفے میں کوئی فرق نہیں۔ چلا فارسی کا اور وظیفہ عربی کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں فرض۔ عربی میں وظیفہ نوکری کو بھی کہتے ہیں اور عام طور پر اس نوکری کو وظیفہ کہا جاتا ہے جس کے عوض کچھ معاوضہ ملتا ہو ورنہ بغیر معاوضے کے کام کو شغل کہا جاتا ہے۔

چلّے کی اساس استقامت ہے۔ استقامت کا دوسرا نام چلہ ہے۔ آپ جب بھی چلہ کاٹیں تو اس میں پہلی بات یہ دیکھیں کہ چلہ کس مقصد کے لیے کیا جارہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ چلّے کا مقصد نیک ہو، اور چلّے کا مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص رزق کی کشادگی کے لیے چلہ کاٹتا ہے، دوسرا شخص کسی مؤکل کو قابو کرنا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ مؤکل سامنے آئے تو اس سے اپنی مرضی کے کام لیے جاسکیں کچھ لوگ دوسروں کو تباہ اور برباد کرنے کے لئے چلہ کاٹتے ہیں۔ ایک شخص اپنی ترقی کے لیے قدرومنزلت حاصل کرنے

کے لیے چلہ کاٹتا ہے۔ دوسرا شخص کسی عورت کو حاصل کرنے کے یہ چلہ کشی کرتا ہے۔ یہ سب انسان کی خواہشات ہیں جن کو پورا کرنے کے لیے وہ چلہ کاٹتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کس چلّے کو کس وقت اور موسم میں کرنا چاہیے۔ سیدھی سی بات ہے جو چلہ کشی نیک مقاصد کے لیے کی جائے اس کے لیے بہترین وقت قمر زائد النور ہے۔ یہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ چاند کا ہمارے وجود کے ساتھ تعلق ہے چاند جب اپنے چکر کے ایک خاص مقام پر پہنچتا ہے تو سمندروں کو بھی بیتاب کر دیتا ہے اور سمندر کی موجیں اس کی کشش کی وجہ سے اوپر اٹھنے کی کوشش کرتی ہیں اس کو مدوجزر کی کیفیت کہتے ہیں۔

سمندر کی طرح انسان بھی چاند کی خاص حالتوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اس لیے کہ انسان کے وجود کے اندر بھی تو پچاسی فیصد پانی ہے۔ روحانیت میں عملیات کے راستے پر چلنے کے لیے انسان کو چاند کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔

اور یہ صرف چاند پر ہی موقوف نہیں، انسان اگر اپنی ذات کو دریافت کرنا چاہے یا اس میں سے کچھ حاصل کرنا چاہے تو اس کے لیے وہ تمام چیزیں اس کی معاون ثابت ہوں گی جو اس کائنات میں بکھری ہیں اور براہ راست انسان پر اثر انداز ہو رہی ہیں۔

جیسے چاند کی خاص حالتوں میں سمندروں میں تلاطم اور ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ بعینہٖ وہی کیفیت انسان کی ہوتی ہے اور تو اور چاند کی خاص حالتوں میں انسان کی ذہانت اور اس کا آئی کیو بھی معمول سے کافی مختلف ہوتا ہے۔ قمر زائد النور کے دنوں میں اچھی اور مثبت چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے انسان کی صلاحیتیں بڑھ جاتی ہیں اور اس کے آر پار مثبت لہریں زیادہ طاقتور ہو جاتی ہیں۔ جب چاند زوال کی طرف جاتا ہے یا ناقص النور ہو جاتا ہے تو انسان کے اندر منفی قوتیں طاقت حاصل کر لیتی ہیں۔

یہ تو ابتدائی باتیں ہیں۔ میں آپ کو انسانی معبود کی دیگر پوشیدہ حقیقتوں کے اسرار و رموز سے بھی آگاہ کروں گا۔ ہمارے دو نتھنے جن کی مدد سے ہم سانس لیتے ہیں ان کے بارے میں بھی علم کی ایک شاخ موجود ہے جسے ''علم النفس'' کہا جاتا ہے۔ دایاں نتھنا سورج

اور بایاں نتھنا چاند ہے۔ دایاں نتھنا جسم میں حرارت پیدا کرتا ہے۔ بایاں نتھنا جسم میں ٹھنڈک پیدا کرتا ہے۔

اس کا تجربہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ اگر آپ کو سرما کی کسی رات کو بہت زیادہ سردی لگ رہی ہو تو آپ بائیں نتھنے میں روئی دے لیں اور دائیں طرف ہو کر لیٹ جائیں تاکہ آپ کا دایاں نتھنا مسلسل چلنا شروع ہو جائے۔ ایک گھنٹے بعد آپ کو بالکل سردی نہیں لگے گی بلکہ آپ اپنی رضائی بھی اتار پھینکیں گے۔ آپ نے دیکھا یا سنا ہوگا کہ درویش اور سادھو جنگلوں، صحراؤں اور برف پوش پہاڑیوں میں اس حالت میں رہتے ہیں کہ ان کے تن پر صرف ایک کپڑا ہوتا ہے۔ ان کے پاس یہی نکتہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے وجود میں حرارت پیدا کر لیتے ہیں۔

یہ دونوں نتھنے ایک نظام کے تحت باری باری چلتے ہیں اور قمری کیلنڈر کے مطابق چلتے ہیں۔ چاند کی یکم کو صبح سورج نکلنے کے بعد دایاں نتھنا چل رہا ہوگا۔ اگر صبح سورج نکلنے کے بعد دایاں نتھنا نہ چل رہا ہو تو پھر چاند کی تاریخ غلط ہے۔ علم النفس کی مدد سے بڑی بڑی بیماریوں کا علاج بھی کیا جاسکتا ہے اور اس سے بیماریوں کا پتہ بھی چلایا جاسکتا ہے۔ وہی یکم کی مثال سے لیں۔ صبح سورج طلوع ہونے کے بعد دایاں نتھنا چلے گا۔ دو گھنٹے بعد بایاں نتھنا چلے گا پھر دو گھنٹے بعد دایاں نتھنا چلنا شروع ہو جائے گا اور اس طرح دونوں نتھنے باری باری دو دو گھنٹے بعد چلتے رہیں گے جہاں ان میں فرق پڑے گا انسان بیمار ہو جائے گا۔

کسی محفل میں اگر بارہ آدمی موجود ہوں اور گیارہ کے نتھنے ایک ترتیب کے مطابق چل رہے ہوں اور بارہویں کی ترتیب غلط ہو جائے تو وہ شخص یقیناً کسی بیماری کا شکار ہوگا۔ علم النفس کا یہ سلسلہ چاند کی چال کے ساتھ ساتھ چلتا ہے یعنی ہمارا اور قمر کا ہر وقت کا رابطہ ہے اور اس رابطے کے ذریعے بڑی بڑی روحانی منزلیں طے کی جاتی ہیں۔ حبس دم بھی علم النفس ہی کا ایک حصہ ہے جو ایک مربوط اور باقاعدہ روحانی نظام کے تحت کام کرتا ہے۔

جب جلالی چلہ کشی کی جاتی ہے تو عام طور پر دائیں نتھنے کو بند کر دیا جاتا ہے تاکہ سانس

میں ٹھنڈک آتی رہے۔اس کا بھی ایک طریقہ ہے جو مرشد اپنی صوابدید کے مطابق استعمال کرواتا ہے کیونکہ وہ تو محرم راز ہے اور اسے چلہ کشی کے اسرار و رموز سے واقفیت ہے۔اسے معلوم ہے کہ چلہ کاٹنے والے سے کہاں غلطی سرزد ہو سکتی ہے۔

چلہ کشی یا روحانی منازل طے کرنے کے دوران مرشد یا استاد کا ہونا اس لیے ضروری ہے کہ مناسب رہنمائی نہ ہو تو چلہ کاٹنے والے کا تعلق رنگ و نور کی دنیا سے بگڑ سکتا ہے۔اگر ایسا ہو جائے تو چلہ کاٹنے والے کا کائنات کے ساتھ بھی تعلق بگڑ جاتا ہے اور اس کا چلہ ہی بگڑ جاتا ہے جس کے اپنے نقصانات ہیں۔یا یوں سمجھ لیں کہ سردیوں کے موسم میں کوئی آدمی پسینے میں بھیگ رہا ہو اور ٹھنڈے پانی کے حوض میں چھلانگ لگا دے تو سرد گرم ہو جاتا ہے۔اسی طرح وہ چلہ کاٹنے کے دوران رنگ و نور کی دنیا اور کائنات سے تعلق منقطع کر بیٹھے تو روحانی طور پر گرم سرد ہو جاتا ہے۔

پہلے تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ چلے کے لیے وہ اشیا اکٹھی کرنی پڑتی ہیں اور وہ ماحول تشکیل دینا پڑتا ہے جو چلے کی نوعیت سے مطابقت رکھتا ہو۔اس میں سب سے اہم چیز مناسب وقت کا انتخاب ہے۔جو عمل اچھائی کے لیے کیا جاتا ہے اس کے لیے مناسب وقت تہجد کا وقت یا طلوع آفتاب کا وقت ہوتا ہے۔تہجد کا وقت اس لیے مخصوص کیا جاتا ہے کہ اس وقت ایک نئے دن کا آغاز ہوتا ہے اور پرانا دن ختم ہو رہا ہوتا ہے۔اس وقت ہر شے سے ایک لطیف اور مسحور کن تھرتھراہٹ جنم لے رہی ہوتی ہے۔

یہ وقت باد نسیم کا بھی ہے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ دنیا میں کہیں بھی چلے جاؤ۔باد نسیم کے تازہ جھونکے تہجد کے وقت ہی مشام جاں کو معطر کرتے ہیں۔اس ہوا کے روحانی اثرات بھی ہیں۔اس وقت فضا میں عجیب قسم کی مقناطیسی قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو سانس لیتے وقت انسان کو محسوس ہوتی ہیں۔اس وقت انسان نہ صرف اپنے جسم کے ٹرانسمیٹر کی لہروں کو پوری قوت کے ساتھ نشر کرنے پر قادر ہو جاتا ہے بلکہ اسی نئی قسم کی مقناطیسیت کے زیر اثر وہ فضا میں نشر ہونے والی لافانی لہروں کو وصول بھی کر سکتا ہے۔اسی لیے تہجد کے وقت کو قبولیت دعا کا وقت بھی کہتے ہیں۔علامہ اقبال نے اسی لیے کہا تھا...... کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی!

علامہ اقبال روحانی واردات سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ چوبیس گھنٹوں میں تہجد کا وقت سب سے زیادہ مقناطیسی قوت کا حامل ہوتا ہے کیونکہ اس وقت تمام اشیاء مردہ ہوکر نئے سرے سے زندگی حاصل کرتی ہیں۔

چنانچہ ایسا ہر عمل جس کا مقصد نیک ہو اس کے لیے بہترین وقت تہجد کا ہے یا پھر فجر کی نماز کے بعد کا وقت بھی افضل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پاک صاف لباس اچھی خوشبو صاف ستھرے کمرے قمر زائد النور یا طلوع آفتاب کو ملا کر ایک ایسی فضا تشکیل پاتی ہے جو نیک مقاصد کے حصول کے لیے بالکل قدرتی ہوتی ہے۔ اس وقت سورج بھی بہت طاقتور ہوتا ہے۔ ان چیزوں کی وجہ سے انسان کے اندر کی مثبت قوتیں بیدار ہوتی ہیں۔

کالے علم کا عامل جب کوئی عمل کرتا ہے تو وہ اپنے عمل کے لیے ایسی فضا تشکیل دیتا ہے جو انسان کے اندر کی منفی قوتوں کو بیدار کرتی ہے اور گناہ کو فروغ دیتی ہے مثلاً وہ ساری کی ساری فضا ہی بھیانک ترتیب دیتا ہے۔ کمرے میں شراب رکھتا ہے کالا کپڑا رکھتا ہے کالے ماش رکھتا ہے۔ کالی بلی اور کالا بکرا بھی کالے عمل کے لیے بہت اہم ہیں۔ ایسے عمل کے لیے بہترین وقت زوال آفتاب یا قمر ناقص النور کا ہے کیونکہ سورج کی شعاعوں میں اتنی طاقت باقی نہیں رہتی اور ناقص نور والے چاند کی کرنیں نفرت کی فضا پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں اور منفی اثرات چھوڑتی ہیں۔

ایسے عمل کے لیے عام طور پر ویرانہ تلاش کیا جاتا ہے یا ایسے کمرے میں عمل کیا جاتا ہے جو ویرانے سے مشابہ ہو۔ اس مقصد کے لیے اس کمرے میں انسانی ہڈیاں رکھی جاتی ہیں۔ قبرستان کی مٹی رکھی جاتی ہے یا مرگھٹ کی راکھ بکھیری جاتی ہے۔ جب بدی کی تمام علامتیں اکٹھی کر دی جائیں تو ایک خاص قسم کی فضا پیدا ہوتی ہے جو عامل کے عمل پر لبیک کہتی ہے۔

تمام کالے جادو کے زوال کے وقت یا اول شب ہوتے ہیں۔ زوال کے وقت سورج کی لہریں کمزور پڑ جاتی ہیں اور اول شب تمام اشیاء مردہ ہو رہی ہوتی ہیں۔ ان کے اندر کی تھرتھراہٹ بھی ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ کالا علم سورج کی روشنی میں نہیں ہو سکتا کیونکہ سورج، ''سلطان قاہر'' ہے اور اپنے دائرے میں کسی ایسی چیز کا اثر نہیں ہونے دیتا۔ کالے علم کا تعلق

رات سے ہے یا سیاہی سے ہے۔ اسی لیے اسے دنیا کی تمام زبانوں میں کالا علم ہی کہا جاتا ہے۔
اگر رات کا وقت نہ ہو تو بدروحوں کو حاضر کرنے کے لیے ایسے سیلن زدہ کمروں کا انتخاب کیا جاتا ہے جہاں گھپ اندھیرا ہو۔ بدروحیں ایسے اندھیرے کمروں میں حاضر ہو سکتی ہیں لیکن جہاں بھی سورج کی کرنوں کی حکمرانی ہو وہاں یہ روحیں حاضر نہیں ہو سکتیں۔ کالے علم کا توڑ بھی سورج کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ کالے علم کے شکار شخص کو سورج کی روشنی میں کھڑا کر دیا جاتا ہے اور اس کے سائے پر عمل کیا جاتا ہے۔
ایک اور نکتہ بھی بڑا اہم ہے اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں مسلمانوں کی مساجد روشن، ہوادار، کشادہ اور صاف ستھری ہوتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہندوؤں کے مندر تنگ و تاریک اور سیلن زدہ ہوتے ہیں۔ مغرب میں ای ایم فاسٹر نامی ایک ناول نگار گزرا ہے۔ اس نے غیر منقسم ہندوستان کا دورہ کیا تو اس واضح فرق کو صاف طور پر محسوس کیا پھر اس نے کہیں لکھا کہ مسلمان اپنی مساجد کی طرح کشادہ دل اور وسیع الظرف ہوتے ہیں۔ ان کے برعکس ہندو اپنی عبادت گاہوں کی طرح تنگ نظر اور کم ظرف ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کے مندروں کے تنگ و تاریک اور سیلن زدہ ہونے کی دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کا ایمان منفی قوتوں کو بیدار کرنے میں ہے اور کالی ماتا اور بھانومتی کی بدروحیں صرف ایسے ماحول میں ہی آسکتی ہیں۔
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ منفی قوتوں یا مثبت قوتوں کو کیسے بیدار کیا جا سکتا ہے اور ان سے کیا کام لیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک ضروری بات پہلے بتانا چاہتا ہوں۔ غور کریں کہ دنیا میں جتنے بھی بڑے بڑے لوگ پیدا ہوئے ہیں وہ اپنی ذاتی زندگی میں بااصول ہوتے ہیں اور کسی ترتیب اور قاعدے قانون کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگ وقت کے اتنے پابند ہوتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر لوگ گھڑیاں درست کرتے ہیں، ان لوگوں کا معمول یہ ہوتا ہے کہ مخصوص وقت پر صبح اٹھ جاتے ہیں اور ایک ترتیب کے مطابق تیار ہو کر کام پر جاتے ہیں اور پوری ایمانداری سے کام کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا معمول اتنے قرینے کا ہوتا ہے کہ ان کو بڑا آدمی مانا جاتا ہے۔
صرف افراد پر ہی موقوف نہیں۔ اقوام کی مثال لے لیں۔ جن قوموں کا اجتماعی مزاج

ہی قرینے اور قاعدے قانون کا پابند ہوتا ہے۔ وہ قومیں ناقابل تسخیر ہو جاتی ہیں اور پھر اسی اجتماعی مزاج کے سہارے صدیوں تک قائم رہتی ہیں۔

جو شخص انفرادی طور پر ایک قرینے اور اصول کے تحت زندگی گزارتا ہے، وہ غیر شعوری طور پر اپنے آپ کو تسخیر کرتا ہے، انسان ازل سے ہی اپنے نفس کا غلام ہے اور ہمیشہ ہر کام اپنے نفس کے تابع ہو کر کرتا ہے۔ یہ شخص جو چند اصولوں کے تحت زندگی بسر کر رہا ہے۔ در حقیقت کیا کر رہا ہے؟...... یہ اپنے نفس پر غلبہ حاصل کر رہا ہے۔ وہ یہ کام نادانستہ نہیں کر رہا بلکہ اصول کے نام پر کر رہا ہے لیکن غیر شعوری طور پر اپنے نفس پر غلبہ پا رہا ہے۔

تاریخ اور نفسیات کے علم سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بڑے لوگوں کی کہکشاں پر تابندہ ستارے بن کر چمکنے والے اپنے نفس کی تسخیر کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی شعور انفرادی ہے اور ہر شعوری کوشش اور تمام شعوری سلسلے انفرادی طور پر کام کرتے ہیں جب کہ نفس جس کو نفسیات میں لاشعور بھی کہا جاتا ہے، اجتماعی ہے اور اس کا معاشرت سے گہرا تعلق ہے۔

روحانیت میں کہتے ہیں کہ نفس کو مارو۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ نفس پر غلبہ حاصل کرو۔ نفس مرتا نہیں بلکہ زندگی کے پہلے لمحے سے لے کر آخری لمحے تک ہمارے ساتھ رہتا ہے بلکہ نفس تو زندگی کا پیرایہ ہے۔ جو شخص نفس کو قابو میں رکھتا ہے۔ زندگی کو ایک ترتیب سے گزارتا ہے۔ اس ترتیب میں اخروی تو ہے ہی دنیوی بھی بے پناہ فائدہ پنہاں ہے۔

میں اس بات کو واضح کرنے کے لیے ایک چھوٹی سی مثال دوں گا۔ انسان کا نفس اسے صبح بستر سے اٹھنے نہیں دیتا۔ بلکہ اٹھنے میں مزاحم ہوتا ہے اور اسے مائل کرتا ہے کہ آرام کا وقت تو یہی ہے۔ نیند کے مزے لوٹو۔ اس کے برعکس اس کا شعور کہتا ہے کہ اس وقت بستر سے نکل آؤ۔ یہ اچھا وقت ہے۔ باہر نکل کر دیکھو۔ تازہ ہوا اور آکسیجن میں طاقت کا خزانہ پوشیدہ ہے۔ اس وقت کائنات میں شب و روز کا ایک سلسلہ ختم ہو کر دوسرا شروع ہو گیا ہے۔ اب اٹھو گے تو تمہیں بے پناہ مقناطیسی قوت حاصل ہو گی۔ وہ شخص اپنے شعور کی بات مان کر بستر سے نکلتا ہے ورزش کرتا ہے۔ سیر کرتا ہے۔ نماز پڑھتا ہے اور ترتیب اور قرینے کو زندگی کا لائحہ عمل قرار دے کر نفس کو شکست دے دیتا ہے اور اس طرح اپنی ذات کے اندر سر

اٹھانے والی بغاوت کو کچل دیتا ہے وہ دنیا میں اپنے سارے کام وقت پر انجام دیتا ہے اور ناکامی کا منہ نہیں دیکھتا۔

اسلام میں تہجد اور نماز فجر کے بڑے بلند درجات ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسان نفس کی منہ زوری سے سرخرو ہو کر تہجد اور نماز فجر کی منزل تک پہنچتا ہے۔ ان اوقات میں عبادت کے لیے اٹھنا ہی مجاہدہ اور ریاضت ہے۔ انسان اپنے نفس پر غلبہ حاصل کرتا ہے اور چونکہ نفس کا مزاج اجتماعی ہے اس لیے اپنے نفس پر حاوی ہونے والا معاشرے کے دوسرے لوگوں کے نفس پر بھی حاوی ہو جاتا ہے پھر اس کے اندر وہ وصف پیدا ہو جاتا ہے جس کو جدید سائنس نے کرشمہ (Charisma) کا نام دیا ہے۔ خدا اس کی زبان میں تاثیر پیدا کر دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اپنے نفس سے جنگ کرنے والا ایک طاقتور لیڈر جب لاکھوں انسانوں کے مجمعے سے خطاب کرتا ہے تو ان کی سوچ کا انداز ہی بدل دیتا ہے۔ ان کے لاشعور اور ان کے نفس کی کنجی اس لیڈر کے ہاتھ میں آجاتی ہے بلکہ وہ تو ان کے شعور کو بھی اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔

شعور کی مزاحمت تو انسان کے ساتھ چلتی رہتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ایک طاقتور لیڈر اس بحث کے باوجود دوسروں کو تسخیر کر لیتا ہے؟ اس کا جواب اہل نظر فقیروں نے ذرا دوسری طرح دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں...... ''جو اپنے نفس کی پتلی کو اپنی انگلیوں پر نہیں نچا سکتا وہ دوسروں کے نفس کی پتلی کو بھی نہیں نچا سکتا۔''

نفس اور لاشعور کی اس ساری بحث میں یہ سبق پوشیدہ ہے کہ اپنی مثبت قوتوں سے کام لینے کے لیے انہیں ایک خاص مقام پر مجتمع کرنا ضروری ہے اور ایسا وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اپنے نفس کی پیدا کردہ بغاوت اور انتشار کا قلع قمع کر سکتے ہوں اس بغاوت اور انتشار کو ختم کرنے کا سب سے بڑا طریقہ یہ ہے کہ بااصول زندگی بسر کرنا شروع کر دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ دینی فرائض کو بھی شامل کر لیں تو آپ کی طاقت دوچند ہو جائے گی۔

نئی زندگی کا آغاز کرنے کے لیے پہلا قدم یہ ہے کہ دن بھر باوضو رہنے کی کوشش کریں۔ نماز کی منزل اس سے آگے ہے۔ سب سے پہلے خود کو ہر وقت باوضو رکھنے کی کوشش کریں پھر جب آپ مؤذن کی آواز سنیں گے تو آپ کا دل نماز کے لیے بے چین ہو گا۔

آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں مولویوں کی طرح وعظ کر رہا ہوں میں آپ کو زندگی کے قرینے کی طرف مائل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جس کی پابندی آپ کے لیے عظمت کی راہیں کھول دے گی۔ آپ اگر دن بھر باوضو رہیں گے تو آپ کا دل نماز کی طرف خود بخود راغب ہوگا اور اس کوشش میں آپ کے اس دشمن کو پہلے محاذ پر ہی شکست ہوگی جو آپ کے اندر بیٹھ کر آپ کے خلاف سازشیں کر رہا ہے۔

باوضو رہنے کا مقصد اپنے جسم کو پاک اور صاف رکھنا ہے۔ اگر آپ کا جسم پاک ہوگا تو آپ کا ذہن بھی پاک رہے گا۔ جسمانی طہارت کا اثر لازماً ذہن پر پڑے گا اور آپ کو ذہنی طہارت حاصل ہوگی۔ اس سے آپ کو منفی سوچوں سے نجات ملے گی اور آپ کی مثبت قوتیں بیدار ہوں گی۔

یہ پوری کائنات اللہ کا دربار ہے۔ اس کی ذات ابتدائے آفرینش سے قائم ہے اور ابدالآباد تک قائم رہے گی۔ اسے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ پکڑتی ہے۔ یہ کائنات اس کی ذات کے ساتھ زندہ اور قائم ہے۔ بہ الفاظ دیگر اس کا دربار ایک مسلسل صورت میں چل رہا ہے۔ سورج چاند ستارے اس دربار کے اندر ایک ترتیب کے ساتھ حرکت پذیر ہیں۔

عشاء کے بعد آپ صرف آدھ گھنٹے کے لیے پرسکون ہو کر بیٹھ جائیں اور تصور کریں کہ آپ بھی خالق کائنات کے دربار میں موجود ہیں اور کائنات کی ہر چیز نہ صرف یہاں حاضر ہے بلکہ ذات باری سے توانائی حاصل کر رہی ہیں۔ آپ تصور کریں کہ آپ بھی نہ صرف یہاں حاضر ہیں بلکہ اس کی ذات سے توانائی حاصل کر رہے ہیں۔

میں آپ کو چھوٹے چھوٹے عمل بتا رہا ہوں۔ سارا دن باوضو رہیں اور تصور کریں کہ آپ خالق کائنات کے دربار میں حاضر ہیں۔ ان پر عمل کریں اور معجزے دیکھیں۔ (۵)

روحانی عروج

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ہماری روحانی مشقوں کا سفر کچھ عرصے کے لیے رک گیا تھا کیونکہ بیچ میں ایسے موضوعات آ گئے تھے جنہیں نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اور جن پہ لکھنا از حد ضروری بھی تھا سو یہ سفر دوبارہ شروع ہوتا ہے۔ گذشتہ شماروں میں ہم نے چند مشقیں اور خاصی ہدایات فراہم کی تھیں کہ جو حضرات سنجیدگی سے روحانیت کا پریکٹیکل پہلو اپنا چاہتے ہیں وہ ہمارے تجربات سے فائدہ اٹھا سکیں۔

ایک بات دہراتا چلوں کہ روحانی قوتوں کا حصول کچھ اتنا مشکل بھی نہیں جتنا کہ چرچا کیا جاتا ہے مگر صرف کتابیں یا روحانی مضامین پڑھنے سے ہی ان قوتوں کا حصول نہیں ہو جاتا...... حساب کے چند پہاڑے بھی رٹا لگائے بغیر یاد نہیں ہوتے تو پھر یہ علم سب علوم سے افضل ہے اس کا حصول بھی آپ سے رٹا مانگتا ہے وقت کی قربانی چاہتا ہے اور جیسے ایک باڈی بلڈر اپنے عضلات کو خوبصورت بنانے کے لیے محنت شاقہ کرتا ہے اس طرح روحانی عضلات بھی محنت کیے بغیر مخصوص شیپ میں نہیں آتے...... میں جو کچھ لکھتا ہوں یہ آپ کو ہزاروں کتابوں سے مستغنی کر دیتا ہے اور ایک ایسا کورس سامنے رکھتا ہے جو آزمائش کردہ ہے، لہٰذا اب آپ پر منحصر ہے کہ آپ اس سے مستفیذ ہوتے ہیں یا نہیں۔

روحانیت کی فضاؤں میں قدم رکھنے کے لیے سب سے پہلا عمل یہی ہے کہ دن بھر باوضو رہنے کی کوشش کریں۔ وہ اس طرح کہ صبح سے ظہر تک باوضو رہیں پیشاب آئے تو اسے بلا سبب روکنا صحت کے لیے اچھا نہیں۔ اس سے فارغ ہو کر پھر وضو کر لیں۔ اس طرح آپ کے لیے نماز کی راہ خود بخود ہموار ہو جائے گی، کیونکہ نماز پڑھنے میں ایک ہی بات سب سے زیادہ آڑے آتی ہے کہ ہمیں وضو کرنا پڑتا ہے وضو ہو تو یہ فریضہ ادا کرنا کوئی مشکل نہیں۔

یاد رکھیں نماز ایک ایسی روحانی قوت کا نام ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ علامہ اقبال

رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

وہ ایک سجدہ جو تجھ کو گراں گذرتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

حقیقی اور حضوری کی نماز پڑھنے والا واقعی یہ مقام حاصل کر لیتا ہے کہ اسے پھر کسی کے سامنے جھکنا نہیں پڑتا اور اس کی شرط صرف ایک ہے کہ جب اللہ کے حضور کھڑے ہو جائیں تو پھر اللہ کے حضور ہی ہوں۔ اپنے افکار و تر ددات کی نماز نہ پڑھیں، یہ ایسا مشکل کام بھی نہیں۔ اگر ہمارے احساس میں کیفیت پیدا ہو جائے کہ ہم شہنشاہوں کے شہنشاہ آقاؤں کے آقا اور احکم الحاکمین کے حضور کھڑے ہیں جو جتنا پیار دو اتنا پیار لو کے اصول پہ نوازتا ہے جو ہر لحظہ بے چین تو ہے کہ ہم اس سے اتنا مانگیں کہ کوئی اور ہمیں اتنا نہ دے سکے، مگر وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ جب ہم اس کے لیے وقت نکالیں تو یکسر ساری کائنات کو بھلا دیں۔ میں نے ایک حدیث میں پڑھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اذان کی آواز کان میں پڑتے ہی اس آواز میں ایسا گم ہو جاتے تھے کہ گھر سے مسجد تک کسی کو پہچانتے تک نہیں تھے۔ ہاں یہ کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ ’’اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ‘‘ ایسے تو نہیں کہہ دیا گیا...... بس یوں سمجھ لیں کہ اگر آپ پانچ وقت نماز پورے جذب وشوق سے پڑھتے ہیں تو پانچ بار معراج پاتے ہیں۔

اگر ایسا نہیں ہوتا تو یہ نماز آپ کو ہزار سجدوں سے نہیں بچا سکتی۔ اکثر لوگ کہتے ہیں...... ’’جی ایسی نماز کوئی پڑھانے والا نہیں ملتا......‘‘ تو عرض ہے ایک بار تہیہ تو کریں۔ جیسے کوئی دنیاوی میدان جیتنے کے لیے آپ سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں۔ ایسے ہی یہ میدان جیتنے کے لیے ارادہ پختہ اور مضبوط کر لیں کہ میں نے وہ نماز پڑھنی ہے جو مجھے ہزار سجدوں سے نجات دے۔ میں نے وہ نماز پڑھنی ہے جو مجھے فواحش اور منع کی گئی باتوں سے دور کر دے میں نے وہ نماز پڑھنی ہے جس کے بعد شاید کبھی کوئی اور نماز پڑھنے کا موقع نہ ملے گا۔ میں نے وہ نماز پڑھنی ہے جو دین کا ستون ہے میں نے وہ نماز پڑھنی ہے جو معراج کی خوشبو میرے جسم و جاں میں بسا دے اور روز جزا جب پہلا سوال اسی کے بارے میں ہو تو یہ خوشبو میرے سراپا کا نور بن کر ظاہر ہو۔

جب آپ ایسی نماز پڑھیں گے تو پھر نہ آپ کو کسی نماز پڑھانے والے کی ضرورت پڑے گی نہ انگلی پکڑنے والے کی کیونکہ جن فرائض کو ادا کرنے کا حکم سرکارِ دو جہاںؐ نے دیا ہے۔ ان کی اجازت کسی اور سے لینا سوئے ادب ہے۔ مثلاً سورۂ واقعہ کے بارے میں آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اسے رات کے وقت سونے سے پہلے ایک بار پڑھنے والے کو فقر و فاقہ نہ آئے گا۔ یہ اجازت قیامت تک کے لیے تمام امتیوں کو مل گئی۔ لہٰذا جن دعاؤں یا جن اوراد کی اجازت براہ راست حضورﷺ ختمی مرتبت سے آرہی ہے۔ اسے پڑھنے کا طریقہ کسی سے پوچھ لیں مگر اجازت نہ مانگیں، کیونکہ میرے علم و یقین کے مطابق یہ حتمی طور پر بے ادبی ہے۔

اسی طرح جب اسی ہستی پاکؐ نے نماز کا طریقہ بھی بتا دیا اور کیفیت بھی بتا دی کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے پھر اس کے بعد کسی نماز پڑھانے والے کی کیا ضرورت ہے۔ نماز پڑھانے والا شہنشاہ آیا۔ سب کچھ امت کو سونپ کر اپنے مولا کے پاس چلا گیا۔ اب تو آپ کا کام باقی ہے۔ دل میں ان کی محبت کا ننھا سا دیا روشن کریں اور سوچ لیں کہ جان و روح سے بھی پیارے حضورؐ نے ہمیں اس فریضے کی ادائیگی کا حکم دیا ہے اور عام نفسوں میں نہیں بڑی شد و مد سے حکم دیا ہے۔ محبوب کی بات پر تو لوگ کٹ مرتے ہیں، آپ یہ چھوٹا سا کام سر انجام نہیں دے سکتے!

نماز پڑھیے عشق و مستی کے ظہوروں میں صرف مسجد کو ہاتھ لگا کر نہ لوٹ آئیں یا مصلے کو روند کر نہ یہ باور کر لیں کہ عبادت کا حق ادا ہو گیا بلکہ اسی ذوق و شوق خشوع و خضوع کے ساتھ یہ پندرہ سے بیس منٹ کا وقت صرف کریں جس انہماک سے کھانا کھاتے ہیں، اچھے کپڑے پہنتے ہیں۔ لوگوں سے ملتے ہیں کہ لوگ آپ کو اپنا محبوب سمجھیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ سے بھی اپنے رابطے بڑھائیں۔ محبت محبت پیدا کرتی ہے مسلسل میل برت دل کو ایک دوسرے کے لیے لگاؤ پیدا کرتا ہے۔ کسی عام سے انسان کو دوست بنانا ہو تو یہی قاعدہ ہے کہ روزانہ اس

سے ملا جائے اس کے معاملات میں گہری دلچسپی لی جائے۔ اپنے دل کی اسے کہی جائے۔ بس یہی معاملہ بندے اور خدا کا ہے۔ نماز کا ترجمہ یاد کرلیں۔ آپ کو زیادہ لطف آئے گا کہ آپ اس کی ادائیگی میں اپنے دوست' اپنے آقا، اپنے شہنشاہ سے کچھ کہہ رہے ہیں کچھ مانگ رہے ہیں...... یہ سعادت چند فی صد بھی حاصل ہو جائے تو باقی منزل خود بخود طے ہونے لگے گی...... پھر نمازی بن کر آپ کے ماتھے پہ مستقل تیوریاں نہ ہوں گی دوسروں کے لیے اختصار نہ ہوگا نخوت نہ ہوگی کہ اب دوسرے مجھ سے ہیچ ہو چکے ہیں بلکہ ایک ایسی کیفیت ہوگی کہ دوسرے آپ کو دیکھ کر کھل اٹھیں آپ سے پیار کریں۔

امام وہ ہوتا ہے جو مقتدی سے ہر خوبی میں دو قدم آگے ہو، افسوس، ایسا نہیں ہوا۔ ہمارے دیہاتوں میں تو امام مسجد مظلوم بھی ہوتے ہیں۔ زمینداروں اور جاگیرداروں کے ادنیٰ ملازم۔ یہ ہماری بے حسی کی انتہا ہے کہ ہم دین اور دین سے متعلقہ افراد کو پرکاہ کی مانند بھی اہمیت نہیں دیتے کسی حکومتی دعوت میں چلے جایئے۔ اس طبقے کے افراد کو قریب بھی نہیں پھٹکنے دیا جاتا۔ ایک مشہور لطیفہ ہے کہ ایک مائی سے کسی نے پوچھا، اماں تیرے کتنے بیٹے ہیں؟ اس نے جواب دیا...... ''چار تھے تین رہ گئے ہیں...... ''پوچھنے والے نے حیرت سے کہا وہ کیوں مائی نے جواب دیا...... ''ایک مسیتڑ ہوگیا ہے...... یعنی مسجد میں جانے لگا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ وقت جلد لائے جب ہم درست کو درست سمجھیں۔ افراد کو مال و منال اور عہدوں کے ترازو پر نہ تولیں بلکہ منبر و محراب کی عظمت کو جانیں خود بھی اور وہ افراد بھی جو ان کے محافظ بنے بیٹھے ہیں۔

اس جملہ معترضہ کے بعد میں ان مشقوں کو مختصر اً دہراتا ہوں یاد رکھیں ان کو اسی ترتیب سے کیا کریں۔

روحانی کورس (حصہ اول)

نماز عشاء پڑھ کر ایک ایسی جگہ منتخب کریں جہاں شور و غل نہ ہو۔ نہایت ادب سے دوزانو (یعنی التحیات پر) یا چہار زانو (یعنی چوکڑی لگا کر) جیسا بھی آپ آسائش محسوس

کریں بیٹھ جائیں۔

١۔ درود شریف...... اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ دَائِمًا اَبَدًا...... گیارہ بار پڑھیں۔

٢۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ......ستر (٧٠) بار پڑھیں۔

٣۔ اب آنکھیں بند کرلیں اور تصور کریں کہ آپ کے مادی وجود کے اندر ایک اور وجود ہے جو روحانی یا مثالی وجود ہے۔ جتنے اعضاء آپ کے ہیں اس کے بھی اتنے ہی اعضاء ہیں اس پر خوب توجہ جمائیں اور اچھی طرح محسوس کریں کہ آپ کے مثالی جسم کے بھی دو ہاتھ ہیں دو پاؤں ہیں، سر، چہرہ، سینہ، پیٹ اور ٹانگیں وغیرہ بھی۔ (ابتداء میں یہ صرف تصور ہوتا ہے مگر مدت العمر یہ مشق کرنے سے حقیقت میں ایسا ہی دکھائی دینے لگتا ہے)

٤۔ جب اوپر والا تصور خوب جم جائے تو اپنے مثالی جسم کے ہاتھ اپنی مثالی بھنوؤں تک لے جائیں، پھر اپنے مثالی انگوٹھے اور انگلیاں کنپٹیوں سے بھنوؤں تک دونوں طرف پھیلا دیں اور اپنے سر کا اوپری مثالی حصہ اٹھائیں۔ یہ کنٹوپ کی طرح اٹھ جائے گا۔ تصور کریں کہ مثالی سر کے پیچھے ایک قبضہ لگا ہے جس پر سر کا یہ حصہ بآسانی ٹک جائے گا۔ آپ کے مثالی سر کا نچلا حصہ جو کھل چکا ہے، اس میں آپ کا مثالی بھیجا دماغ، آٹے کے پیڑے یا چلتے ہوئے پنکھے کی طرح پھیلا ہوا ہوگا۔

۵۔ اس لمحے دماغ کو غور سے دیکھیں۔ یہ سات حصوں میں بٹا ہوا ہوگا۔ ان حصوں میں کچھ حصے تاریک ہوں گے کچھ دھندلے۔ ہوسکتا ہے کچھ چمکدار بھی ہوں۔ (یہ سب کچھ آپ اپنی مثالی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں) جب آپ کو معلوم ہو جائے کہ کون کون سے حصے تاریک ہیں تو اگلا قدم اٹھائیں۔

٦۔ اسی حالت میں اپنے مثالی جسم کا تصور قائم رکھتے ہوئے تصور کریں کہ زمین کی پاتال میں ایک انجن لگا ہے جس کی ساخت کلمہ طیبہ پر ہے۔ تقریباً ایسے

بٹن پائپ
لا الہ الا اللہ

پہلے لفظ یعنی لا میں ایک بٹن لگا ہے اور اللہ کی ہ سے ایک پائپ نکل کر آپ کے مثالی ہاتھ میں آ گیا ہے۔ لا میں لگا ہوا بٹن اپنی مثالی شہادت کی انگلی سے دبا دیں پائپ کو بائیں ہاتھ میں پکڑے رکھیں۔ انجن چونکہ Vocume ٹائپ ہے لہٰذا یہ تیزی سے ہوا اپنی طرف کھینچنا شروع کر دے گا۔ اب پائپ کو سیدھے مثالی دماغ کے ساتوں مثالی حصوں میں لگائیں اور انتظار کریں۔ دماغ کے ان خانوں کی سیاہی پائپ کی ہوا کھینچ لے گی اور انجن میں سے گذارتے ہوئے پاتال میں ابلتے لاوے میں ڈال دے گی...... اس دوران آپ زبان دانتوں سے لگا کر اور تالوے سے چپکا کر کلمہ طیبہ کا ورد کرتے رہیں...... جب مثالی دماغ کے تمام خانے آپ کی مثالی آنکھوں کے سامنے چمکنے لگیں سیاہی دور ہو جائے سر کا اوپر والا حصہ اپنے مثالی ہاتھوں سے پکڑ کر واپس بھنوؤں میں جما دیں اور مثالی شہادت کی انگلی سے اس لائن کی سطح کو ہموار کر دیں جہاں سے سر کو اٹھایا گیا ہے۔

۷۔ آنکھیں کھول دیں۔ ستر بار اَستَغفَارَ پڑھیں۔

۸۔ دوبارہ آنکھیں بند کریں اور مثالی آنکھوں سے سر کے اوپر دیکھیں۔ جو حصے دماغ کے اندر نظر آئے تھے۔ اس کے اوپر سر کے بیرونی حصے میں سات انٹینے یا مینار یا پول نظر آئیں گے۔ مثالی آنکھوں سے دیکھیں۔ ان میں سے کوئی انٹینا ٹیڑھا ہو گا، کوئی اندر دبا ہوا اور کوئی پھٹ پھٹا گیا ہو گا۔ ایک آدھ درست حالت میں بھی ہو گا۔ ان ساتوں اینٹینوں کو اپنے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے درست کریں جو ٹیڑھے ہیں انہیں سیدھا کریں جو اندر دبے ہوئے ہیں انہیں باہر نکال دیں۔ جو پھٹے ہوئے ہیں ان کی مرمت بھی اپنے مثالی ہاتھ سے کریں۔ پھر ان کو انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے چپکا دیں جو اینٹینے بار بار بیٹھ جاتے ہوں۔ یا اندر چلے جاتے ہوں ان کے نچلے حصے میں مثالی گریس لگا دیں...... ایسی صورت کریں کہ یہ ساتوں

کے ساتوں نہایت آن بان سے سر اٹھائیں۔ آسمان کی طرف کھڑے، دل اور اپنے اپنے مخصوص فرائض سرانجام دے رہے ہوں۔

(حصہ دوم)

پہلے عمل کے بعد ہاتھ اٹھا کر نہایت یقین و وثوق کے ساتھ دعا مانگیں۔

ائے رب ذوالجلال! اے مالک کون و مکاں! اے صاحب اکرم لامحدود! اے جمال لازوال! اے کمال بے مثال! اپنی ذات لامتناہی کی تمام نوازشات تمام برکات کی بارش مجھ عاجز پہ ایسے فرما کہ دوسری دنیا اور آخرت کے باغات سرسبز و شاداب ہو کر لہلہا اٹھیں۔ اے رب نور و نکہت! مجھے سوچ کی سیاہیوں وقت کی نحوستوں، حسد و بغض اور بدنصیبی کے اندھیروں سے نکال کر اپنے نور سے بے پایاں کرم سامانیوں کی پناہ میں لے لے......

''اے رب قدیر! مجھے ہر نیک عمل ہر نیک خواہش اور ہر نیک عزم میں دنیا و آخرت کی تمام کامرانیوں تمام سعادتوں سے نوازدے۔ آمین یَافَعَالُ لِمَا یُرِیْدُ۔ آمین ثم آمین

۲۔ دعا مانگ کر منہ بند کر کے نتھنوں سے ایک گہرا اور بھرپور سانس لیں اور آنکھیں بند کر کے سانس کو اتنی دیر سینے میں روکے رکھیں جتنی دیر رکھ سکتے ہیں ذہن میں مسلسل اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ...... کی تکرار تیزی سے کریں...... اور جب سانس مزید نہ روک سکیں تو ہونٹوں کو سیٹی بجانے کے انداز میں گول کر کے ہولے ہولے پھیپھڑوں کو خالی کر دیں اور محسوس کریں (بڑی شدت سے محسوس کریں) کہ آپ کی تمام جسمانی و روحانی اور نفسیانی امراض اسی کے ساتھ جسم سے خارج ہو گئی ہیں تمام نحوستیں تمام بدنصیبیاں تمام منفی سوچیں، بغض و کدورت کی سیاہیاں ڈھل ڈھل کر دل و دماغ، رگ و ریشے کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئی ہیں اور اب آپ سر سے پاؤں تک ایک نئے روحانی، صحت مند اور آئینے کی طرح صاف و شفاف فرد ہیں۔ آپ کے سر سے پاؤں تک آپ کا باطن نور و نکہت سے تر ہو گیا ہے۔

اسی ورد اور اسی احساس کے ساتھ ایسے پانچ سانس لیں۔ پانچویں سانس کے بعد ایک منٹ تک اس تصور میں بیٹھیں کہ اب آپ جسمانی اور روحانی طور پر صحت کاملہ کا شاہکار

بن چکے ہیں۔

۳۔ اگلا قدم یہ ہے کہ پلاسٹک کا ایک ٹکڑا لیں جو روپے کے سکے جتنا موٹا ہو اور ڈیڑھ انچ مربع کا ہو اس کو اپنے ماتھے کے وسط میں بھنوؤں سے کچھ اوپر رکھیں۔ بائیں ہاتھ کی شہادت اور بڑی انگلی سے اس پلاسٹک کے ٹکڑے کو تھام لیں۔ درمیان میں سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے پلاسٹک کو اتنا رگڑیں کہ بھنوؤں کا درمیانی حصہ کچھ اوپر تک گرم ہو جائے۔ اسے خوب اچھی طرح گرم کریں، پھر رک جائیں ٹھنڈا ہونے پر پھر یہی عمل کریں تین بار گرم کرنے کے بعد ٹکڑا الگ رکھ دیں۔

۴۔ آنکھیں بند کر کے گرم ہونے والی جگہ تصور باندھیں کہ ایک نوری قلم نوری حرفوں میں بار بار لفظ اللہ لکھ رہا ہے۔

۵۔ اس مشق کو کرتے ہوئے خاص احساس پیدا ہو جائے کہ نوری قلم نے لفظ اللہ لکھ دیا ہے تو اپنی مثالی آنکھوں سے دیکھیں کہ یہ لفظ یعنی اللہ تیزی سے عالم بالا کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔ آپ بھی اسی تیزی سے اس کا پیچھا کریں۔ آپ کو محسوس ہوگا کہ بے شمار نوری دائرے ہیں جن میں سے آپ گذرتے ہوئے اسم ذات کی رہبری میں مختلف آسمانوں کو عبور کر رہے ہیں۔ بے شمار مناظر بھی نظر آ سکتے ہیں مگر آپ نے ان مناظر کی طرف دھیان نہیں دینا۔ اس اسم مقدس کو اپنی نگاہ میں رکھ کر بڑھتے چلے جانا ہے حتیٰ کہ آپ عرش معلیٰ پر پہنچ جائیں۔ یہاں پہنچ کر یہ اسم غائب ہو جائے گا اور جلوۂ جاناں نظر کے سامنے ہوگا۔ یہاں رک جائیے اور محسوس کیجئے کہ آپ کے بدن کا رواں رواں اللہ اللہ اللہ پکار رہا ہے۔

معزز قارئین! ابتداء میں صرف احساس ہوگا صرف تصور ہوگا۔ جوں جوں آپ اس مشق کو کریں گے۔ یہ سارے سلسلے جو میں نے لکھے ہیں، واشگاف ہو کر نظر کے سامنے آئیں گے۔ شاید وقت کی تیز فطرت اور تیز تر تقاضوں کے مطابق یہ نہایت سہل اور سریع طریقہ کار عطا فرمایا گیا ہے۔ خدارا اسے اپنائیے۔ یہ آپ کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوگا۔ اس میں ۴۵ منٹ سے زیادہ وقت نہیں لگتا۔

ایک انتہائی ضروری بات جو میں زور دے کر کہوں گا وہ یہ ہے کہ میں نے کہا ہے ہر وقت باوضو رہیں۔ وضو کا مطلب ہے جسمانی طہارت، پاکیزگی، صفائی وغیرہ لیکن پاکیزگی کو جسم تک محدود نہ رکھیں۔ اصل طہارت اور پاکیزگی اندر کی ضروری ہے۔ ذہن کو، ضمیر کو روح کو پاکیزہ رکھیں۔ ذہن کو گندے اور بے ہودہ خیالات سے پاک رکھیں۔ یہ ذہن نشین کر لیں کہ حسد، بغض، کینہ، غصہ، دوسروں کو نقصان پہنچانے کا جذبہ جھوٹ، بددیانتی اور تمام وہ حرکات جو جرم یا گناہ کے زمرے میں آتی ہیں، روح کو پژمردہ کر دیتی ہیں۔ روح کی پژمردگی میں روحانیت کے راستے پر آپ چل ہی نہیں سکتے۔

میں نے جھوٹ کے روحانی اور جسمانی اثرات کو اپنے ایک مضمون میں تفصیل سے بیان کیا تھا۔ اگر آپ میں اور کوئی بری عادت نہیں اور آپ کا ذہن بھی پاک اور صاف ہے لیکن آپ میں صرف جھوٹ بولنے کی عادت ہے تو آپ نہ روحانیت سے، کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں نہ روحانیت کا کوئی کم سے کم مقام بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ کو راست گوئی اور صداقت پسند ہے۔

ایک اور ضروری بات...... میرے پاس لوگ اپنے پریشان کن مسائل، امراض اور مصائب لے کر آتے اور مجھ سے مدد مانگتے کہ میں ان مسائل وغیرہ سے انہیں نجات دلا دوں۔ میں کچھ پڑھنے کے لیے بتاتا ہوں یعنی ورد وظیفے یا آیات قرآنی وغیرہ۔ نقش بھی دیتا ہوں اور کچھ اور طریقے بھی استعمال کرتا ہوں مگر سائل یہی کہتا چلا جاتا ہے کہ کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ انہی ورد وظیفوں اور نقش وغیرہ سے بے شمار خواتین وحضرات فائدہ اٹھا چکے ہیں اور اٹھا رہے ہیں، پھر کیا بات ہے کہ کچھ لوگ بار بار آ کر مایوسی کا اظہار کرتے ہیں کہ آپ کے روحانی عمل سے تو ہمیں کوئی فائدہ ہی نہیں ہوا۔

ان کی ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ وہ وظیفوں کو اسم ہائے اللہ کو اور آیات قرآنی کو جادو کے الفاظ یا جنتر منتر سمجھتے ہیں کہ طوطے کی طرح ان کی رٹ لگائے رکھو تو یہ اپنا اثر دکھائیں گے۔ نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔ آپ کو روحانی علاج کے دوران اپنی روح کو پاک رکھنا ہوگا۔ آپ

ایک سائل کہتا ہے کہ وہ سگریٹ نوشی ترک کرنا چاہتا ہے میں اس کے لئے کوئی مل کرتا ہوں اور اسے کچھ پڑھنے کے لیے دیتا ہوں۔ وہ ورد وظیفہ بھی کرتا ہے اور سگریٹ بھی پیتا چلا جاتا ہے کہ عامل کا دیا ہوا جادو خود ہی سگریٹ چھڑوا دے گا۔ دراصل یہ سائل سگریٹ چھوڑنا ہی نہیں چاہتا اور وہ اپنے آپ کو دھوکے دے رہا ہے اور شکایت مجھ سے کرتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم کوشش کرو اور کامیابی مجھ سے لو۔ تم ڈھونڈو، تمہیں میں دوں گا۔ شرط یہ ہے کہ میرے اور میرے رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل کرو۔ (٦)

تنقیدی خط

ایک خط ڈاکٹر قادری صاحب نے ملتان سے لکھا ہے۔ پہلے یہ خط ملاحظہ فرمائیے۔

آپ روحانیت پر اپنے خیالات بھی قلم بند کرتے رہتے ہیں۔ میرے لیے وجۂ استعجاب بات یہ ہے کہ اب تک جتنے بھی مسائل کے حل وظائف کے ذریعے پیش کیے گئے ان کی افادیت محض اشخاص تک محدود کیوں ہے؟ کیا یہ معاشرے کے اجتماعی مسائل کا عملی حل پیش کرنے سے قاصر ہیں؟ اگر نہیں تو پاکستانی قوم پر احسان کریں اور اس ''مسائلستان'' کو پھر سے ''پاکستان'' بنانے کی کوئی سبیل نکالیں۔

موصوف فرماتے ہیں...... ''اس طرح ہر دور کا ایک قلندر ہوتا ہے وہ کسی بھی خطۂ زمین پر ہوسکتا ہے مگر اسکا تصرف زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلتا ہے۔''

اگر یہ انتہائی لازمۂ حیات بات تھی اور اس سے شناسائی اور احترام مخلوق پر واجب تھا تو کلام الٰہی میں اس کے تذکرے سے اعراض کیوں برتا گیا؟ دو چار آیات کا اضافہ یقیناً قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت پر بار گراں نہ ہوتا اور پھر رہبر کامل نے بھی اس طرف خفیف سا اشارہ نہ کیا کہ ہر دور میں ایک قلندر ہوتا ہے اور میرے دور کا قلندر فلاں شخص ہے اور یہ بنی نوع انسان کا نجات دہندہ اور مشکل کشا ہے۔ خلفائے راشدین بھی اس اہم عہدے و منصب سے ناواقف رہے۔

ہمارے معاشرے میں ہر برہنہ نیم برہنہ اور فاتر العقل شخص کو مقدس دیوتا سمجھ کر پوجا جاتا ہے۔ یہ خواہشات کے دیوتا تو برہنہ اور مفلوج ذہن کے مالک ہوتے ہیں۔ اور غلیظ گالیاں بھی دیتے ہیں لیکن ہم اپنی بداعمالیوں کوتاہیوں تساہل اور تغافل پسندوں اور پردہ نشینی کی خاطر ان کی پوجا شروع کر دیتے ہیں۔ انہیں تو خود اپنی خبر نہیں ہوتی مگر ہم انہیں نجات دہندہ کا مقام دیتے ہیں۔

بات قلندر کی ہو رہی تھی۔ محترم! نے بابا لعل شاہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا...... ''ایک صاحب نے بابا کو راولپنڈی میں ایک جگہ مستی اور سرشاری کے عالم میں دیکھا۔ وہ گلہڑ اگلی تک بس میں پہنچا تو دیکھا کہ بابا جی ایک جگہ بیٹھے کتیا کو دودھ پلا رہے ہیں جس نے تھوڑی دیر پہلے بچے دیے تھے وہ بڑا حیران ہوا کہ جس بس میں یہاں پہنچا ہے اس کے علاوہ تو کوئی بس ادھر نہیں آئی۔ پھر بابا جی اس سے پہلے کیسے پہنچ گئے؟ ...... وہ یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ بابا جی نے سر اٹھا کر کہا کہ یہ بھوکی تھی۔ بچوں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاتی تھی اس لیے جلدی کی۔

بابا جی کو ایک کتیا کی بھوک تو میلوں سے کھینچ لائی لیکن اس وقت کتنے لوگ ہوں گے جو دنیا میں یا قرب و جوار میں بھوک سے تڑپ رہے ہوں گے، بستر مرگ پر اپنی زندگی کی سانسیں عسرت و تنگدستی کے سبب بسر کر رہے ہوں گے۔ ننگے بدن بچے چچوڑی ہوئی ہڈیوں پر جی رہے ہوں گے۔ بھوک جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انسان کے لیے دنیا میں جتنی بھی نعمتیں ہیں۔ بھوک ان کی ماں ہے۔ بھوک گداگری سکھاتی ہے۔ بھوک جرائم کی ترغیب دیتی ہے۔ بھوک عصمت فروشی تک پہنچا دیتی ہے۔ آج بھی قلندر موجود ہے تو اسے سسکتی انسانیت کی پرواہ کیوں نہیں!

ایک انسان کی بھوک اور ابتلا کتنے جرائم جنم دیتی ہیں لیکن یہ قلندر کبھی مدد کو نہیں آئے اور پھر یہ سب حقوق العباد میں شامل ہے جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ میں حقوق اللہ معاف کر سکتا ہوں لیکن حقوق العباد معاف نہیں کر سکتا جب تک کہ بندہ معاف نہ کرے۔ انہی حقوق کے پیش نظر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا زہد اور ان کی سادگی اور انفاق فی سبیل اللہ ہمارے لئے زاد راہ ہے۔ حضرت عثمانؓ سب سے زیادہ مالدار تھے۔ ان کا جذبہ فیاضی حاجت مندوں پر دولت لٹانے سے تسکین پاتا تھا لیکن ایسے نہیں کہ جی میں آیا تو نتھو کو مالا مال کر دیا جب کہ کرمو بیچارہ آستانہ عالیہ پر جوتیاں چٹخاتا رہ گیا۔ اپنے دور خلافت میں ان اکابرین اسلام نے مخلوق خدا کی خدمت کی۔ بے عملی سے فرار اختیار کر کے گوشہ نشینی اختیار نہیں کی۔

اور پھر اگر یہ قلندری ان امور جہانبانی و جہانداری سے اتنی ہی اہم تھی جس کے ذریعے خلفائے راشدین نے روئے زمین پر قرآنی دین اسلام کا عملاً نفاذ کیا تو ان کی عقل و فکر سے یہ کیوں اوجھل رہی ہے؟ خدائی قرب کے اس چھوٹے راستے سے وہ کیوں محروم رہے کیا بابا موصوف کا عشق ہی ان عظیم اکابرین سے بلند مرتبہ تھا؟ وہ جو مقتدر ہونے کے باوجود ایک عام سے مزدور کی تنخواہ کا حقدار خود کو سمجھتے تھے، اگر شہد بھی لینا ہوتا تو شوریٰ کی محفل بلاتے، شہید ہو جاتے لیکن مدینۃ النبیؐ میں قتل و غارت سے دانستہ گریز کرتے۔ یہودی کے باغ میں مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتے۔

امام ابو حنیفہؒ ایک جابر و ظالم حکمران کے عہد میں دار و رسن کی اذیت سے دو چار ہوئے لیکن اطاعت سے انکار کرتے رہے۔ امام احمد بن حنبل کی مشکیں کسی گئیں۔ انہیں کوڑے مار کر بے ہوش کیا جاتا اور تلوار کی نوک چبھو کر ہوش میں لاتے۔ انہوں نے ان ابتلاؤ مصائب کے باوجود گوشہ نشینی اختیار کر کے خود کو کبھی نہیں پوجوایا۔ کیا یہ لوگ جیتے جی شہید ناز نہ تھے؟ کیا ان کا مقام و مرتبہ بابا لعل شاہ سے کم تر تھا یا وہ اس مقام سے نا آشنا تھے؟

روحانیت کی منڈی لگانے والے آخر یہ کیوں نہیں سوچتے کہ وہ قوم کو بستان عجم کا پجاری بنا کے ان کی پرواز میں کوتاہی کا سبب بن رہے ہیں۔ امت مسلمہ میں عقل و فکر کی شمعیں گل کر کے انہیں مفلوج بنا رہے ہیں۔ جن کی ضرب سے کوہ شگاف ہوتے تھے جن سے شرق و غرب کشادہ ہوتے تھے، انہیں اب اسی عیش نیام سے بے نیاز کیا جا رہا ہے۔ بلند پرواز شاہین کو کرگس بنانے کے لیے جال پھیلائے جا رہے ہیں۔

یہ کبھی استخارہ کرتے ہیں تو کبھی چلے کاٹتے ہیں لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

اگر آپ روحانیت میں اتنے ہی تاک ہیں تو خدارا پاکستانی قوم پر ایک کرم کیجئے۔ تا قیامت آپ کا احسان رہے گا اور آخرت میں بھی اس کا اجر ملے گا۔ وہ یہ کہ ہمیں بتایئے کہ محمود الرحمٰن رپورٹ کیا تھی؟ مشرقی پاکستان کو ہم سے کس نے جدا کیا؟ ملک میں وی سی آر کے ذریعے غیر ملکی ثقافتی یلغار کا سرخیل کون ہے؟ ہیروئن جس سے نئی نسل چلتی پھرتی اور بے

گورو کفن لاش بن گئی ہے، عمل نجات کی کوئی سبیل بتایئے۔ سانحہ اوجڑی کیمپ سانحہ سانگی۔ سانحۂ نوشہرہ وغیرہ کے پس پردہ اسباب وعوامل کو بے نقاب کیجئے۔ تخریب کاری ہتھوڑا گروپ اور اب چھرا گروپ کے سفاک انسانوں کی نشاندہی کر کے قتل انسانی کے سیل بے لگام کی سبیل سوچئے۔ ملک عزیز میں دندناتے خفیہ ہاتھوں کو عریاں کیجئے۔ وہ ملک دشمن عناصر جو ہماری صفوں میں تحلیل ہو چکے ہیں، جنہوں نے ہماری خفیہ ایجنسیوں کو مفلوج کر رکھا ہے۔ ان کی نشاندہی کیجئے۔ سامراج کے عالمی اقتصادی شکنجوں میں ملک جکڑا ہوا ہے۔ ان سے نجات کی سبیل کیجئے۔ آپ ہی کوئی وظیفہ پڑھ لیجئے کہ نئی نسل کی یاسیت و پژمردگی دور ہو جائے۔ بیروزگاری کا سدباب ہو سکے۔ شاہراہوں پر عصمتوں کے سودے بند ہو جائیں۔ بیٹیاں عصموں کی قتل گاہ پر ذبح ہونے سے بچ جائیں۔ ڈاکے بند ہوں۔ عدم تحفظ اور بے چینی کا خاتمہ ہو جائے۔ روز افزوں انجانے خوف وحزن کی فضا چھٹ جائے۔ بداعمال حکمرانوں سے نجات مل جائے۔ ہمیں دنیا کی جدید ترین ٹیکنالوجی پر دسترس حاصل ہو جائے کیونکہ آج جنگ وظائف سے نہیں لڑی جاسکتی تاکہ ہم پھر سے فریضہ امامت کو بحال کر کے اسلام کی حقانیت کو عملی طور پر ثابت کر سکیں۔ الغرض ہمیں ایسے عامل کی ضرورت ہے جو امت مسلمہ کی حنوط شدہ لاش میں پھر سے زندگی کی رمق ڈال دے۔

اگر یہ سب کچھ ناممکن ہے تو خدارا ہمیں ذکر و افکار میں مست رکھنے کا یہ سلسلہ بند کیجئے۔ ہمیں ہمارے مسائل کا عملی حل چاہئے۔

محترم! بہر کیف آپ کے حکم کے بموجب آپ کی پوری تحریر یا تنقید شائع کر دی گئی ہے۔ مطمئن ہو جائیں کہ آپ کے افکار کا ابلاغ اہل فکر ونظر تک ہو چکا ہے۔ یہ تحریر پڑھتے ہوئے مجھے علامہ غلام احمد پرویز مرحوم بہت یاد آئے۔ ان کی تحریر کی چاشنی تو انہی کا حصہ تھی، مگر آپ کے افکار میں ان کے فیضان کا اثر کافی کچھ نظر آیا۔ ایک دور میں میری بھی ان سے خاصی گہری اور قریبی ملاقات رہی۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ خالصتاً پنجابی شاعری کے حوالے سے تھی۔ اس دور میں انہوں نے بصد عنایت اپنی بیشتر تصانیف مجھے عطا کیں جن کا مطالعہ

میں نے بنظر غائر کیا۔ ان کی کتاب صوف کی حقیقت، تو بہت ہی غور سے پڑھی کیونکہ وہ میرے مسلک کے خلاف تھی۔ پرویز صاحب کے ماننے والے اکثر ان سے اپنے تعلق کا اظہار کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں مگر میں ببانگ دہل یہ اعتراف کرتا ہوں کہ پرویز صاحب کی تحقیقات نے مجھ پہ بڑا طاقتور اثر چھوڑا مگر!

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات!

ہزار کوشش کے باوجود تصوف کے معاملے میں ان سے متفق تو کیا۔ ذرہ برابر بھی متاثر نہ ہو سکا، حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ میں خالی متصوف ہوں، اس کے باوجود وہ مجھ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ میں چونکہ بنیادی طور پر پنجابی زبان میں شاعری کرتا ہوں اور وہ پنجابی شاعری کے بے حد رسیا تھے۔ لہٰذا انہوں نے بیسیوں محفلیں اپنے ہاں سجائیں۔ اپنے احباب اور زیر تربیت شاگردوں کو شمولیت کے لیے کہا۔ میں گھنٹوں ان محفلوں میں اپنے اشعار سناتا رہا اور بالخصوص پرویز صاحب سے داد پاتا رہا۔ میرے لیے اتنے بڑے عالم کی داد بہت بڑا اعزاز ہے مگر جیسے کہ تصوف کے بارے میں آپ کی معلومات آئے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ اسی طرح محترم پرویز صاحب بھی اس سلسلے کی اتنی سی معلومات رکھتے تھے جو ان کے نانا سے انہیں میسر آئیں، اور اپنی نوعمری میں روایتی گدی نشینی کے حصول پر انہیں تصوف برگشتہ کر گئیں۔

مثل مشہور ہے "ہر کسے را بہر کار ساختند۔" میں جانتا ہوں۔ تصوف پرویز صاحب کی فطری اپج کا میدان ہی نہ تھا، سوان کے مزاج نے انہیں گدی نشینی کی فضاؤں سے نکال کر ایک اور نہج پر ڈال دیا۔ حالانکہ ان کے دونوں استاد علامہ اسلم جیراجپوری اور علامہ اقبال دونوں متصوف ہیں۔ علامہ اسلم جیراجپوری کی کتاب "حیات حافظ" اس کا زندہ ثبوت ہے اور علامہ اقبال کے بارے میں تو انہوں نے تصوف کی حقیقت کا ایک پورا حصہ مختص کیا ہے کہ علامہ مرحوم کیوں اور کیسے پیر ہندی کے مرید بنے۔ اسرار خودی لکھ کر کیوں منحرف ہوئے اور آخری عمر میں کیوں فقیری اختیار کی؟...... یہ موضوع اپنی وسعت کے اعتبار سے ایک

الگ کتاب کا متقاضی ہے۔ لہٰذا بشرط زندگی کبھی نہ کبھی یہ فریضہ بھی ادا کروں گا۔

ڈاکٹر صاحب! تصوف خواہ کتنا ہی کامل، مربوط اور عین دین نظریہ ہو۔ اس کے باوجود اس سے اختلاف کا حق آپ کو ہے اور اس کا دفاع مجھ پر فرض ہے کیونکہ جس نظریئے تک پہنچنے میں میں نے مدت العمر جسمانی وفکری مجاہدے کیے بے شمار راتیں آنکھوں میں کاٹیں اس پر حرف آئے اور میں خاموش رہوں، یہ وفا کے اصولوں کے منافی ہے......سو جواباً فرض ہے کہ عراق اتحادی جنگ کے بعد بہت سے احباب نے مجھے پوچھا کہ جب تمام مسلمانوں کی دعائیں صدام کے ساتھ تھیں عراق میں حضرت علیؓ المرتضیٰ حضرت حسینؓ، حضرت عباسؓ کاظمین اور حضرت سید عبدالقادرؒ جیلانی کے علاوہ بے شمار بزرگ و برتر اولیاء اللہ کے مزارات بھی تھے تو پھر عراقیوں کو اس صورت حال سے کیوں دوچار ہونا پڑا۔

چند ایک اقتباسات پیش کرتا ہوں تاکہ حقیقی اختلاف جو آپ میں اور مجھ میں ہے ذرا واضح ہو کر سامنے آجائے۔

> ''بات یوں کہ ہم مسلمانوں نے مدتوں سے اس دنیا کو دو حصوں میں بانٹ رکھا ہیں روحانی دنیا اور مادی دنیا......روحانی دنیا سے مراد باطن کی دنیا روحانی خیر شر، عبادات چلہ کشیاں عوام علوی و سفلی کے مشاہدات، فقر و فاقہ، صبر و رضا کی زندگی ہے۔ اس کے برعکس مادی دنیا مادہ اور اس کے ظواہر، افعال و اعمال، معاشی توازن و عدم توازن۔ حکومتوں کی شکست و ریخت، اقوام کی تخریب و تعمیر سے وابستہ ہے۔ اگر منبر و محراب ہمیں اس دنیا اور اس کے علائق سے دور لے جانے کی کوشش کرتے ہیں تو مادہ پرست مذہب کو افیون، مذہبی اقدار کو رجعت پسندانہ اور کٹھ ملائیٹ سے معنون کرتے ہیں۔''

اس کی مزید تشریح اگلے اقتباس سے ہوتی ہے:

> ''کیا ہم تمام سائنسی ترقیوں کو مادیت سے وابستہ کر کے ہی جھٹلاتے

رہیں گے؟ کیا ہم اس حقیقت کو مان کر اپنے علم میں اضافہ نہیں کر سکتے کہ ولایت کے متعدد اور متنوع انداز ہیں؟ کیا وہ شخص جو لکڑی کی رگوں میں پیچ وخم پیدا کر کے خوبصورت اشیاء تخلیق کرتا ہے۔ اپنی ولایت کا الگ پیرایہ نہیں رکھتا؟ کیا دھاتوں سے پنجہ آزمائی کرنے والا مٹی یا پتھر سے خوبصورت برتن یا ڈیکوریشن پیس تیار کرنے والا اپنے فن پاروں سے کائنات کے حسن کو تکمیل کی طرف جاتے ہوئے روحانی سفر نہیں کر رہا؟ یقیناً کر رہا ہے۔

اگلے اقتباسات بھی ملاحظہ فرمائیں:

''سوچئے کہ ہم مسلمان صرف ایک جہت کو ہی لے کر نہیں بیٹھ گئے (یعنی تسبیح وتہلیل کو) تاریخ عالم گواہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کبھی مادی وسائل کو صرف روحانیت سے شکست نہیں ہونے دی۔ یہ اس کی سنت کے خلاف ہے۔ مادی دنیا میں وسائل کا بدرجہ اتم ہونا یہاں تک ضروری ہے کہ سید المرسلین کو بھی ہر جنگ کے لیے پوری پوری تیاری کرنا پڑتی ہے۔ اس کے تمام پہلوؤں پہ غور وفکر کر کے ایک اعلیٰ کمانڈر کی طرح مادی وسائل کو کام میں لانا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تمام قوتوں کو ہمارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ اب اگر ہم صرف تعویذوں کے ذریعے ہر شئے کو تسخیر کرنا چاہتے ہوں تو ایسا ممکن نہیں۔ ہر شئے کی تسخیر کا الگ چلہ ہے کہیں روح روحانیت کام کرتی ہے تو کہیں مادیت کی روحانی قوت منزل مقصود تک پہنچاتی ہے۔''

''خوب سمجھ لیں کہ عراق/ اتحادی جنگ میں ڈیڑھ ماہ تک معجزات اور کرامات کا انتظار ہوتا رہا۔ نہ عراق کا پوشیدہ ہتھیار منظر عام پر آیا، نہ وہ جھکڑ فطرت کا لشکر بن کر اٹھے جن کی تمنا میں ڈیڑھ ماہ تک ہم نے اپنے سینوں کو گرم رکھا، فطرت نے ایک دن بھی اہل عراق کی مدد نہ کی۔ فطرت تو ایک ساتھ قدم ملا کر چلنے والوں کا ساتھ دیتی ہے۔ یہ خوبی مسلمانوں میں نہیں اتحادیوں میں تھی۔''

''آپ حیران ہوں گے کہ مادے کی کرامات کیا ہوسکتی ہیں تو عرض یہ ہے کہ روایتی روحانیت سے متعلق اولیاءاللہ کی کرامات تو کتب روایات یا سوانح میں مل جاتی ہیں مگر ہم ان کرامات کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے نہیں کرسکتے کیونکہ وہ گذر چکی ہیں، البتہ مادے کی روحانیت کے مدارج حاصل کرنے والے اپنے پیچھے ایسے لافانی نقوش چھوڑتے جارہے ہیں کہ ان کی کرامات کا مشاہدہ ہم بھی کررہے ہیں۔ آنے والے بھی کریں گے۔ ان سے ہم بھی مستفید ہوتے ہیں، آنے والے بھی ہوں گے۔ یقین نہ آئے تو بجلی کا ایک بٹن آن کیجئے۔ آپ کا گھر جگمگا اٹھے گا۔ یہ بھی تخصیص نہیں کہ بٹن کون دبائے گا۔ کوئی بھی دبالے وہی نتیجہ پیدا ہوگا۔ یہ کیسا تصرف ہے کہ ہر کسی کو چشم زدن میں دیا جاسکتا ہے۔''

بہرکیف میں اس کے باوجود خط کا جواب دوں گا تاکہ بہت سے حقائق سامنے آئیں جو غلط العام فصیح کے طور پر ڈگر ڈگر بکھرے ہوئے ہیں اور لوگوں کو تنگ کرتے رہتے ہیں۔ شاید لوگوں کے اذہان میں دبکے ہوئے ابہام وہ وضاحتیں پالیں جو انہیں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوں۔

اس خط میں صرف دو تین سوال ہیں جن کا جواب چند لائنوں میں دیا جاسکتا ہے لیکن بہتر یہی ہوگا کہ پہلے میں اس خالص روحانیت کو قارئین کی خدمت میں پیش کروں گا جو میری سمجھ میں آئی ہے، پھر بات واضح ہوجائے گی اور میرے جوابات سمجھنے میں آسانی میں سمجھتا ہوں کہ مابین زمان و مکان اور ماورائے زمان و مکاں لمحوں کا سفر جس بھی انداز میں جاری ہے۔ اس میں نوع بشر کے لیے یہ ستر سے سو سال تک کا وقت سب سے قیمتی سب سے اہم اور سب سے زیادہ سودوزیاں کا حامل ہے۔ ہماری روح اربوں کھربوں سال سے عالم بالا میں صرف اس مقصد کے لیے پڑی تھی کہ اسے ایک نہ ایک دن کسی پیکر خاکی میں زمین پر آنا تھا، وہاں بظاہر اس کا کوئی مقصد نہ تھا۔ مقاصد کا تعلق یا تو اس مادی زندگی سے ہے یا اگلی زندگی سے جسے عاقبت کہتے ہیں۔ ایک لحظ کے لیے رک کر سوچیں تو یہ فیصلہ بھی چشم زدن میں ہوجاتا ہے کہ آگے آنے والی لامتناہی زندگی کا تمام تر انحصار بھی ان

ساٹھ ستر سالوں پر ہے جو ہم اس زندگی پر گذارتے ہیں، واضح ہو کہ ازل سے ابد تک اصل میں کوئی قیمت ہے تو اس زندگی کی جس کے بارے میں بار بار باور کرایا جاتا ہے کہ وہم و گمان کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اس زندگی میں ہم نے جو کچھ کرنا ہے وہ کسی غیر مرئی کمپیوٹرائزڈ سسٹم پر ریکارڈ ہو رہا ہے۔ ہم نے سائنسی تحقیقات میں سنا ہے کہ آواز اور تصویر دونوں خلاؤں میں ریکارڈ ہو رہے ہیں جن کے لیے ٹائم مشینیں بنانے کی کوشش ہو رہی ہے تاکہ چند سال پہلے کی یا ہزاروں سال پہلے کی آوازوں اور تصویروں کو دیکھا سنا جا سکے۔ اگرچہ ابھی تک یہ نظریہ کسی حد تک مفروضہ ہے یا کم از کم منظر عام پر نہیں آ سکا، لیکن کہیں نہ کہیں ہمارے ہر عمل ہر قول کی فلم بن رہی ہے۔ جس کے ذریعے ہمارے ہاتھ پاؤں اور تمام اعضائے بدن حضور حق جل شانہ، ہمارے حق میں یا ہمارے خلاف گواہی دیں گے تو اب ہمیں ایک ہی بات معلوم کرنے کی لگن ہوتی ہے کہ وہ کونسا طریقہ ہے جسے اختیار کرنے سے ہمارے اعضا ہمارے حق میں گواہی دیں خلاف نہ دیں۔

اس سوال کا جواب بہت سہل ہے۔ قرآن حکیم میں ایک لفظ بہت بار آیا ہے۔ وہ لفظ ''للہ'' ہے۔ یعنی اللہ کے لیے یا اللہ کی...... الارض للہ۔ زمین اللہ کی ہے۔ ''فی الحکم للہ''، حکم اللہ کا ہے...... زمین و آسمان اللہ کے ہیں...... غور کیا جائے تو اس کائنات میں ہر شئے اللہ تعالیٰ ہے۔ سو اس بات کو ہم سب جانتے ہیں، خوب سمجھتے ہیں۔ مگر ہمارا عمل ساری زندگی ایک جملے کا ردعمل ہوتا ہے اور وہ جملہ ہے۔ ''لوگ کیا کہیں گے!'' کپڑے واجبی ہوں تو کہا جاتا ہے لوگ کیا کہیں گے، دعوت کا مسئلہ ہو تو لوگ کیا کہیں گے، حتیٰ کہ بہت سے لوگ نمازیں تک اس لیے ادا کرتے ہیں کہ کہیں لوگ بے نمازیوں میں نہ شمار کرنے لگیں۔ مکان ہم لوگوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بناتے ہیں۔ موٹر کار، سائیکل، فیشن ہمارا ایک ایک عمل اس خوف کے تابع ہوتا ہے کہ کہیں لوگ اعتراض نہ کر دیں، تمسخر نہ اڑا دیں، حالانکہ سب کچھ اللہ کا ہے۔ ہم وہ بدنصیب ہیں جو بعض اوقات زندگی بھر میں ایک بار بھی یہ نہیں سوچتے

کہ وہ جس نے تمام سالم اعضاء عطا کیے۔ دولتمند یا صاحب علم ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ زہد وعبادت کے لیے درجات قائم کیے۔ صحت وحسن عطا کیا، پھر جب ہم اس کے حضور جیبوں میں کھوٹے سکے بھر کر حاضر ہوں گے تو وہ کیا کہے گا؟

مگر یہ بات تو ہم اس صورت میں سوچ سکتے جب ہم اللہ کے ہونے کا یقین رکھتے ہوں۔ زبانی جمع خرچ تو بہت ہوتا ہے مگر مشاہدے میں یہی آیا ہے کہ علاقے کا تھانیدار دو سپاہی بھیج کر ہمیں تھانے بلائے تو ہم سب کچھ بھلا کر بھاگے بھاگے تھانے پہنچتے ہیں۔ ہمیں کچھ اور یاد نہیں رہتا سوائے تھانے کے، تھانیدار اور اس کی وردی کے خوف کی لہریں بار بار سر کی گدی سے اٹھتی ہیں اور بدن کو سرد کر دیتی ہیں کہ خدا جانے تھانیدار نے کیوں بلا بھیجا ہے۔ ہم کوئی بداخلاقی یا کوئی بدعہدی اس کے سامنے نہیں کر سکتے۔ ہمیں یقین ہوتا ہے کہ تھانیدار قوی بھی ہوتا ہے، صاحب اقتدار بھی۔ ہم اس کے اختیار سے ڈرتے ہیں۔ اب اگر اللہ تعالیٰ ہونے کا اتنا سا یقین بھی ہو جائے تو ہم اس کے پانچ وقتہ بلاوے سے کبھی انحراف نہ کریں۔ کبھی کسی کے حقوق غصب نہ کریں۔ کبھی بے رہروی اختیار نہ کریں۔ اگر ہمیں اس بات کا حقیقی یقین ہو کہ اس کائنات اور ماورائے کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کا ہے تو ہم جو کچھ بنیں اس بات کو کبھی فراموش نہ کریں کہ ہم نے اللہ کے لیے بننا ہے۔

ہمیں صدر مملکت، وزیر اعظم، سیکرٹری، کمشنر، ڈپٹی کمشنر، تاجر، سائنسدان، بیرسٹر غرض کہ جو کچھ بھی بننا ہے۔ اللہ کے لیے بننا ہے۔ اپنے ذاتی اقتدار کے لیے وزیر اعظم بننے اور اللہ کے لیے وزیر اعظم بننے میں بہت بڑا فرق ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین کے ادوار میں یہ جو مسلمان دنوں، ہفتوں، مہینوں میں مملکتوں کی مملکتیں فتح کیے جا رہے تھے، ایران، روم اور مصر کی شہنشاہیاں ان کے آگے خس وخاشاک کی طرح اڑے جا رہی تھیں تو اس میں یہی نقطہ کارفرما تھا۔ ان کا ہر انداز حیات اللہ کے لیے تھا۔ وہ سربراہ مملکت تھے تو اللہ کے لیے۔ جہاد کرتے تھے تو اللہ کے لیے منصب قبول کرتے تھے تو اللہ کے لیے منصب چھوڑتے تھے تو اللہ کے لیے ان کی تجارتیں ان کی زمینداریاں سب اس

''ملک الحق المبین'' کے لیے تھیں...... یہ ہے اول و آخر، ظاہر و باطن پوری روحانیت کا کہ اس حیات مستعار کا جو لمحہ بھی گزاریں اللہ کے لیے گزاریں۔

اس طرز حیات کی تشریح کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء بھیجے اور کتب نازل فرمائیں۔ کچھ فرائض کو ادا کرنے کا حکم دیا۔ کچھ چیزوں سے اجتناب کے لیے کہا۔ یہ اللہ کی حدود تھیں۔ اس کے اوامر و نواہی تھے۔ ظاہر ہے اس کے احکام پر چلنے والے نجات پانے والے تھے، انحراف کرنے والے خطا کار تھے۔

نیکی بدی کی فاصل میں انسان کو اختیار دیا گیا کہ وہ حق و باطل کو اپنے پیرائے میں اپنائے حق کو ماننا حق کی جانب سے عائد کردہ تمام فرائض کو ماننا اور اس پہ عمل کرنا تھا۔ باطل کا اتباع خالق حقیقی سے اعراض، اپنی انا میں منفی رویوں کو اپنا معبود ماننا تھا۔ لہٰذا زمین پر دو پارٹیاں قائم ہو گئیں...... ایک حزب اللہ ایک حزب الشیطان...... ہر دو پارٹیوں میں ازل سے رسہ کشی چل رہی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ تاریخ انسانی کے زیادہ تر ادوار میں حزب الشیطان، ہی غالب رہا کیونکہ ہر دور میں انسان پہ یہی خوف طاری رہا۔ لوگ کیا کہیں گے!

عقلوں، شعوروں اور دانشوروں سے اوجھل خدا کے بارے میں چند انسانوں کا ہی کمال تھا کہ انہوں نے تمام علائق تمام خوش آئند مستقبلوں سے لاتعلق ہو کر دنیا کی تمام عیش وعشرت کو ٹھکرا کر صرف اور صرف تلاش حق اور حصول حق میں زندگی کا ایک ایک لمحہ گزارا کہ یہ پیرایہ حیات اختیار کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں تھی۔ پھر ایک بار یہ مقولہ دہراؤں گا کہ ''ہر کسے راہبر کارے ساختند۔'' کسی نے عمرانیات کو اپنایا۔ کسی نے تعمیرات کا فریضہ اپنے ذمے لیا۔ کسی نے موقلم سے خوبصورت خط کھینچے۔ کسی نے شعروادب کو شرف بخشا۔ کسی نے تجارت میں ایمانداری کی جوت جگائی، اپنی اپنی ولایت اپنا اپنا انداز ولایت۔ قرآن پاک کے مطابق حزب اللہ میں ایک ونگ اولیاء اللہ کا بھی ہے۔ وہ حقائق کا اجمال سامنے رکھتا ہے۔ تفصیلات میں نہیں جاتا۔ اصطلاحات خواہ شرعی امور کی ہوں یا فقہی امور کی ہم انسانوں نے وضع کی ہیں۔ اسی طرح کی ایک اصطلاح قلندر بھی ہے۔ اس کے سامنے آتے

ہی ہم سمجھ جاتے ہیں کہ یہ اللہ کا ولی کس پیرائیہ تصوف سے تعلق رکھتا ہے، جیسے قادریوں، چشتیوں، سہروردیوں، نقش بندیوں، شافیوں، سنیوں، مالکیوں، دیو بندیوں، اور بریلویوں کا الگ الگ تشخص ہے۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ان کا ذکر چونکہ قرآن میں نہیں آیا۔ لہٰذا سب باطل ہیں۔ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ قبلی ولی کامل تھے منزلوں کی ایک خاص بلند سطح پر فائز ہوئے لہٰذا قلندر کہلائے۔ چونکہ قلندر کا سفر تجرید و تفرید میں ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے عشق میں کسی کو حائل نہیں ہونے دیتا۔ جنگلوں صحراؤں میں بود و باش رکھتا ہے۔ کسی سے نہیں کہتا کہ میرے پاس آؤ کبھی کسی اخبار میں اشتہار نہیں دیتا کہ میں تمہاری حاجت روائی کروں گا۔ اسے تو اپنی کمائی سے فرصت نہیں ہوتی، وہ نہ کسی مالدار کی تجوری پر نظر رکھتا ہے نہ کسی کو خاطر میں ہی لاتا ہے۔ وہ ڈیرا بھی خلق خدا سے دور لگاتا ہے مگر خلق خدا ہے کہ بارہ بارہ میل کا پیدل پہاڑی سفر طے کر کے دیدۂ دل اس کے حضور پیش کر دیتے ہیں۔ وہ پتھر مارتا ہے۔ چھڑیاں مارتا ہے اور جب لوگ واپس نہیں لوٹتے دھرنا مار کر اس کے گرد بیٹھ جاتے ہیں، لوگوں کے سیاہ باطن اور برے اعمال اس کی نگاہ میں آتے ہیں اس کے عشق کی منزل کھوٹی ہوتی ہوئی نظر آتی ہے تو وہ گالیاں دیتا ہے۔ وہ ان حدوں سے دور نکل گیا ہوتا ہے کہ...... ''لوگ کیا کہیں گے!''

وہ اللہ کا ہوتا ہے، اللہ کے لیے ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کے تن کے تار تار میں، سانس کی ایک ایک آمد و شد میں اللہ ہی اللہ ہوتا ہے۔ سردی، گرمی، خزاں، بہار، ہر موسم اس پر بے اثر ہو جاتا ہے۔ اس کے جسم و روح پر ایک ہی موسم کھلتا ہے...... اللہ کا موسم...... یہ خانقاہیت نہیں یہ مردہ روحانیت نہیں، اس کا ایک ایک پل زندگی بخش ہوتا ہے۔ اس مقام کا لاکھوں حصہ تخلقو باخلاق اللّٰہ، کا مظہر بن کر لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ ان کی مشکلات میں مددگار ہوتا ہے کیونکہ یہ خود خلق خدا کی طلب ہوتی ہے۔ قلندر کسی سے کچھ نہیں چاہتا۔

فاتر العقل اور مفلوج ذہنوں سے تو واقعی کچھ حاصل نہیں ہو سکتا مگر یاد رکھیں لوگ اتنے بے وقوف نہیں ہوتے جتنا آپ انہیں سمجھتے ہیں۔ فی زمانہ کوئی کسی کے پاس ہرگز ہرگز نہیں

جاتا جسے کسی سے کچھ حاصل وصول نہ ہو۔ یہ خودغرض دنیا یہ چالبازیوں اور نوسر بازیوں میں آپ سے اور مجھ سے بڑھ کر عیار لوگ بڑی تحقیق کے بعد کسی روحانی آدمی تک پہنچتے ہیں۔ چونکہ کسی حد تک میں بھی آپ کی نظر میں قصور وار ہوں لوگوں کو چلے بتاتا ہوں، نقش دیتا ہوں، جادو وغیرہ کا توڑ کرتا ہوں تو یقین مانیئے۔ لوگ میرے پاس دس دس بیس بیس لوگوں سے رپورٹ لے کر پہنچتے ہیں بلکہ میرے سامنے بیٹھ کر دوسرے لوگوں سے سرگوشیوں میں پوچھ رہے ہوتے ہیں۔ یہاں آپ کا کوئی کام ہوا بھی ہے؟...... میں سنتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ آنجناب کس طرح لوگوں کو جاہل بے وقوف اور تجاہل وتغافل پسند قرار دیتے ہیں۔ محترم لوگ تو چار چھ روز بھی انتظار نہیں کرتے کام نہ ہو تو ان کے تیور بدل جاتے ہیں۔ زبان میں ادب کی بجائے ہلکی ہلکی گستاخی آنے لگتی ہے۔ لہٰذا اگر کسی فاتر العقل یا مفلوج ذہن کے گرد خلقتیں ٹوٹی پڑتی ہوں اور لوگ اس سے پیار اور ادب کا سلوک کرتے ہوں جسے آپ پوجا قرار دیتے ہیں تو یقین رکھیے کہ وہ کوئی صاحب تصرف ہے۔ آپ اپنے مشاہدے پہ نظر ثانی کیجئے۔

آپ سے کس نے کہا کہ حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عثمانؓ کا طریق عمل قابل تقلید نہیں؟ خدانخواستہ میں نے مذکورہ ہستیوں کے بارے میں ایسا کوئی لفظ بھی کہا ہوتا۔ ان ہستیوں کو جو خراج عقیدت اولیاء نے پیش کیا ہے شاید کسی نے نہ کیا ہو۔ حضرت عبدالقادرؒ جیلانی فرماتے ہیں۔ ہم صحابہؓ کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے اڑانے والی خاک کی برابری بھی نہیں کر سکتے۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ سلسلہ کی توبیخ و بن حضرت علیؓ المرتضیٰ کے در سے پھوٹتی ہے دراصل آپ یہ نہیں سمجھ پائے کہ قلندر کبھی اپنے اتباع کے لیے کوئی تبلیغی مشن قائم نہیں کرتا، وہ بھی سنت و شریعت نبی کا ہی پیروکار ہوتا ہے۔ بس اس کا طرز ولایت اس انداز کا نہیں ہوتا۔ وہ بھی دربار رسالت کا ہی فیضان یافتہ ہوتا ہے۔ اس کا انداز ان کا نہیں ہوتا۔ بس اس کا مسلک اصحاب صفہ جیسا ہوتا ہے کہ وہ لوگ کوئی کام کاروبار نہیں کرتے تھے یا دینی کاموں میں مصروف رہتے تھے یا عبادت میں مستغرق۔ ان کی تعداد تین چار سو کے قریب تھی اور یہ لوگ حضورؐ کے سامنے اپنے مسلک پر قائم تھے اور حضورؐ نے ان سے کوئی تعرض نہیں

کیا۔ اگر صحابہ کرامؓ ایک مزدور جتنی تنخواہ پاتے تھے تو ان کے اتباع میں بابا جی نے بھی ساری زندگی فقر و فاقہ میں گذاری۔ انہوں نے بھی محل تعمیر نہیں کیے۔ بلکہ کھلے آسمان تلے برفوں کے طوفانوں میں، شدید بارشوں میں چند پتھروں پر زندگی کا بیشتر حصہ گزار دیا۔

اب رہا یہ سوال کہ میں یا بابا جی یا کوئی اور روحانی بندہ پوری قوم کی تقدیر بدل دے تو عرض یہ ہے کہ ایسا تو انبیاء نے بھی نہیں کیا۔ کتنے انبیاء تھے جن کی امتوں نے ان کی بات نہ مانی۔ انہیں اذیتیں دیں حتیٰ کہ ان انبیاء نے اپنی امتوں کے لیے عذاب کی دعا کی۔ قرآن میں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ابتدا میں پریشانیاں اٹھانی پڑیں۔ مزاحمتوں نے کس کس طرح نہ ان کے حوصلوں کو آزمایا مگر ہمارے ایمان کے مطابق ہر تصرف رکھنے کے باوجود انہیں اسی لائحہ عمل کے مطابق اجتماعیت کا تزکیہ باطن کر کے اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھنا پڑی جو فطرت نے مقرر کیا تھا۔ سو کیا انبیاء کیا اولیاء افراد میں تو اس وقت (یعنی تصرف) کو استعمال کرنے کے مجاز ہوتے ہیں اقوام میں نہیں۔ بالکل ویسے جیسے سورۂ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک شخص ملتا ہے جسے قرآن حکیم میں ''اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندہ کہا گیا ہے کہ وہ ایک خاص روحانی ڈیوٹی پر متعین بندہ ہے۔ وہ بچوں کی کشتی بادشاہ سے بچانے کے لیے توڑ دیتا ہے۔ ایک بچے کو قتل کر دیتا ہے۔ ایک گرتی ہوئی دیوار بنا دیتا ہے۔ ذرا غور فرمائیں۔ یہ تنہا تنہا افراد کے لیے کام کر رہا ہے اور کوئی ایک واقعہ بھی قرآن و حدیث میں ایسا نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ کسی فرد نے اپنی روحانی قوت سے کسی پوری قوم کے دکھ درد دور کر دیئے ہوں۔ یہ بات اللہ کی سنت کے مطابق اسی انداز میں درست ہے کہ کسی قوم میں انقلابی روح پھونکی جائے۔ اسے درست انداز میں ایجوکیٹ کیا جائے۔ اس میں اجتماعی سطح پہ قلب و نظر کی تبدیلی لائی جائے۔ اس میں جذبہ قربانی اور اجتماعی سوچ پیدا کی جائے۔ لوگوں میں اپنی صحیح لیڈر شپ کو چننے کی صلاحیت پیدا ہو، اجتماعی تبدیلی تب ہی پیدا ہو سکتی ہے۔

حج میں ہر سال کشمیر فلسطین اور پورے عالم اسلام کے لیے دعائیں کی جاتی ہیں مگر ان

کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا البتہ انفرادی دعائیں قریب قریب سب کی پوری ہو جاتی ہیں۔ ہزاروں حج کرنے والوں سے پوچھئے میری بات کی تائید کریں گے۔ دراصل یہ کرکٹ میچ کی طرح ہے۔ جب بھی پاکستان میں کوئی میچ ہو تو یا علی اللہ اکبر، یارسول اللہ کے فلک شگاف نعروں کے باوجود اہم میچ ہار جاتے ہیں اور دوسرے ملکوں میں جا کر بغیر کسی نعرے کے ورلڈ کپ یا چمپیئن ٹرافی بھی لے آتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ اجتماعی مسئلہ ہوتا ہے۔ یہ دو ٹیموں میں میچ نہیں ہو رہا ہوتا۔ یہ دو قوموں کے مابین قوت کا مظاہرہ ہوتا ہے اور اقوام کے معاملے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں......اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ ...... مولانا ظفر علی خان کے اسی آیت کا ترجمہ کیا تھا۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے۔

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

کیونکہ ملتوں کا نظام اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور میرٹ پر رکھا ہے۔ یہاں کسی کی دعا کسی کا تصرف کام نہیں آتے۔ سو اس بات کو یاد رکھیں کہ روحانیت دو طرح کی ہے۔ ایک بندے اور اس کے اللہ کے مابین۔ دوسری بندے اور نظام حیات کے مابین۔ آپ کی مرضی ہے جسے اختیار کرلیں۔ جو لوگ بھی اللہ کے بندے ہیں جو صرف اور صرف اپنے آپ کو اللہ سے وابستہ کر لیتے ہیں۔ سو ان کا تصرف زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہوتا ہے مگر افراد کے لیے اجتماعی روحانی جذبے مل جل کر کام کرتے ہیں اور ایک ایسے معاشرے کی داغ بیل رکھتے ہیں۔ جس میں اللہ کی بادشاہی قائم کی جاسکے۔ ایسے لوگ دنیاوی طور پر بھی سربلند ہوتے ہیں، روحانی طور پر بھی سربلند جیسے خلفائے راشدین تھے۔ چونکہ یہ لوگ مادی وسائل سے مادے کی روحانیت کو مسخر کرتے

ہیں، لہٰذا انہیں زمین کا اقتدار بھی سونپ دیا جاتا ہے۔ اسی قبیل میں امام ابوحنیفہؒ اور امام حنبلؒ جیسی ہستیاں بھی آتی ہیں۔

ایک بات رہی جاتی ہے۔ اسے بھی لگے ہاتھوں دیکھ لیں۔ آپ کو سخت اعتراض ہے کہ میں ''آپ کے مسائل'' میں جو چلے یا وظیفے لکھتا ہوں تو گویا میں لوگوں کو ذکر وفکر میں مست کر رہا ہوں، یوں کلیسانہ ادا کو رائج کر رہا ہوں۔ عرض یہ ہے کہ یہ لوگوں کے ذاتی اور انفرادی مسائل ہیں اور تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ قرآن حکیم جہاں ایک عظیم انقلابی پیغام دینے والی کتاب ہے وہاں اس میں شفا بخشی کی قوت بھی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا...... وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ...... اور ہم قرآن میں سے مومنین کے لیے شفاء ورحمت اتارتے ہیں۔ اسی طرح فرمایا کہ میرے اسمائے حسنیٰ ہیں ان کے ذریعے مجھے پکارو اور میں تمہاری پکار کا بدل دوں گا۔ پھر عربی کا مقولہ ہے۔ التجربة اکبر برهان ...... تجربہ بہترین دلیل ہے...... ہم نے ان آیات واسماء کے طفیل ہزار ہا انسانوں کو شفا بخشی۔ سحر جادو کا توڑ کیا، سالہا سال سے مشکلات میں گھرے ہوئے لوگوں کو راحتیں بانٹیں۔ ہمارا تو ایمان اس سے طاقتور ہوتا ہے کہ واقعی جو کثیر جہتی قوتیں قرآن حکیم کی آیات میں ہیں جو حیرت انگیز اثرات انہیں خاص انداز میں پڑھنے سے مرتب ہوتے ہیں۔ وہ بہانگ دہل اعلان کرتے ہیں کہ یہ اللہ کا ہی کلام ہے، پھر اس کا اعلان بھی کرتے ہیں کہ جس کتاب کے ایک لفظ مدھا متن کی برکت سے انفرادی تقدیریں تک بدل جاتی ہیں، اس کے مطابق کسی معاشرے نے کوئی سچی قرآنی مملکت بنالی تو اس کی تاثیر سے کتنے بڑے معجزے ظہور میں آئیں گے۔

آپ نے کہا ہے کہ محمود الرحمان رپورٹ کیا تھی؟ مشرقی پاکستان کو ہم سے کس نے جدا کیا؟ سانحہ اوجڑی کیمپ، ہیروئن کا رواج معاشرے کو دینے والے لوگوں کو بے نقاب کیا جائے تو عرض ہے۔ یہ سب مسائل بھی اجتماعی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے بارے میں تو بہت معمولی سے روحانی لوگوں کو بھی پوری پوری معلومات ہوتی ہیں مگر

روحانیت میں اس کو منظر عام پر لانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اس سے بھی ایک قدم آگے کی بات کہوں، بڑی بڑی تبدیلیاں جو ممالک اور براعظموں میں آنے والی ہوتی ہیں۔ ہماری قبیل کے لوگوں کو بہت پہلے ان کا پتہ چل جاتا ہے مگر اس سلسلے میں تسلیم و رضا کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ بات کو اپنے تک ہی محدود رکھا جائے کسی وقت زبان پر لانے کی اجازت مل بھی جائے تو چند ایک افراد یا متعلقہ اشخاص کو بتا بھی دیتے ہیں۔ لوگوں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ان سلسلوں پر خود مستفید ہوں اور مادی وسائل سے ان کے حقائق تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

آخر میں عرض کردوں کہ سورۂ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعلق واقعہ میں مفسرین نے تو لکھا کہ حضرت موسیٰ کو ملنے والے حضرت خضر علیہ السلام تھے تو عرض یہ ہے کہ یہ شخصیت بھی سلسلۂ قلندری کی سرخیل ہے اور یہ قلندر وقت تھے۔ علاوہ ازیں حضرت سلیمانؑ کے دربار میں چشم زدن میں ملکہ بلقیس کا تخت لانے والے رجل صالح بھی قلندر وقت ہی تھے۔

روحانی محفل

الصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنام۔

۱۲ ربیع الاول کے روز صبح ۸ بجے سے ½ ۱۲ بجے دوپہر تک وقت ہے۔ غسل باوضو کر کے اپنے آگے ایک گلاس پانی رکھیں اور ۸ بجے سے ½ ۱۲ بجے تک مذکورہ درود شریف بلا تعداد پڑھیں دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیں۔ جی بھر کر اپنے ہر جائز کام کے لئے دعا کریں۔ ہم اپنے مرکز میں جب دعا کرتے ہیں تو کوئی پندرہ منٹ تک دعا ہوتی ہے۔ دعا کے بعد فی الفور وہ پانی پی لیں جو آپ نے سامنے رکھا ہوا تھا۔ انشاء اللہ آپ کی ہر جائز دعا پوری ہوگی۔(۷)

علامہ اقبال کی قبر اور شفاء

روحانیت جہاں افراد کے رگ و پے میں ایک بنیادی حقیقت بن کر دوڑ رہی ہے، وہاں اقوام کی زندگی میں بھی اس کے کرشمے اکثر و بیشتر نظر نواز ہوا کرتے ہیں۔ پہلی صدی ہجری کے حجازیوں میں روحانی اقدار کا ارتکاز کیسے کیسے حیرت ناک کارناموں کی صورت میں فلک لازوال نے دیکھا۔ تاریخ کے واقعات اس کی گواہی دیتے ہیں۔ دراصل اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان کامل اسی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے کہ پوری قوم کی قوم ایک ذہن سے سوچے، ایک مقصد (یعنی اللہ کی بادشاہی) کا ہدف نگاہوں میں رکھے اور خدائی طاقت بن کر یوں شیر وشکر ہو جائے کہ یک جان و بے شمار قالب کا محاورہ تخلیق کرنا پڑ جائے۔ اسی کو توحید خالص کہتے ہیں۔ صرف زبانی جمع خرچ تو نعوذ باللہ اس نظریے کا تمسخر اڑانے کے مصداق ہے۔ عمل ہی وہ پیمانہ ہے جس سے ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ کسی نظریے کی جڑیں ہمارے دل ونگاہ میں کہاں اور کتنی گہرائی تک پھیلی ہوئی ہیں۔

اس مختصر سی تشریح کا ایک قابل قدر مظاہرہ پچھلے دنوں پورے پاکستان میں روح و سکون بنا۔ مجھے کرکٹ سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رہی۔ ظاہر ہے پسند وناپسند کے پیمانے ہر فرد کی زندگی میں مختلف ہوا کرتے ہیں۔ سو ورلڈ کپ کرکٹ میچوں میں جب پاکستان ایک دو میچ ہار کر یکا یک اتنا نیچے چلا گیا کہ قوم کی قوم مایوسیوں کے اندھیروں میں ڈوب گئی تو مجھ سے روحانی طور پر وابستہ نوجوانوں اور میرے بچوں نے بہت چیخ و پکار کی کہ پاکستان کو اس طرح نہیں ہارنا چاہئے۔ میں نے زیادہ پرواہ نہ کی۔ میں اسے گیم سمجھ کر نظر انداز کرتا رہا پھر میرے حلقے کے ایک جوان نے ایک بڑی ہی دردناک بات کہی کہ صاحب، میرے دفتر کے بیشتر آفیسرز یہی نہیں کہ پاکستانی ٹیم کا مذاق اڑا رہے ہیں بلکہ

ایک دو تو یہ کہتے ہیں کہ بلاؤ اپنے خدا کو جس کے نام کے نعرے لگاتے ہوئے تم لوگ تھکتے نہیں، کیا مدد کرے گا وہ تمہاری، اسی خدا کے نام پر تم لوگوں نے پچاس سال پہلے پاکستان بنا کر ایک معاشرے کا معاشرہ درہم برہم کر دیا تھا، صدیوں سے بسے ہوئے محلے، گاؤں، بستیاں اور شہر تہ و بالا کر کے رکھ دیے تھے، کیا ملا تمہیں؟ اگر ہندوستان سے پاکستان الگ نہ ہوتا تو اتنی کمزور ٹیم تو نہ بنتی۔

کہنے والوں نے یہ بات خصوصی طور پر اس وقت کہی جب پاکستان ہندوستان سے ہار گیا تھا۔ میں نے اپنے حلقے کے نوجوانوں سے یہ بات سنی تو میرے قویٰ پر ایک دہشت ناک حملہ ہوا۔ کیا کھیل کے میدان میں ہار جیت کو افراد معاشرہ اس سطح پر لے جاتے ہیں؟ میرے جسم کا رواں رواں کھڑا ہو گیا اور میرے دل کی دھڑکن اس تیزی سے ابھری کہ میں قریب قریب نیم بے ہوشی کے عالم میں چلا گیا۔

اب میں ایک پاکستانی نہیں تھا بلکہ ایک ہندوستانی مسلمان تھا جو اس ملک کا سی "C" کلاس شہری تھا جس کی عزت آبرو، مال و منال، وقار، زندگی کا ہر سانس ہندوؤں کے رحم و کرم پر تھا۔ میں ایک کشمیری مسلمان تھا جو خاک و خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ میں یوپی، سی پی کا ایک تعلیم یافتہ کلمہ گو تھا جو سائیکل رکشا چلا چلا کر وقت سے کہیں پہلے بوڑھا ہو چکا تھا۔ میں امی ابو کہنا بھول گیا تھا اور ایک مسلمان ہوتے ہوئے ماتا پتا کا ورد کرتا تھا کہ مجھ سے میری زبان میرا کلچر میرے نظریات شدھی کی بے رحم تحریکوں نے چھین لیے تھے۔ فٹ پاتھوں پر سو سو کر میری ریڑھ کی ہڈی کے مہرے پتھریلے ہو چکے تھے اور اب میں اپنے بچوں کو بیچنے پر مجبور ہوا بیٹھا تھا۔

پھر ایک خوفناک جھٹکے سے میرے حواس میرے قابو میں آ گئے تو میں نے پہلی بار سوچا، میدان کوئی کیوں نہ ہو، میدان جنگ ہی ہوتا ہے کیونکہ میرے ہادیٔ برحق کا فرمان ہے کہ زندگی جہاد اکبر ہے۔

میں نے وہ رات اور اگلی تین راتیں یہی دعا کرتے کاٹ دیں......"اے قادر مطلق، یہ کھیل ہی سہی مگر پاکستان کو اس میں کامل کامیابی عطا فرما تا کہ یہ ملک جو تیرے نام پر بنا ہے ہمیشہ تیرا نشان بن کر زمین کے نقشے پر قائم و دائم رہے۔ اس کا ذرہ ذرہ مہکتا رہے، اس کا پتہ پتہ سرسبز و شاداب رہے، اس کا جھونکا جھونکا اپنے دوش پر خوشبوئے بہار لاد کر ذہنوں اور حواس کے شیشوں میں بھرتا رہے۔

مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ پاکستان جیت رہا ہے یا ہار رہا ہے۔ میرے وجود کا ریزہ ریزہ سراپا دعا بنا ہوا تھا اور میں اپنی چشم باطن سے ایک اور دلکش منظر دیکھ رہا تھا کہ اس انجمن میں تنہا میں ہی نہ تھا۔ وطن کا ہر گھر ہر گھر میں بسنے والا ہر ذہن عبادت گاہ بنا ہوا تھا۔ دل نہ تھے "المساجد للہ" کا اعلان بنے ہوئے تھے۔ ایک کھیل نے پوری قوم کو توحید خالص کا مظہر بنا رکھا تھا۔ ایسے میں نصرت الٰہی تمنا سے استحقاق بن جایا کرتی ہے اور ایسے میں عمران خان کی بجائے کچے کیلے کو بھی ٹیم کی سربراہی سونپ دی جائے تو فتح و کامرانی ٹیم کا نصیب ہوا کرتی ہے۔ یہ پوری قوم کی روحانی قوتوں کی فتح تھی۔ کون جانے اس لمحے کس گھر میں امیر یا غریب، صاحب ثروت یا کنگال، صاحب اقتدار یا مفلوک الحال، کسی تخصیص کے بغیر کسی ذات پات یا طبقے کے اختصاص سے ماوراء کسی کونے کھدرے میں دو چھوٹے ننھے منے ہاتھ بارگاہ ایزدی میں اٹھے ہوں تو تلی زبان سے کچھ نکلے ہوں اور خداوند ذوالجلال والمجد کو اتنے بھلے لگے ہوں کہ مخالف چلتی ہوئی ہوائیں اچانک نچلی اڑان سے بے بس عقاب کو اونچا اور اونچا اور اونچا اڑا لے گئی ہوں، اور کرکٹ کا سب سے بڑا اعزاز ہمارا بخت بن گیا ہو۔ یہ ان دو ننھے منے ہاتھوں کی فتح تھی۔

کون جانے کن چاندی جیسے بوڑھے بالوں کی چھتر چھالوں میں بے دانت کا پوپلا سا منہ ایک عجز کے عالم میں کھلا ہو اور اس کا نالہ باب قبول کو چیرتا ہوا عرش کو ہلا گیا ہو۔ دعا بھی نمبروں والا تالا ہوا کرتی ہے۔ ایک عدد کم لگے یا زیادہ مرادوں کا صندوق نہیں کھلتا۔ کون

جانے وہ آپ کی دعا تھی کہ میری جو قبول فرمائی گئی اور یہ معرکہ سر ہوا۔ مگر ایک بات اس سلسلے میں وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ پوری قوم کی روحانی طاقتوں کا ایک نقطے پر مرتکز ہونا اجابت کی حتمی دلیل ہے اور یہ پوری قوم کی روحانی قوتوں کی فتح عظیم تھی۔

کرکٹ کے میدان میں ورلڈ کپ تو حاصل ہوا مگر مجھے ایک تعین بھی دے گیا جس کا تذکرہ حضرت علامہ اقبالؒ نے کیا ہے اور کہا ہے...... ''ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی''...... ایک قوم جو کرکٹ کے میچ یا ایک کپ کے لیے اپنا تن من دھن اور روحانی خروش داؤ پہ لگا دے، اس کے سامنے کوئی کرکٹ ٹیم جیسا مخلص سیاسی گروہ کوئی بڑا مقصد رکھے تو یہ قوم کیا نہ کر گزرے گی۔

ہوائے درۂ خیبر ہے محو انتظار اب بھی
کہ آجائے کوئی رہموار دحشت پر سوار اب بھی

میرے دوست حسین شاد، شاعر، کہانی نویس، ڈرامہ نگار بائی پاس کے آپریشن سے گزرے تو ڈاکٹر سائرہ نے کہا...... ''شاد صاحب! اب ہم آپ کو آپریشن کے لیے بے ہوش کرنے لگے ہیں۔ آپریشن کے بعد آپ رات بھر اسی بے ہوشی کے عالم میں رہیں گے۔ کل صبح میں آ کر آپ کو جگاؤں گی، آپ میری آواز سنیں گے۔ جب آپ آواز سنیں تو گہری سانسیں لینے کی کوشش کریں جوں جوں آپ یہ کوشش کریں گے، آپ واپس آئیں گے شاد صاحب! یہ صرف اور صرف آپ پر ہے۔ ہم چاہتے ہیں آپ ہمارے پاس لوٹ آئیں مگر یہ تبھی ممکن ہے جب آپ چاہیں۔ یہ سب آپ کے ہاتھ میں ہوگا۔

ڈاکٹر سائرہ ایک تیقن، ایک عزم اور ایک روحانی قوت سے شاد کے ذہن میں اپنا پیغام اتار رہی تھیں۔ ان کا شفیق چہرہ اور اپنوں کی سی آواز شاد کے باطن میں زندہ رہنے کی آرزو کو ہزار توانائی سے بیدار کر رہی تھی۔ آخری جملہ جو بے ہوش ہونے سے پہلے شاد کو یاد رہا یہ تھا...... ''شاد صاحب! آپ کل صبح بیدار ہونے کے بعد تازہ شعر بھی سنائیں گے۔''

......پھر وہ حواس وادراک سے ماوراڈوبتا چلا گیا۔

کامیاب اپریشن کے بعد دوسری صبح ڈاکٹر سائرہ کی آواز سنائی دی...... "شاد صاحب! آپ نے وعدہ کیا تھا کہ میری آواز سنیں گے اور گہری سانسیں بھی لیں گے آپ وعدے کے مطابق ایسا کریں تب میں آکسیجن ہٹالوں گی۔"

شاد کو یہ آواز برسوں کی مسافت سے سنائی دی۔ اس آواز میں ایک روحانی عزم تھا۔ تحکم تھا۔ اپنائیت تھی مگر شاد اس آواز کے ملکوتی ردعمل میں کھویا ہوا تھا۔ اس نے سوچا کون کہتا ہے۔ یہ ڈاکٹر سائرہ ہے۔ یہ تو پاک نفس ولیہ ہے، جو اپنی مسیحائی سے مجھے زندہ رکھنا چاہتی ہے۔ میرے بیوی بچوں کے لیے، میرے عزیزوں کے لیے دوستوں کے لیے اور حسین شاد کے لیے۔ شاد نے اپنی تمام قوتیں مجتمع کر کے ایک گہری سانس لی۔ اسے دہرایا اور رفتہ رفتہ آکسیجن ہٹالی گئی۔ ڈاکٹر سائرہ سامنے کھڑی تھیں۔ ایک ملکوتی ہالا انہیں اپنی آغوش میں لیے ہوئے تھا۔ وہ مسکرا رہی تھیں اور وعدہ یاد دلا رہی تھیں کہ شاد آپ نے تازہ شعر سنانے کا بھی وعدہ کیا تھا۔ شاعر سے شعر سنانے کی فرمائش اسے زندگی بخشنے کے لیے کافی ہوتی ہے مگر سوچتا ہوں، ڈاکٹر سائرہ دن میں کتنی عبادت کرتی ہیں۔ کتنے کڑے مجاہدوں میں سے گزرتی ہیں، رب کی بارگاہ میں ان کا کیا مقام ہے، اور وہ کس روحانی مرتبے پہ فائز ہیں، کون جانے......

جس نے ایک انسان کو بچایا۔ اس نے پوری انسانیت کو بچالیا...... (حدیث پاک)

حسین شاد بخیر وعافیت ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے بچوں کے سر پہ تاابد سلامت رکھے۔

☆

چند ماہ پہلے "بتانِ عجم کے پجاری" کے عنوان سے ایک خط کا جواب دیا گیا تھا، پھر اسی انداز کا مختصر سا خط ایم اے جاوید صاحب نے برمنگھم انگلینڈ سے لکھا ہے۔ پہلے آپ خط پڑھ لیں...... پھر میرا جواب مطالعہ فرمائیں۔

روحانیت کیا ہے

روحانیت کیا ہے کے بارے میں مضامین کا جو سلسلہ شروع آپ نے کر رکھا ہے کہ چلو میں بیٹھ کر اپنے خیالات کو ایک نقطہ پر مرکوز کر کے قوت ارادی میں پختگی پیدا کرنا روحانیت ہے۔ اگر یہی روحانیت ہے تو یہ تو یورپ کے صلیبیوں میں بھی ہے۔ بلکہ یہاں تو خاص طور پر یہ عمل توجہ سے اثر پذیر حالت نوم پیدا کرنا یعنی (Hypnotism) کے ادارے کھول رکھے ہیں۔ اپنے خیالات کو ایک نقطہ پر مرکوز کرنے کی مشق سے قوت ارادی پختہ کر لینا پھر جن انسانوں کی قوت ارادی پختہ نہ ہو ان کی قوت ارادی کو کنٹرول کر کے انہیں وہ چیزیں دکھانا جو اصل میں وہ نہ ہوں۔ یعنی دوسروں کو فریب نگاہ میں مبتلا کرنا۔ اس کے تو عام یہاں ٹیلیویژن پر مظاہرے ہوتے رہتے ہیں۔ ان کو تو یہاں کوئی پیر یا اولیاء اللہ نہیں مانتا اور نہ ہی ان قومی مظاہرات کو کوئی کرامات کہتا ہے۔ اگر یہی روحانیت ہے۔ تو اسلام سے تو اس کا کوئی تعلق نہ ہوا۔ تو پھر محترم صاحب یہ سر پھول کس لئے کر رہے ہیں۔ یہ خالص تصوف کی چیز ہے جو عیسائیوں اور یہودیوں نے ایک سازش کے ذریعہ مسلمانوں میں داخل کر دی ہے۔ تا کہ ستاروں پر کمندیں ڈالنے والی قوم بے کار و نکمی ہو جائے اور بساط زندگی میں اسکے سب مہرے مات ہو جائیں۔ ہندوستان میں جن لوگوں کو اولیاء اللہ کہا جاتا ہے اسی تصوف کے حاملان تھے۔ اسلام سے تصوف کا کوئی تعلق نہیں۔ بقول علامہ اقبال۔ تصوف اسلام کی سرزمین میں ایک اجنبی پودا ہے۔ اس لئے تمدن تصوف شریعت کلام۔ بتان عجم کے پجاری تمام۔ دراصل دشمنان اسلام نے قرآنی قوت سے خائف ہو کر مسلمان علماء کے بھیس میں بذریعہ اپنے علماء قرآنی حکومت کے دین اسلام کو پوجا پاٹ کے مذہب میں تبدیل کر دیا۔ اور اوپر سے مسلک گوسفندی تصوف کی ایسی ملمع سازی کی کہ مسلمانوں کو بھیڑ بکریاں بنا کے رکھ دیا کہ کوئی جدھر کو چاہے ان کو ہانک لے۔ جیسے اب صلیبی ان کو ہانک رہے ہیں۔

انسان دو اشیاء سے مرکب ہے۔ مادی جسم جو مختلف معدنی اشیاء کا مجموعہ ہے۔ دوسری ہے اس کی ذات (نفس) جسم کی نشو و نما کیلئے مادی خوراک کی ضرورت ہے۔ اور ذات کی

نشوونما کیلئے غیر مادی خوراک کی ضرورت ہے۔ نشوونما یافتہ جسم اس دنیا کیلئے ضروری ہے اور نشوونما یافتہ ذات موت کے بعد کی زندگی کیلئے ضروری ہے تا کہ وہ اپنا ارتقاء جاری رکھ سکے۔ جسم کی نشوونما مادی خوراک لینے سے ہوتی ہے اور ذات کی نشوونما مادی خوراک دوسرے ضرورتمندوں کو دینے سے ہوتی ہے کیونکہ اس سے ذات کو غیر مادی خوراک ملتی ہے۔ ان دونوں ضرورتوں کا انتظام صرف قرآنی حکومت کے نظام اسلام کا معاشی نظام کرتا ہے جو الصلوٰۃ والزکوٰۃ کے دوستونوں پر استوار ہوتا ہے اور اسکی بنیاد اجتماعی طور پر دینے پر مستحکم ہوتی ہے۔ جس سے دنیا میں انسانی ذات نشوونما پا جاتی ہے۔ یہ ہے روحانیت اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگ ہو جانا۔ یعنی قرآنی حکومت کے طرز زندگی نظام اسلام کے اتباع میں حد بشریت میں اللہ تعالیٰ کی صفات پیدا کر لینا اور ذات کو نشوونما یافتہ بنالینا۔ اسے کہتے ہیں روحانیت اسی کیلئے پاکستان قرآنی حکومت کے نفاذ کے لئے حاصل کیا تھا۔ یہ تصوف کے چلوں کے ذریعہ نفس کو مارنا روحانیت کی ضد ہے۔ اس سے روحانیت کمزور ہوتی ہے اور انسانی مقصد ذات یا روحانیت کی نشوونما کرنا ہے۔ جو صرف قرآنی حکومت کے اتباع میں زندگی بسر کرنے سے ہی ہوسکتی ہے۔ یہ خود فریبی میں روحانیت کے نام سے تصوف کے چلو میں ٹکریں مارنا کا یہ فضول است۔ ایم۔ اے جاوید برمنگھم۔ انگلینڈ

❁

جواباً عرض ہے کہ یہ خط بھی محترم پرویز صاحب کے نظریات سے کشید کیا گیا ہے۔ جملے تک وہی ہیں جو پرویز صاحب نے اپنی کتاب ''تصوف کی حقیقت'' میں لکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں علامہ اقبالؒ کا ایک شعر اور ایک جملہ دلیل کے طور پر بار بار رقم کیے جاتے ہیں۔

جملہ ہے:

''تصوف اسلام کی سرزمین میں ایک اجنبی پودا ہے۔''

اور شعر ہے۔

تمدن، تصوف، شریعت کلام
بتان عجم کے پجاری تمام

پرویز صاحب نے اپنی کتاب ''تصوف کی حقیقت'' میں اس جملے کو بھی دہرایا ہے اور شعر کو بھی کوٹ کیا ہے مگر اسی کتاب کا حصہ دوم ''اقبال اور تصوف'' کے نام سے تحریر کیا ہے جو میرے نزدیک بے حد دقیع مقالہ ہے، بلکہ مقالہ کی بجائے اسے مرثیہ کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ پرویز صاحب قرآن فہمی اور اسلام فہمی میں اپنے آپ کو علامہ اقبالؒ کا شاگرد گردانتے تھے چونکہ میرا پرویز صاحب سے بڑا قریبی اٹھنا بیٹھنا رہا ہے۔لہٰذا وہ اکثر اس پر فخر کیا کرتے تھے کہ علامہ ان کے استاد ہیں اور انہیں علامہ کی صحبتوں سے بدرجہ اتم فیض یاب ہونے کا موقع ملا ہے۔ پرویز صاحب یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اقبالؒ اپنے اشعار اور نثر بہت کم منظر عام پر آئے ،اگر ان کے ارشادات پورے کے پورے صفحہ قرطاس پر منتقل ہو جاتے ہیں جو ان کی عام محفلوں میں بات چیت کے دوران سمندر کی جولانیوں کی صورت سرزد ہوتے تھے تو زمین کے فلسفوں میں ایک انقلاب برپا ہو جاتا۔ان سمندروں کے کچھ ہی موتی لوگوں کے ہاتھ لگے جو آج ان کی مختلف تالیفات میں محفوظ ہیں۔

اس عظیم خراج تحسین کے بعد پرویز صاحب کے لیے یہ بات بے حد سوہان روح تھی کہ علامہ آخرالامر متصوف بن گئے اور چھتری والے بابوں کے پاس اٹھتے بیٹھتے رہے۔علامہ صاحب سے زبانی شکوے کے دوران وہ بہت سے ایسے واقعات بھی بیان کیا کرتے تھے جو انہوں نے خود دیکھے۔ یہ پرویز صاحب کی محتاط فطرت کا تقاضا تھا کہ انہوں نے تصوف کی حقیقت میں علامہ اقبال صاحب کے بارے میں اپنے مشاہدات کو جگہ نہیں دی بلکہ ''روزگار فقیر'' اور دوسری کتاب کے حوالے سے علامہ اقبالؒ کے متصوفانہ خیالات کا اظہار کیا۔ پرویز صاحب نے تصوف کی حقیقت میں علامہ اقبالؒ کی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ ابتداء سے ۱۹۱۳ء تک تصوف کی فضا سے متاثر ہوئے۔

۲۔ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۷ء تک تصوف کے خلاف بلکہ بیزار ہوئے۔

۳۔ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۸ء تا وفات پھر تصوف کے حق میں رہے۔

''ابتداء سے ۱۹۱۳ء تک تصوف کی فضا سے متاثر ہوئے'' اس سے مراد یہ ہے کہ خود علامہ صاحب کے والد محترم ایک باکمال صوفی تھے، زندہ دور میں ان کی روحانی قوتوں پر بہت کچھ لکھا گیا ہے...... سو پرویز صاحب کا کہنا ہے کہ علامہ صاحب ان تمام دیگر دانشوروں کی طرح آخری عمر میں اس حادثے کا شکار ہوئے یا جو ماہرین نفسیات کی تحقیق کے مطابق نفس غیر شعوریہ کی تہوں میں چھپے ہوئے بچپن کی تعلیم و تربیت کے اثرات کے تحت پھر سر ابھار لیتے ہیں اور جن کا ہر نابغہ شکار ہوتا ہے۔ پرویز صاحب کے خیال میں علامہ اقبالؒ کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ ان کا بچپن تصوف کی بھرپور فضاؤں میں گزرا۔ مگر جب وہ یورپ میں بغرض تعلیم گئے تو آزادانہ مطالعہ سے یہ اثر زائل ہو گیا، لہٰذا وہ ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۴ء تک درست سوچ رکھنے لگے اور اس کا اظہار بھی انہوں نے بڑی شدومد سے کیا، مگر پھر پرانے اثرات نے رنگ پکڑنا شروع کر دیا۔ نتیجتاً عمر کے آخری حصے میں جب ان کے جذبات میں شدت پیدا ہوئی اور قویٰ میں اضمحلال تو تصوف کے اثرات غالب آگئے۔

تصوف کی حقیقت کا ایک باب تو بڑا ہی دقیع ہے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کا کچھ حصہ قارئین کے مطالعے کے لیے ضرور دیا جائے۔

''یہ تو خیر پھر مشرق ہے جہاں رہبانیت عام ہے مغرب کے بڑے بڑے فلاسفروں اور سائنسدانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ عمر کے آخری حصے میں خانقاہوں اور خلوت کدوں میں سکون کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔

۱۔ ایڈنگٹن طبیعات کا پروفیسر اور طبیعی کائنات کا محقق ہے۔ ''نیچر آف دی فزیکل ورلڈ'' اپنی سائنسی تحقیقات پیش کرتا ہے مگر آخری باب روحانیات پہ لکھتا ہے کہ رموز کائنات معلوم کرنے کے لئے ایک یہی درست ذریعہ ہے۔

۲۔ سر جیمز جینسن بلند پایہ عالم ریاضیات ہے۔ وہ ریاضی کے اصول و مسلمات دریافت کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ اصول قلب انسانی کے دریافت کردہ ہیں اور

خارجی کائنات ہمارے قلب کا ہی ایک پرتو ہے۔ یہاں ہمارا ریاضی دان ریاضیات سے نکل کر باطنیت کی وادیوں میں جا پہنچا ہے۔

۳۔ برگساں جیسا زبردست مفکر اور دانشور اپنی آخری تصنیف "دی ٹو سورسز آف موریلٹی اینڈ ریلیجن" میں خالص باطنی دعوت پر لکھتا ہے۔

۴۔ مشہور روسی ریاضی دان اوس پنسکی ریاضی دان ہوتے ہوئے آخرکار گرجیف جیسے یونانی باطن پرست کے آشرم میں جا پہنچتا ہے۔

۵۔ برٹرینڈ رسل جو مذہب سے تو سخت متنفر ہے مگر اپنی آخری عمر میں کہتا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے فلاسفروں نے سائنس اور باطنیت کی ضرورت کو تسلیم کرلیا ہے۔ عقل صرف ہم آہنگی پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ تخلیقی قوت نہیں ہے۔ خالص منطقی دنیا میں بھی انسان کا وجدان ہی سب سے پہلے نئی حقیقت تک پہنچتا ہے۔ اس نے ان خیالات کا اظہار Essayoh Hysticism & Logic میں کیا ہے۔

۶۔ V.H. Mottram نے اپنی تصنیف میں The physical Basib of Personality میں لکھا ہے کہ انسانی مصائب کا حل اور حقیقت کا علم، باطنیت کی رو ہی سے مل سکتا ہے۔ اس نے اپنی کتاب میں یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ سر چارلس شیر نگٹن جیسا سائنسدان بھی روحانیت نواز تھا۔

۷۔ پروفیسر جود بھی آخری عمر میں مراقبہ میں بیٹھا ہوا ملتا ہے۔

یہ اقتباس اور بھی بہت سی مثالیں پیش کرتا ہے۔ میں اسی پہ اکتفا کرتا ہوں کہ جو دکھانا مقصود تھا وہ سامنے آگیا ہے کہ پرویز صاحب کے مطابق یہ سارے دانشور اور سائنسدان سخت غلطی پر تھے جو ساری زندگی تو مادیت سے وابستہ رہے مگر آخرالامر روحانیت کے آگے گھٹنے ٹیک گئے۔ پرویز صاحب اور ان کے شاگردان رشید کے لیے یہ بات سخت حیرت کا باعث ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ آخر علامہ اقبالؒ اور یہ تمام مذکورین عقل کے رموز اسرار کی گتھیاں سلجھاتے سلجھاتے صاحب جنوں کیوں ہوگئے؟ تو عرض یہ ہے کہ ہم سب جو تھوڑی

بہت عقل کے مالک ہیں اپنے اندر تلاش حق کا جذبہ اور اپنے باہر کائنات کی کھلی کتاب کا کم یا زیادہ گہرا مشاہدہ رکھتے ہیں۔ ہمیں کسی نہ کسی منطقی یا غیر منطقی نتیجے تک پہنچنا ہی ہوتا ہے۔ نظریات ہر آنے والے روز بدلتے اور یکسر بدلتے رہتے ہیں۔ ماہرین علم النفس کل کچھ کہتے تھے۔ آج کچھ کہتے ہیں۔ سائنسی فارمولے جو سب سے زیادہ حقائق پر مبنی ہوتے ہیں، پچھلے سو سال میں بار ہا بدل کر کچھ سے کچھ ہو چکے ہیں، تو پھر سچ کیا ہے؟...... وہی جو ہزار ہا سال سے ایک ہی نہج پہ چل رہا ہے۔ جس میں بنیادی سبب اور علت تو ایک ہی رہتے ہیں۔ اوپر کی عمارت میں قطع و برید ہوتی رہتی ہے۔ میری مراد اس جملے سے یہ ہے کہ تصوف وہ حقیقت ہے جو ہزاروں سال پہلے بھی زمین پر موجود تھی۔ ہزاروں سال بعد بھی ہے۔ بیشتر اہل دانش ہزار چھان پھٹک کے بعد ایک ہی وجدانی نقطے پر پہنچتے ہیں۔ ایک ہی فیصلہ یعنی روحانیت ہی آخری ہدف ہے کو درست پاتے ہیں تو پھر حقیقت وہ ہے، نہ کہ ایک شخص کی ہٹ دھرمی کہ بس میں نے اس نظریے کو نہیں ماننا۔

خود پرویز صاحب کا بچپن اور لڑکپن متصوفانہ مجاہدوں، مراقبوں اور زاویہ نشینوں میں گزرا۔ اس کا خاصا مفصل حال انہوں نے تصوف کی حقیقت کے ابتدائیہ میں لکھا ہے، مگر حیرت ہے کہ آخر عمر میں بچپن کے ان خیالات نے نہ صرف یہ کہ ان کی زندگی میں دوبارہ سر نہیں ابھارا بلکہ دن بدن انہیں اپنے تصوف مخالف نظریات میں پختہ تر کیا، سو یہ کلیہ قائم کرنا کہ اقبال علیہ الرحمۃ کے ذہن میں بچپن کے احوال نے سر ابھار کر انہیں تصوف کا حامی بنا دیا تھا، درست دعویٰ معلوم نہیں ہوتا۔ اقبال واضح طور پر ایک متصوف تھے۔ ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۷ء تک جس تصوف کے وہ مخالف تھے اس کے مخالف زندگی کے آخری لمحے تک رہے۔ اس بات کو پھیلانا چاہیں تو کئی جلدوں تک پھیل سکتی ہے مگر اس مختصر مضمون میں اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہمہ از اوست کے ایک ایسے پیرائے کے قائل تھے، جو انہیں من و عن گزشتہ ادوار سے وضع کردہ منظور نہ تھا بلکہ اپنے انداز سے وہ زندگی کے آخری لمحے تک اسے مانتے رہے۔ اقبال اس روحانیت کے قائل تھے جو قرآنی اقدار کے مطابق زندگی کی رواں دواں

کیفیتوں کی آئینہ دار ہوتی ہے بندے کو مٹنے کا وہ سبق نہیں دیتی جو فلسفہ ویدانت نے دیا ہے کہ اپنے آپ کو بھنگ، چرس، افیون اور دوسرے نشوں کی سرنگ میں ڈبو کر مٹا دو۔ اسی فلسفے کو ہم بھی ان صفحوں میں بیان کرتے ہیں۔

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ ولی کامل تھے۔ روحانی صاحب مقام حضرات ان کا روحانی درجہ ''عاشق رسول ﷺ'' کا قائم کرتے ہیں۔ کتب میں ان کی روحانی کیفیات جا بجا ملتی ہے۔ ''اقبال درون خانہ'' میں خالد نظر صوفی لکھتے ہیں کہ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے پروفیسر ڈاکٹر عبدالحمید کی شادی کو بارہ تیرہ سال ہو گئے تھے۔ علامہ اقبال سے دعا کی درخواست کی۔ اقبالؒ نے دعا کی۔ نو دس ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر عبدالحمید کو بیٹا عطا فرمایا۔ ڈاکٹر عبدالحمید فی الفور علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کو بتانے گئے۔ علامہ صاحب نے کچھ بتانے سے پہلے ڈاکٹر عبدالحمید کو بیٹے کی مبارکباد دی اور کہا کہ بچے کا نام مسیح الاسلام رکھنا، اسے ڈاکٹر بنانا اور قرآن شریف حفظ کرانا...... گویا علامہ صاحب کو پہلے سے اس کا علم تھا۔ پھر علامہ صاحب وفات پا گئے...... یہ بچہ چھ سات برس کی عمر میں بیمار ہوا، ڈاکٹر عبدالحمید ان دنوں وزیر آباد ہسپتال میں متعین تھے، دوائیں بے اثر ہوئیں۔ بچے کی زندگی کی کوئی امید نہ رہی تو ڈاکٹر صاحب کی بیگم نے کہا کہ میں اپنے بچے کو علامہ اقبالؒ کے مرقد پر لے جانا چاہتی ہوں۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے لفظوں میں باقی بات ملاحظہ فرمائیں۔

''میری بیوی حضرت علامہؒ کے مرقد پہ رو رو کر اس طرح التجائیں کرتی رہیں۔ جیسے اپنے سامنے موجود کسی شخص سے محو گفتگو ہو۔ تھوڑی دیر بعد وہ بولی کہ حضرت علامہ نے کہا ہے کہ ہمارا بیٹا انشاء اللہ تندرست ہو جائے گا۔ اس کے بعد میری بیوی نے حکیم الامت کی قبر سے تھوڑی سی مٹی لی اور پانی میں گھول کر بچے کو پلا دی، ہم نے تھوڑی سی مٹی اور لی (ان دنوں مزار اقبال ابھی پختہ نہیں بنا تھا) اور واپس وزیر آباد روانہ ہو گئے۔ میری بیوی یہ مٹی پانی میں گھول گھول کر بچے کو پلاتی رہی خدا کے فضل سے بچہ وزیر آباد پہنچتے پہنچتے ٹھیک ہو گیا۔''

یہ بات مدنظر رکھنے والی ہے کہ بیان کرنے والا پروفیسر ڈاکٹر ہے اور بچہ چھ سات سال کا ہے اسے علامہ اقبالؒ کی کرامت ہی کہا جائے گا۔ بقایا خط کا جواب آگے ملاحظہ فرمائیے۔تا کہ میں بہت سی باتیں کھل کر کہہ سکوں۔

محترم قارئین! قبر پر رونا اور مٹی اٹھانے کا عمل ایک شخص کا عمل تو ہو سکتا ہے شریعت میں اسکی گنجائش نہیں۔

روحانی محفل

معمول کے مطابق جمعہ کے روز صبح ۹ بجے سے ½11 بجے تک حسب ذیل وظیفہ پڑھا جائے گا۔

۱۔ پہلے ایک تسبیح درود شریف کی پڑھ لیں۔

۲۔ پھر یَا سَمِیعُ الدُّعَا یَا مُجِیبُ الدَّعْوَاتِ۔

یعنی اے دعاؤں کے سننے والے اے دعاؤں کو قبول کرنے والے، بلا تعداد پڑھیں۔

ایک گلاس پاک صاف پانی سامنے رکھیں۔ پورے ساڑھے گیارہ بجے دعا کے لئے ہاتھ اٹھالیں جی کھول کر دعا مانگیں، یادرکھیں یہ دو کلمات جو آپ نے پڑھنے ہیں اتنے طاقتور ہیں کہ ان کو مسلسل پڑھنے والے کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی...... انشاءاللہ العزیز اپ کی دعائیں بھی رد نہ ہوں گی۔(۸)

روحانیت اور تصور

انسان اشرف المخلوقات ہے۔اس کا اعلان خود خالق کائنات نے فرمایا......اس میں کوئی شک بھی نہیں......فرشتہ اقرار تام کی علامت ہے جن ایک ایسی محدود مخلوق کا نام ہے جو آج تک متنازعہ فیہ ہے۔کوئی اسے الگ غیر مرئی مخلوق مانتا ہے تو کوئی اسے انسانوں میں سے ہی صحرائی یا دیہاتی مخلوق گردانتا ہے۔نباتات جمادات، حیوانات، درندے، چرندے، پرندے کسی قسم کی گرفت یا باز پرس کے دائرے سے خارج ہیں۔رہ گیا انسان تو اس میں جو کچھ فطرت نے رکھا اس کی تشریح ایک عربی اقتباس میں نہایت فاضلانہ انداز میں بیان کی گئی ہے۔اس کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

> ''اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا، عقل کے ساتھ مگر شہوات کے بغیر۔حیوانات کو پیدا فرمایا، بغیر عقل کے اور شہوات کے ساتھ، اور بنی نوع انسان کو پیدا فرمایا۔عقل اور شہوات دونوں کے ساتھ۔سو اب اگر انسان کی عقل اس کی شہوات پر غالب ہو جائے تو وہ فرشتہ ہے اور اگر اس کی شہوات اس کی عقل پہ غالب آجائیں تو وہ حیوان ہے۔''

بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو تجزیے کی صلاحیت، اچھائی برائی کی پہچان، نیک و بد کا اختیار دیا اور جا و بے جا کی تمیز عطا فرمائی۔اس خوبی میں اگر کسی مخلوق کی شمولیت انسان کے ساتھ ہے تو وہ جن ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا......وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ......یعنی ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔میں اس سے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اس آیت مبارکہ کے مطابق دو ہی مخلوقیں ایسی ہیں جو مکلف ہیں یعنی اپنے گناہ ثواب کی ذمے دار ہیں۔اس بارے میں جنات کیسے؟ کن حالات میں؟ کس انداز میں مکلف ہیں؟ ہم اس بات کو نظر انداز کرتے ہین کیونکہ فی الحال

یہ بات بھی خالق کائنات اور احادیث کے مطابق واضح اور اٹل ہے کہ ان دو مکلف مخلوقات میں سے انسان افضل ہے ویسے بھی یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ ہمارے علم و یقین کے مطابق تمام انبیاء علیہم السلام نوع انسانی میں سے تھے۔ جنات میں سے کسی نبی مکرم کا ہونا، کہیں بھی ثابت نہیں ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات کیوں ہے؟ ایسی کون سی خوبی اس میں ہے کہ اسے دوسری مخلوقات سے افضل گردانا گیا؟...... اس سوال کے دو جواب ہیں...... ایک روحانی دوسرا دنیاوی...... دنیاوی نقطہ نظر سے انسانی جسم سب سے خوبصورت بھی نظر آتا ہے اور سب سے کارآمد ساخت بھی رکھتا ہے علم حیاتیات ہمیں یہی بتاتا ہے عقل و شعور اور تحقیق و تجسس کا جو ملکہ اسے عطا کیا گیا کسی اور مخلوق کو فراہم نہیں کیا گیا۔ انسان کو یہ شرف حاصل ہے کہ ذرے سے خورشید تک پتھر سے ہیرے تک نباتات سے جمادات تک، رینگتے ہوئے کیڑے سے فرشتے تک ہر روپ اپنی ذات میں رکھتا ہے۔ اس کا باطن سورج کی مانند ہے۔ جسم چاند کی طرح نباتات کی صورت خود پروان چڑھتا ہے اور سبزے کی طرح اس کے جسم پر بال اگتے ہیں۔ جمادات کی طرح ڈٹ جائے تو بڑے بڑے پہاڑوں سے زیادہ ثابت قدم ثابت ہوتا ہے۔ جب چاہے حیوان بن جائے۔ درندہ بن جائے یا فرشتہ حسن سیرت اور بدفطرتی میں اسے یہ کمال حاصل ہے۔

چونکہ انسان کتب سماوی کے مطابق اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ آخری مخلوق ہے۔ لہٰذا انسان سے پہلے کی تمام مخلوقات کا کل انسانی وجود میں رکھا گیا ہے یا دوسرے لفظوں میں شاید انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جو ہر دوسری مخلوق کے پیرائے کو اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس کے باطن سے آگاہ ہوسکتا ہے اس کی حقیقی ماہیئت کو پاسکتا ہے، پاتال کے اندھیروں سے افلاک کی وسعتوں تک سفر کرسکتا ہے اس سے زیادہ فطین صاحب ادراک اور پراسرار مخلوق اللہ جل شانہ نے اور کوئی نہیں بنائی۔

یہ تو تھیں ظاہریت میں نظر آنے والی انسانی صلاحیتیں جن کا اظہار آئے دن بنی نوع انسان دنیا کے اطراف میں کرتا رہتا ہے۔ یہ بہت طویل موضوع ہے اس پر بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں بے شمار تحقیقات صفحۂ قرطاس پر موجود ہیں مگر ابھی تک بڑے بڑے صاحب علم لوگوں نے آخر کار انسان کے بارے میں اپنی معذوری کا ہی اظہار کیا ہے اس لیے کہ انسان کے بارے میں خود انسانی معلومات آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ صاحب بصیرت لوگوں نے جو انسان کو عالم اصغر قرار دیا ہے تو یہ غلط نہیں۔ افسوس ان صفحات میں اتنی گنجائش نہیں ہوتی کہ ہم انسان کے بارے میں ہونے والی تحقیقات کی مبسوط تشریح کریں۔ جتنا کچھ یہاں پیش کیا جا سکتا ہے وہ ہم پیش کرتے ہیں۔

اب انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا روحانی پہلو لیتے ہیں، اس سلسلے میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ انسانی جسم اپنی مادی کیفیات میں جتنی مشینیں آج تک دنیا میں ایجاد کی گئی ہیں اور جتنی روز نشور تک کی جائیں گی، سب کا مجموعہ انسانی طبیعات ہے...... یہ بات قارئین کے لیے تو مفروضہ ہو سکتی ہے۔ مگر روحانی فضاؤں میں طیر سیر کرنے والوں کے لیے کوئی عجوبہ بات نہیں ہے، کیونکہ علوم روحانیات کی مشقیں سنجیدگی سے کرنے والے خوب جانتے ہیں کہ انسانی جسم میں ایک زبردست مائیکرو ویو سسٹم بھی لگا ہوا ہے۔ اس میں زمین کے تیز سے تیز طیارے کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کی صلاحیت بھی ہے۔ اس میں ٹیلیویژن بھی لگا ہے۔ ریڈیو ریسونگ سیٹ بھی ہے، تھرمامیٹر بھی کلاک بھی، وغیرہ وغیرہ۔

نیویارک میں ایک ڈاکٹر نے اپنے بچے کو ہپناٹائز کیا۔ بچہ تنویمی عمل کے دوران کہنے لگا...... ''ڈیڈی، میں آپ کے جسم کے آر پار دیکھ سکتا ہوں''...... پھر یہ بچہ مدتوں بطور ایکسریز مشین کے کام کرتا رہا۔ نیویارک ٹائمز نے اپنے رپورٹر بھیج کر اس کی تصدیق بھی کرائی۔ انسان مشینوں کے ذریعے پودوں سے باتیں کر چکا ہے۔ ان سے شجر کاری کے اسراری طریقے بھی سیکھ چکا ہے۔ مگر ایسی ہی ایک مشین ہمارے اندر بھی لگی ہوئی ہے، کہا جاتا ہے کہ جب آپ کا کوئی محبوب کردار کسی دور دراز علاقے میں کسی حادثے سے دوچار ہو جاتا ہے، یا

آپ کو شدت سے یاد کرتا ہے تو اس کا کردار نزدیکی درخت آپ کے نزدیکی درخت کو اطلاع دیتا ہے، پھر یہ درخت آپ تک اس خبر کو پہنچاتا ہے۔ آپ اسے وصول تو کرتے ہیں مگر آپ کا سسٹم ٹیونڈ نہیں ہوتا۔ لہٰذا آپ سوچتے ہیں کہ کچھ ہوا ضرور ہے مگر معلوم نہیں کیا ہوا ہے۔ اگر آپ کے چینل درست ہوں تو یقیناً آپ اس پیغام کو حرف بحرف وصول کر سکتے ہیں۔

میں آپ کو ایک دلچسپ، عجیب اور قابل غور بات سناتا ہوں۔ آسٹریلیا کے صحرائی علاقوں میں حبشی رہتے ہیں جنہیں (Aborigins) کہا جاتا ہے۔ ان کا کوئی ایک ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ کنبوں کی صورت میں جانوروں کی طرح پانی اور خوراک کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں۔ کیڑوں مکوڑوں اور چیونٹیوں تک کو یہ لوگ کھاتے ہیں۔ یہ شکل وصورت اور جسم کی ساخت سے انسان ہی ہیں لیکن ان کا رہن سہن اور عادات واطوار حیوانوں جیسے ہیں۔ وہ زمین پر رہتے ہیں اور آسمان ان کی چھت ہے۔ ان کا لباس ان کے جسم کی کھال ہے۔ وہ کوئی کپڑا نہیں پہنتے۔

چند سال پہلے سائنسدانوں کی ایک ٹیم نے ان حبشیوں کے پاس جا کر ان کی طرز زیست وغیرہ کا عملی مطالعہ کرنے کے لئے کچھ عرصہ صرف کیا اور ان کی ایک حیران کن طاقت کا انکشاف ہوا۔ وہ یہ کہ ایک قبیلے کے مختلف کنبے ایک دوسرے سے میلوں دور گھوم پھر رہے ہوں اور کسی کنبے کا کوئی فرد مر جائے یا مر رہا ہو تو تمام کنبوں کو پتہ چل جاتا ہے اور وہ اس کنبے کی طرف چل پڑتے ہیں۔ انہیں یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ وہ کنبہ کہاں ہے۔

سائنسدانوں نے یہ راز معلوم کرنے کی بہت کوشش کی لیکن یہ حبشی خود بھی بیان نہ کر سکے کہ انہیں کس طرح پیغام پہنچ جاتا ہے۔ وہ صرف محسوس کرتے ہیں یا انہیں خیال سا آتا ہے کہ فلاں کنبے میں کوئی مر گیا ہے۔ ایک بوڑھے حبشی نے بتایا کہ ان کا کوئی آدمی اپنے دور دراز گئے ہوئے کنبوں کو ذہن میں لاتا اور دل ہی دل میں کہتا ہے کہ فلاں مر گیا ہے سب آ جاتے ہیں۔

سائنسدانوں کی اس ٹیم نے تجربات کیے۔ ایک معمر حبشی سے کہا کہ اپنے کسی دور افتادہ

کنبے کو بلائے۔ حبشی نے چند سیکنڈ کے لیے آنکھیں بند کیں پھر کہا کہ وہ آجائیں گے۔ چوتھے پانچویں روز وہ کنبہ آ گیا۔ سائنسدانوں نے حساب لگایا تو پتہ چلا کہ یہ کنبہ جہاں سے آیا ہے وہ جگہ ایک سو میل سے کچھ زیادہ دور ہے۔

یہ ایک واضح ثبوت ہے اس حقیقت کا کہ انسان میں ریڈیو اور ٹی وی کی طرح پیغام نشر کرنے کی اور پیغام وصول کرنے کی طاقت موجود ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم شہروں، قصبوں اور دیہات میں رہنے والے لوگ اس خداداد طاقت کا استعمال کیوں نہیں کر سکتے۔

اس سوال کا جواب بالکل واضح ہے۔ وہ حبشی موجودہ دور کے تہذیب وتمدن اور کلچر سے بہت دور زندگی گذار رہے ہیں۔ انہیں روپیہ کمانے کی ضرورت نہیں۔ لباس کی ضرورت نہیں۔ جائز وناجائز طریقوں سے پیسہ کما کر، قیمتی لباس پہن کر اور بن سنور کر ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کی انہیں ضرورت ہی نہیں۔ ان میں جھوٹ اور فریب کاری نہیں۔ سوائے خوراک اور پانی کے ان کے دلوں میں کوئی اور خواہش ہوتی ہی نہیں۔ اس وجہ سے ان کے ضمیر پاک اور شفاف رہتے ہیں اور ان کی روحانی قوتیں اپنا پورا کام از خود کرتی ہیں۔

ان کے برعکس اپنے معاشرے کو دیکھ لیں۔ اپنے آپ کو دیکھ لیں۔ وہ کون سی بدی ہے جو ہم میں نہیں۔ ہمارے خیالوں پر شہوات اور خواہشات غالب رہتی ہیں جھوٹ ہماری عادات میں شامل ہو چکا ہے۔ ہمارے ضمیر اور ہماری روحیں گناہوں کے بوجھ تلے کراہ رہی ہیں۔ ایسی علیل اور مجروح روح کیا خاک ہماری راہنمائی اور مدد کرے گی؟

چند ہفتے ایک مشق کیجئے۔ کسی تنہا کمرے میں اپنے ذہن کو تمام خیالات سے پاک کر کے بدن ڈھیلا چھوڑ کر بیٹھ جائیں۔ تھوڑی دیر بعد محسوس کریں کہ آپ کا سارا بدن ریشم کا بنا ہوا ہے۔ بدن میں کہیں تناؤ نہیں، پھر کانوں میں روئی ٹھونس لیں۔ وقت ایسا ہو کہ ارد گرد شور وشغب نہ ہو، مگر ایسا وقت بھی نہ ہو کہ آپ کے قریبی ریڈیو سٹیشن کی نشریات بند ہو گئی ہوں۔ اس لمحے بڑی شدت، گہرائی اور سنجیدگی سے تصور کریں کہ آپ اس زمین کے طاقتور ترین ریڈیو سیٹ اور دنیا کے ہر ریڈیو سیٹ کی نشریات وصول کر سکتے ہیں سن سکتے ہیں۔ کان بند

ہونے کے سبب ایک لمبی ''ٹیس'' کی آواز آئے گی جیسے جھینگر بول رہا ہو۔ سمجھ لیں یہ آواز ریڈیو سیٹ پر بھی آیا کرتی ہے مگر جب ریڈیو سیٹ ٹیون میں نہ ہو۔ آپ کو بھی یہ آواز اس لیے آرہی ہے کہ آپ کا باطن ٹیون نہیں ہے۔ اسے ٹیون کیا جاسکتا ہے۔ تصور کی قوت سے آپ رفتہ رفتہ سوچیں اور اس یقین میں داخل ہوں کہ آپ کے باطن میں عنقریب لوکل ریڈیو کی نشریات سنائی دیں گی...... چند روز یا چند ہفتے میں یہ نشریات آپ یقیناً سنیں گے۔ شرط صرف اتنی ہے کہ آپ اسے اکتا کر چھوڑ نہ دیں یا اپنے مقصد پر یک سو ہونے کی بجائے ادھر ادھر کی سوچتے رہیں۔ اگر آپ استقامت سے اس مشق کو کرتے رہے تو ایک دن آپ ساری زمین کے ریڈیو سٹیشن بآسائش اپنے باطن میں سن سکیں گے۔

اسی طرح آپ ٹیلیویژن پروگرام بھی دیکھ سکتے ہیں۔ دور دراز اپنے عزیزوں کو پیغام بھی بھیج سکتے ہیں۔ ان کے پیغامات وصول بھی کر سکتے ہیں...... اسی کو ٹیلی پیتھی کہتے ہیں۔ محنت کرنے والے کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں...... البتہ لگن اور شوق کی شدت بے حد ضروری ہے۔ یہی صلاحیت نہیں کسی بھی صلاحیت کو لیں، فضول کا ذریعہ ایک ہی ہے۔ اپنے مقاصد کو پانے کے لیے مسلسل محنت۔ سب کچھ آپ کے اندر ہے۔ جو کن کہنے کے ساتھ ہی آپ کے اندر رکھ دیا گیا تھا۔ اس کی دریافت اصل مسئلہ ہے۔ قدرت نے آپ کے وجود میں مختلف چابیاں لگائی ہوئی ہیں۔ ہر چابی آپ کی ذات میں ایک الگ صلاحیت کے پٹ کھولتی ہے اور ان کی ایک ماسٹر کی Master Key یعنی کلید اعظم بھی ہے۔ یہ کلید اعظم آپ کا تصور ہے مگر تصور کو تو ہم ہر لمحہ، ہر ساعت، ہر روز استعمال کرتے ہیں اور کوئی پٹ ہمارے اندر نہیں کھلتا پھر وہ کلید اعظم کونسی ہے جو ہمارے اندر صلاحیتوں کے در کھول دیتی ہے؟

ذرا غور سے سنیں۔ زندگی میں ہمارا عمومی وطیرہ یہ ہے کہ ہم حقیقت میں اپنے تصور کو بہت کم استعمال کرتے ہی ہیں حالانکہ جو کچھ حاصل کرتے ہیں۔ تصور کی حرکت سے ہی حاصل کرتے ہیں۔ مثلاً ہمیں بھوک لگی ہے۔ فوراً ہمارا تصور کھانے کے حصول کی طرف جاتا ہے۔ ہم کھانا منگوا لیتے ہیں اور کھا لیتے ہیں۔ ہمیں ایک پنسل خریدنی ہے۔ ہمارا تصور ہمیں

باہر جانے کے لیے تیار کرتا ہے ہم گھر سے نکلتے ہیں، دکان پہ پہنچتے ہیں اور پنسل خرید لیتے ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو ہماری دسترس میں آتی ہیں اور بآسانی ہم حاصل کر سکتے ہیں لہٰذا ان کے بارے ہمارا تصور بھی مدہم سا ہوتا ہے۔ ہاں وہ چیز جو ہماری دسترس سے باہر ہو، دور ہو یا سٹیٹس اور مالی حالت وغیرہ کے باعث حاصل نہ ہوسکتی ہو، اس کے لیے ہمارے تصور کی حرکت کتنی شدید اور جنونی سی ہوتی ہے۔ وہ نوجوان جو اپنی مند پسند دلہنیں چاہتے ہیں اکثر میرے پاس آتے ہیں۔ ان کی کیفیت دیکھنے والی ہوتی ہے۔ ایسے نوجوانوں کو جب بھی روحانی مشقوں کی جانب لگایا گیا۔ دنوں میں کامیاب ہوئے کیونکہ انہیں اپنے منصب کے حصول کے لیے ہر شئے طاقتور طریقے سے کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ اپنے اصل مقصد کو نہ بھی پاسکیں گے تو میرے دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ وہ روحانی منازل بڑی تیزی سے طے کرتے ہیں۔

اکثر آپ نے خود دیکھا ہوگا کہ جب کبھی آپ شدت سے کسی شئے کو حاصل کرنے کے درپے ہوتے ہیں تو ہمیشہ اس کی تصویر تصور میں بناتے رہتے ہیں۔ مثلاً آپ ایک عدد موٹر سائیکل چاہتے ہیں جونہی آپ کو شدت سے اس کی ضرورت محسوس ہوگی کبھی آپ اپنے تصور میں سوزو کی تصویر بنائیں گے کبھی ہونڈا کی، کبھی اس رقم کی جس سے آپ نے مطلوبہ شئے کو خریدنا ہے۔ حتیٰ کہ آپ تصور ہی تصور میں اس پر سواری بھی کریں گے۔ اس پر بیٹھ کر دوستوں کے پاس بھی جائیں گے...... خوشی کی ایک زبردست لہر بھی آپ کے اندر ہوگی...... یہی تصور کی درست روش ہے۔ جن لوگوں کا تصور جتنا درست عمل کرتا ہے اتنا ہی درست ردعمل ہوتا ہے کیونکہ یہ ایک سائنسی اصول ہے جو کبھی ناکام نہیں ہوتا...... اگر عمل میں شدت نہیں تو ردعمل بھی شدید یا درست نہ ہوگا۔

سو اگر آپ اپنے اندر ریڈیو کی آواز سننا چاہتے ہیں ٹیلی ویژن کے پروگرام دیکھنا چاہتے ہیں یا کوئی اور ایسی ہی صلاحیت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اپنے تصور کو پوری شدومد سے استعمال کریں تصور چونکہ کلید اعظم ہے اس لیے وہ خود بخود ان مخصوص چابیوں کو حرکت

میں لے آئے گا جن کی آپ کو ضرورت ہے۔

کرکٹ، ہاکی یا کسی اور کھیل کے کھلاڑی ہوں سب اپنے تصور کی قوتوں کو استعمال کئے بغیر کوئی مقام حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ گیند پھینکتے ہوئے شدت سے تصور کرتے ہیں کہ مخالف کھلاڑی آؤٹ ہونے لگا ہے یا گیند کھیلتے وقت یہ تصور کرتے ہیں کہ چھکا لگا کہ لگا، یہی تصور ان کی مشقوں کے درمیان بھی کام کرتا ہے آپ جس شئے میں بھی ماسٹری حاصل کرنا چاہتے ہیں ایک طاقتور تصور کا ساتھ دینا بہت ضروری ہوتا ہے۔

اس نکتے کو جتنا مضبوط تھامیں گے اتنی جلدی کامیاب ہوں گے آپ کے وجود میں جتنی پراسرار اور مخفی قوتیں ہیں انہیں بیدار کرتے ہوئے بار بار یہ بات یاد رکھیں کہ تصور کی ایک طاقتور لہر کو ہی آپ کے کام کو تکمیل دینا ہے۔

وظیفہ

بروز جمعۃ المبارک صبح ۸½ بجے سے ۱۲½ بجے تک۔

اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ کُلِّ بَلَاءِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَۃِ۔ مسلسل بلاتعداد پڑھا جائے گا۔ سامنے ایک گلاس پانی رکھیں۔ پورے ساڑھے بارہ بجے دعا کریں پھر پانی پر دم کر کے پی جائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی آرزوئیں پوری فرمائیں گے۔

دعا میں اپنے بیوی بچوں، اپنے گھر بار اپنی مال و دولت، اپنے عزیز و اقارب اور بالخصوص وطن اور عالم اسلام کے لیے ضرور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ سب کو تمام زمینی اور آسمانی بلاؤں سے محفوظ رکھے۔ دشمنوں کے شر سے اغیار کی سازشوں سے، چوروں، ڈاکوؤں، قاتلوں اور دھوکے بازوں سے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

نوٹ: وظیفہ شروع کرنے سے پہلے ایک تسبیح اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنَامِ پڑھیں اور ایک تسبیح دعا کے بعد پڑھیں۔ (۹)

ارواح

ایک صاحب نے سوال پوچھا ہے اور نہایت معقول سوال ہے کہ ہمارے ہاں ارواح سے رابطہ کرنا یہ تو بیسیوں شرائط ہوتی ہیں...... وضو، غسل، اکل حلال، صدق مقال پھر چلّے کے قوانین، ڈراؤنے منظر اور خدا جانے کیا کیا...... اس کے برعکس اہل مغرب شراب کباب میں مست، نہ وضو نہ غسل، ایک میز پر ایک بورڈ پر بالکل عام سے انداز میں روحیں حاضر کر لیتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ان کے پاس ایسے میڈیئم ہیں جو اپنی اندرونی قوت سے روحوں و میٹیریلائز بھی کر لیتے ہیں۔ یعنی ارواح حاضرین مجلس کے سامنے بالمشافہ آ کر سوالات کے جوابات دیتی ہیں۔ یاللعجب ہمارے یہاں آج تک تو ایسا کوئی واقعہ ریکارڈ میں نہیں۔ البتہ میرے پاس دو چار انگلش کتابیں تو ہوں گی جن میں باقاعدہ ارواح کی حاضری اور ان کی تصاویر چھپی ہوئی ہیں، میرے ذاتی مشاہدے کے مطابق وہ تصاویر درست ہیں۔ پھر اگر یہ صورت حال تو واقعی سوچنے کی بات ہے کہ ہماری روحانیت جو بڑا مشکل کام نظر آتی ہے کس شمار میں ہے!

اس بات کا جواب بہت سہل ہے۔ دراصل اس میں ذیل کے مراحل کو سمجھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

۱۔ ہمارے ہاں ایسے تمام روحانی معاملات کو مشکل سے مشکل تر بنا کر پیش کیا جاتا ہے تا کہ ہر کس و ناکس اس میں نہ پڑے۔ اس کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک تو کم علم اور کم ظرف روحانی لوگ چند ایک چھوٹے موٹے روحانی گر سیکھ کر نہیں چاہتے کہ ان کی برتری مجروح ہو۔ مختلف ہنروں اور فنون کے بارے میں بھی ہمارا رویہ یہی ہے کہ کوئی طبی نسخہ ہماری تحقیق میں آ گیا تو سینے میں لے کر مر گئے، کسی کو بتایا نہیں یا اگر کوئی ضرورت کی چیز مینوفیکچر کرنے کی صلاحیت پیدا کر لی تو اسے صدری راز کہہ کر

خاندانی طرۂ امتیاز بنالیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے علوم وفنون اہل مغرب کے مقابلے پر بہت پیچھے رہ گئے ہیں...... سنا ہے ایک نادر روزگار درزی پر جب نزع کا عالم طاری ہوا تو اس کے سگے بیٹے نے پاؤں پکڑ کر کہا، آبا اب تو بتا دے اچھی ترپائی کرنے کا کیا راز ہے۔ مرنے والے نے بیٹے کے کان میں کہا...... ''جی تو اب بھی نہیں چاہتا کہ یہ راز افشا کر دوں مگر تو تو میرا خون ہے۔ تجھے بتاتا ہوں، اچھی ترپائی کے لیے سوئی میں دھاگہ چھوٹا ڈالتے ہیں......'' یہ کہہ کر وہ تو راہی ملک عدم ہوا مگر ہمارے لیے یہ سوال چھوڑ گیا۔ کیا ہمارے ان خوش نصیب خطوں پر انفرادی صدری رازوں کی کالی گھٹا ہمیشہ چھائی رہے گی اور کیا ہم ہمیشہ بدنصیب رہیں گے؟ دوسرا پہلو یہ ہے کہ خود عالموں نے بڑی تگ ودو اور جان ماری کر کے کچھ حاصل کیا ہوتا ہے اور وہ بخیل ہو جاتے ہیں اور بخل شکنی کا ثبوت نہیں دیتے۔

۲۔ آپ کو بڑی عجیب بات بتاؤں۔ بلیک آرٹس نامی کتاب کا مصنف لکھتا ہے کہ جب دوسری جنگ عظیم میں جرمنی یونان فتح کر چکا تو اس کا ارادہ شام پر حملہ کرنے کا ہوا۔ یہودی ماہرین قبالہ اکٹھے ہوئے۔ راتوں رات ایک عمل اجتماعی سطح پہ کیا گیا اور جرمن فوجوں کے رخ روس کی طرف موڑ دیے گئے۔ یوں یہودی بھی بچ گئے اور یہودی مال ومنال سے بھرا ہوا شام بھی بچ گیا۔

ہوسکتا ہے آپ مجھ سے اس بات میں اختلاف کریں کہ ایسا کسی عمل سے نہیں ہوا بلکہ اس کی واضح سیاسی وجوہ تھیں۔ ہوسکتا ہے میں بھی آپ سے اتفاق کر جاؤں یا شاید سرے سے ہی یہ کہوں کہ اجتماعی روحانی قوتیں ایسا کرسکتی ہیں مگر میری اس بات سے آپ ہر قیمت پر متفق ہوں گے کہ جن اقوام کے ہاتھوں میں زمین کا اقتدار ہے۔ ان میں واضح خوبی یہی ہے کہ سائنس ہو یا عمرانیات، فلسفہ ہو یا طب، توہم پرستی ہو یا جادو ان کا ہر قدم اجتماعی طور پر اٹھتا ہے اور اجتماعی مفاد کے لئے اٹھتا ہے۔ اسی طرح روحوں کو بلانے کے عمل میں بھی ان کا تمام طریقۂ کار چند افراد کے مل بیٹھنے سے پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ ایک اکیلا دو گیارہ کے اصول پر ان کی ذاتی روحانی قوتیں جو ہر لحظہ انسان میں موجود ہیں، ایک اجتماعی کاوش سے

بار آور ہو جاتی ہیں۔

۳۔ ہم نے بھی ان کو بعض کتب مثلاً (Desmond shaw) "You can

"How you live ween you اور Speak with your dead, "

.die کے مطابق ارواح کے بلانے کا عمل کیا۔ عمل درست ثابت ہوا، مگر ان اعمال کے لیے کم از کم تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے جو اچھے میڈیم ہوں۔ اچھے میڈیم کی تعریف یہ ہے وہ حلیم ہو، اس میں جھوٹ، فریب مکر اور بدکاری کی جھلک تک نہ ہو۔ انسانوں سے پیار کرنے والا ہو۔ نظریات کو علی وجہ البصیرت قبول کرنے والا ہو کج بحث نہ ہو۔

ہپناٹزم میں بھی وہی شخص عام طور پر ہپناٹائز کیا جا سکتا ہے جس میں یہ تمام خوبیاں ہوں۔ اسی طرح ہپناٹسٹ بھی ان خوبیوں کا مالک ہو تو کامیاب ہو سکتا ہے۔ یہ کلیہ تجربات کی کسوٹی پر بالکل درست ثابت ہوا ہے۔ مشرق ہو یا مغرب یہ ایک حتمی اور دائمی اصول ہے کہ جھوٹا۔ دغا باز، بدکار بے اصول اور اپنے گرد و پیش سے ظالمانہ سلوک رکھنے والا شخص زندگی کے کسی میدان میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ قسمت سے ہو بھی جائے تو اس کی کامیابی کاٹھ کی ہنڈیا ثابت ہوتی ہے لہٰذا کامیاب روحانی بندہ زمین کے کسی خطے میں ہو اس کے خصائص ایک جیسے ہوا کرتے ہیں۔ رہا وضو اور غسل تو یہ حفظان صحت کا اچھا اصول ہے۔ اور پاک دماغ پاک صاف جسموں میں ہی ہوا کرتے ہیں۔ انسان اشرف المخلوقات ہے، پیدائشی طور پر پاک ہے پانی اس کی جسمانی غلاظتوں کو دور کرتا ہے اسے پاک نہیں کرتا کیونکہ پانی میں پاک کرنے کی صلاحیت ہوتی تو کتے خنزیر اور دیگر نجس جانوروں کو بھی پاک کر دیتا۔ نجس تو ہمارے ذہن ہوتے ہیں۔ ناپاک ہماری سوچیں ہوتی ہیں، سو آپ یقین مانیں چلہ کشی میں روحیں بلانے یا مؤکل حاضر کرنے میں بنیادی حیثیت ذہن و افکار کی پاکیزگی کی ہے۔ حتی کہ نماز کا رد عمل بھی یہی ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔

"بے شک نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے۔" اگر آپ نماز پڑھتے ہیں اور بدی آپ کے اعمال سے خارج نہیں ہوتی تو اس میں نماز کا کوئی قصور نہیں۔ آپ اپنے خیالات کا تزکیہ کریں۔ اپنی ذات سے جنگ کریں، اپنے آپ کو سچائی۔ نیکوکاری اور پاک

خیالی کا عادی بنائیں، یہی سچا وضو، یہی سچا غسل ہے، پھر پانی بھی آپ کو پاک کرے گا، آپ کے چلے، دعائیں اور وظیفے بھی بامراد ہوں گے۔

۴۔ ارواح کو بلانے میں کلیہ ایک ہی کام کرتا ہے ''اَلْجِنْسُ یَمِیْلُ الی الجنس'' ...... کند ہم جنس با ہم جنس پرواز۔ کبوتر با کبوتر باز با باز ...... اگر آپ شراب پیتے ہیں، بدکاری کرتے ہیں۔ جھوٹ بولتے، فریب کاری کرتے ہیں اور آپ کی زندگی میں روحانی بالیدگی اور روح کے ارتقاء کا کوئی تصور ہی نہیں۔ تو پھر آپ کے پاس آئیں گی بھی ایسی ہی روحیں جو خود بھی اپنی بنیادی زندگی میں نیکوکار نہ ہوں گی۔ ظاہر ہے ایسے عمل سے آپ کو فائدہ بھی کیا ہو سکتا ہے۔ ہاں کالا علم یعنی سحر اسود کرنے والوں کی طرح آپ گندے مندے رہ کر ان خوفناک سفلی ارواح سے رابطہ پیدا کر سکتے ہیں جو قرآن حکیم کے مطابق اولیائے ابلیس ہیں۔ ابلیس ان پر وحی بھی بھیجتا ہے۔ لہٰذا، گندم از گندم بروئید جو از جو'' جیسا عمل کریں گے ویسا نتیجہ پائیں گے۔

۵۔ خوب جان لیں کہ قرآنی اعمال کا دامن تھامنے والے ان لافانی سچائیوں کو مان کر ان پر عمل کر کے چلیں گے جو خدا اور اس کے رسول معظم نے بتائی ہیں تب کامیاب ہوں گے۔ علاوہ ازیں یہ اسباب کی دنیا ہے۔ اس میں خدائے خلاق ومجید نے یہی چاہا ہے کہ انسان پہلے مادی طور پر اپنی ہر مشکل کو حل کرنے کی کوشش کرے۔ بیمار ہو تو دوا دارو کرے۔ بار بار ناکام ہوتا ہے تو تجزیہ کرے کہ وہ کہاں غلط کہاں صحیح ہے۔ اپنی غلطیوں کی اصلاح کرے۔ اپنے طریقہ کار کا جائزہ لے۔ یہی زندہ اقوام کرتی ہیں۔ اور جب یہ دیکھے کہ کوئی چارہ نہیں چل رہا۔ ہر جانب سے دبیز اندھیروں کی یلغار ہے، ہر دنیاوی عمل ناکام ہو چکا ہے تب روحانیات کا دامن تھامے، فی الفور کامیابی ہوگی۔ لوگ نہایت معمولی معمولی سے کاموں کے لئے بھاگے آتے ہیں۔ ایک عورت آئی کہنے لگی...... ''محترم! ہمارے ہمسائے ہماری دیوار کے ساتھ کتا باندھتے ہیں، آپ اس کتے سے ہمیں نجات دلائیں۔ یہ دن بھر بھونکتا ہے ہماری دیوار پر ٹانگ اٹھا کر پیشاب کرتا ہے، ہمارے لئے عذاب بنا ہوا ہے...... میں نے کہا ''ہمسایوں سے جا کر کہو کہ وہ اپنا کتا اپنی دیوار کے ساتھ باندھیں...... جواب

ملا۔ وہ نہیں مانیں گے۔

گویا یہ فرض کر لیا گیا کہ ہمسایہ نہیں مانے گا لہٰذا روحانی منصب پر بیٹھا آدمی ایسے ہی کاموں کے لیے رہ گیا ہے۔

خدارا ایسا نہ سوچیں روحانی منصب پر پہنچنا بہت خوش بختی اور جان جوکھوں کی بات ہے۔ یہ تو تلوار کی دھار پہ چلنا ہے کیونکہ دنیاوی مزے ترک کرنا، اپنے نفس کی پتلی کو اپنے اشاروں پر نچانا، معاملات حیات میں درست کو قبول اور نادرست کو مردود سمجھنا۔ شرک کے شائبے تک کو پاس نہ پھٹکنے دینا معمولی بات نہیں۔ کلیجہ پھٹ جاتا ہے جب تمام آرام تمام آسائشیں رکھتے ہوئے انسان کو سادہ اور کبر ونخوت سے مبرا زندگی اختیار کرنا پڑتی ہے لہٰذا یاد رکھیں اور خوب یاد رکھیں کہ اگر دو چار آنے کی اسپرین سے سر درد یا نزلہ وزکام دور ہو سکتے ہیں تو ان عملیات تک نوبت نہ پہنچائیں۔ بلکہ ہر کام میں اپنی پوری قوتیں پوری صلاحیتیں صرف کر دیں اور اگر ہر مادی وسیلہ ناکام ہو جائے تو پھر ضرور۔ بالضرور ان حیرت انگیز اسراری قوتوں سے رجوع کریں جنہیں بہر حال مالک ومختار کل نے ''کن'' کے کارخانہ حیرت سے ''فیکون'' کی صورت حروف والفاظ اسمار واعداد اور اشیاء میں پوشیدہ کر دیا۔

میرا سالہا سال کا تجربہ ہے کہ نقوش، طلسم، وظیفے اور دعائیں سو فیصد اپنا اثر رکھتے ہیں مگر اس یقین کے ساتھ کہ ان میں اثر ڈالنے والا خدائے عزوجل ہے۔ دعاؤں کو قبول فرمانے والا بھی وہی ہے۔ تقدیریں بدلنے والا بھی وہی مگر ہم اپنے کیس کو اچھی طرح پیش کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ روحانی آدمی ایک پاکباز ایڈووکیٹ ہوتا ہے جو جائز و ناجائز کو پرکھ تول کر پہلے اپنے آپ کو مطمئن کرتا ہے پھر جب مدعی کا دعویٰ درست پاتا ہے تو خوبصورت پیرائے میں دربار خداوندی میں پیش کر دیتا ہے اور وہ عادل وحکیم مولائے کل جو بے پناہ لازوال قوتوں کے باعث ہر لحہ اپنے بندوں کی التجائیں قبول کرنے کے لیے بے تاب رہتا ہے۔ چشم زدن میں الجھے راستوں کو ہموار اور سیدھا کر دیتا ہے۔

روحانی بندہ صرف دو صورتوں میں ناکام رہتا ہے ایک تو یہ کہ مسائل حق پر نہ ہو، ناجائز کو جائز بیان کرے، ایسے لوگ کالے علم سے تو فائدہ اٹھا کر دینی عاقبت برباد کر سکتے ہیں مگر قرآنی علوم سے کچھ حاصل نہیں کر پاتے۔ دوسرے وہ مسائل جو مایوسیوں، ناامیدیوں کی

اس گہرائی میں پہنچ جاتے ہیں کہ ان کے لاشعور میں خدا بھی ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ ایسے لوگ ''افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را'' افسردہ دل ساری انجمن کو افسردہ کر دیتا ہے۔ایسا شخص شاید خدا تعالیٰ کو بھی اداس کر دیتا ہے کیونکہ اس کے واضح ارشاد یعنی لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ، اللہ کی رحمت سے منقطع یعنی ناامید نا ہو جاؤ، اللہ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے کے بعد ہی مایوسی کفر بن جاتی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ مایوس مومن کو نظر انداز کر دیتا ہے اور باامید کافر کو سرخرو فرما دیتا ہے۔یہ بالکل ویسی بات ہے کہ اگر آپ سے متعلق کوئی نہایت قرب رکھنے والا فرد آپ پر بداعتمادی کا شک کرے تو آپ کہتے ہیں۔''اے فلاں سارا شہر مجھے بے اعتماد سمجھتا تو دکھ نہ ہوتا، کاش تم نے ایسا نہ کیا ہوتا۔''

اللہ تعالیٰ کو قوی مطلق ،مقتدار مطلق اور مادر مطلق باور کرتے ہوئے اسے ناامید ہو جانا اس کی ذات بے پایاں پر بداعتمادی کا اظہار ہے۔میں نے ایسے لوگوں کے لیے بھی اپنے آپ کو بعض اوقات بے بس پایا۔یہ تو ٹھیک ہے کہ ان حالات میں بھی وہ قادر مطلق سب کچھ کر سکتا ہے۔آپ کی قنوطیت اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی مگر وہ آپ سے اتنی تمنا تو رکھتا ہے کہ آپ اس کے بندے ہو کر اس پہ کامل اعتماد رکھیں۔یہ پیار کا سودا ہے بندہ و آقا میں یہ لازوال رشتہ اٹوٹ ہونا چاہئے۔کبھی نہ مٹنے والا ہونا چاہئے۔ہو سکتا ہے وہ خود ہی ہمیں قوت برداشت عطا فرما کر آزما رہا ہو۔عریزان من کچھ بھی کر لیں، آخر ہمارا ملجا و ماویٰ تو وہی ہے۔کس میں ہمت ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے ہماری دادرسی کر سکے۔

بعض لوگوں نے کسی پر ظلم کیا ہوتا ہے۔کسی یتیم کے مال کسی بیوہ کی بے چارگی پر اپنی خوشحالیوں کی بنیاد رکھی ہوتی ہے۔ایسے لوگوں کو وہ دکھ لگتے ہیں جن کا مداوا کسی کے پاس نہیں ہوتا۔بے اولاد رہتے ہیں۔کوئی ایسی بیماری لگ جاتی ہے جو کسی دوا کسی دعا سے نہیں جاتی۔ دن رات ایسے افراد میرے پاس آتے رہتے ہیں۔چھپے لفظوں میں انہیں ہر بات سمجھا تو دی جاتی ہے مگر کم ہی اسے سمجھ پاتے ہیں۔زیادہ تر اپنی لگائی ہوئی آگ میں جھلستے رہتے ہیں مگر حقدار کو ان کا حق نہیں دیتے۔خدارا اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں اگر کچھ قوتوں نے ایسا کیا ہے تو ان کا علاج صرف اور صرف حق کو پہچاننا ہے۔اپنے غفور الرحیم آقا سے معافی مانگنا اور حقدار کا حق واپس کرنا ہے۔ایسے لوگ خوب جان لیں ان کا مداوا وہی

ہے جو میں نے لکھا ہے۔ بڑے سے بڑا صوفی بڑے سے بڑا قلندر بڑے سے بڑا روحانی آدمی بھی ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا کیونکہ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں ہوتے ہیں۔

قریب قریب ہر ساس اپنی بہو کو ظالم اور بیٹی کو مظلوم سمجھتی ہے، اسی طرح عام طور پہ ہر بہو اپنی ساس کو ظلم کا ہیولیٰ اور اپنی ماں کو رحمت و شفقت کا مرقع سمجھتی ہے، حالانکہ خدا اور رسول ﷺ کی نظر میں یہ بہت بڑی گنہگاری ہے جہاں کہیں بہو اپنی ساس کو ماں سے بڑھ کر پیار کرتی ہے اور ساس بہو کو بیٹی کا نعم البدل سمجھتی ہے۔ ان گھروں کے جنت نظیر ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ وہ بہوئیں جن کی سیج کے پھول ابھی مرجھائے نہیں ہوتے ایک الگ گھر کا مطالبہ داغ دیتی ہیں خواہ شوہر کے حالات اجازت دیتے ہوں یا نہ دیتے ہوں۔ ان سے زیادہ خدا اور رسول کا مجرم کون ہو سکتا ہے اور وہ ساسیں جو سہروں کی چھاؤں میں بہوئیں لا کر ان سے حسد اور عناد رکھنے لگتی ہیں ان سے زیادہ خدائی اصولوں کو توڑنے والا کون ہو سکتا ہے...... ایسی عورتیں ساسیں ہوں یا بہوئیں دکاندار قسم کے عاملوں کا خوب شکار بنتی ہیں، وہ جی بھر کر انہیں لوٹتے ہیں مگر ان کے وہم دور نہیں ہوتے۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ بے اعتنائی تشدد اور بدزبانی کرنے والے شوہر کی بیوی نہایت نیک بخت سلیقہ شعار اور باوقار ہوتی ہے۔ اس کے برعکس نیک اور شریف النفس مردوں کی بیویاں پھوہڑ، بدزبان اور فرد فرد سے شوہر کی بدصفتیاں بیان کرنے والی ہوتی ہیں یہ کلیہ تو نہیں مگر عام طور پر معاشرے میں یہی صورت حال نظر آتی ہے۔ اس کی وجہ درست نادرست کے پیمانوں پہ ایمان نہ رکھنا۔ ناحق کو حق سمجھنا ہے۔ ہر شخص اپنی کہانی اپنی زبانی سناتے ہوئے ایسی ایسی ڈنڈی مارتا ہے کہ حاضرین سن کر اسے زمین کا مظلوم ترین آدمی سمجھنے لگتے ہیں مگر خدا تعالیٰ سے تو کچھ مضمر نہیں۔ وہ دلوں کے حال جانتا ہے۔

اپنے حالات کو پرکھیئے۔ ایمانداری سے سوچئے کہیں آپ ہی تو غلطی پر نہیں ہیں؟ اگر ایسا ہے تو اپنی اصلاح کیجئے۔ وہ جس کے دامن پہ کوئی داغ دھبہ نہیں۔ اپنے خدا کی نظر میں سرخرو ہے۔ اسے شاید کسی طلسم، کسی علم کی ضرورت نہیں، ضرورت ہے تو اپنے نظریے کو درست کرنے کی۔ ایسے لوگوں کی دعا میں اثر بھی ہوتا ہے، ایسے لوگوں کے لیے عملیات بھی اس تیزی سے کام کرتے ہیں کہ جیسے راکٹ فضا میں چلا دیا گیا ہو۔

قارئین کرام! میرے اس مضمون کو وعظ نہ سمجھیں۔ میں نے آپ کو روحانیت کا ایک بنیادی اصول بتایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ روحانیت کا وہ مقام حاصل کرنا جہاں انسان روحانی معالج یا ماہر روحانیات کہلانے کا حقدار ہوتا ہے بہت ہی صبر آزما کام ہے۔ اس کے لیے دنیا کی تمام آسائشیں، بھوک، نیند، سکھ چین اور جائز لذتیں بھی ترک کرنی پڑتی ہیں۔ نفس کا گلا گھونٹنا پڑتا ہے۔

دوسری بات جو میں نے کہی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک درود، وظیفہ اور دعا قبول فرماتا ہے لیکن ہر کسی کو دعا کی قبولیت کا شرف حاصل نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے بدنصیب لوگ اپنے قلب ونظر اور روح کو پاک نہیں کرتے۔ اگر انہیں جھوٹ بولنے کی عادت ہے تو نمازیں پڑھتے، وظیفے کرتے اور جھوٹ بول بول کر دوسروں کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں۔ فریب کاری نہیں چھوڑتے۔ ماں باپ کا احترام ان کے دلوں سے نکل جاتا ہے۔ ماں باپ کو بھی جھوٹ بول بول کر دھوکے میں رکھتے ہیں۔ یاد رکھئے ناپاک اور فریب کار روح آپ کی دعاؤں اور وظیفوں کو اللہ کے حضور قبولیت نہیں دلا سکتی۔

تیسری بات یہ کہ بدعادات والے ناپاک روحوں والے دوسروں کا اور اپنوں کا دل دکھانے والا جب عبادت اور وظیفہ کرتا اور دعا مانگتا ہے تو یہ ایسے ہی ہوتا ہے جیسے وہ اللہ کو دھوکہ دے رہا ہو۔ وہ دنیا کی لذتیں چھوڑنا ہی نہیں چاہتا۔ ایسے لوگوں پر وظیفے الٹا اثر بھی کر جاتے ہیں۔ وہ کوڑی کوڑی کے محتاج ہو سکتے ہیں۔ کسی لاعلاج مرض میں مبتلا ہو سکتے ہیں اور وہ اسی دنیا میں جہنم دیکھ لیتے ہیں۔

روحانیت کا کوئی بھی عمل (جو کسی روحانیت کے ماہر نے بتایا ہو) کرنے اور اس سے کامیابی حاصل کرنے کے لیے یکسوئی، نفسیاتی توانائی اور روح کی پاکیزگی لازمی ہے۔ (۱۰)

روح کیا ہے؟

اس کائنات اور تخلیق کائنات پر غور کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کائنات کی تخلیق کی پھر فرشتوں کو پیدا کیا اور جنات کو پیدا کیا۔ قرآن حکیم کے مطابق یہ دو مخلوقیں انسان سے پہلے اس کائنات میں موجود تھیں تو ظاہر ہے کہ ایک مخلوق اس کی عبادت کا حق ادا کر رہی تھی کیونکہ اس کو پیدا ہی اسی مقصد کے لئے کیا گیا تھا کہ وہ تسبیح و تحلیل کرے، دوسری مخلوق جنات تھی جو آگ سے پیدا کی گئی تھی۔ اس کا آتشی وجود کائنات میں موجود تھا۔ ابلیس کو دیکھا جائے تو عبادت سے انحراف عبادت تک اور عبادت سے نافرمانی تک کا سفر طے کرتا ہوا لعنت کا طوق گلے میں ڈالتا ہے اور قیامت تک کے لئے مردود ہو جاتا ہے یہ ایک باغی عنصر ہمارے سامنے آتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جنات میں بے شمار قبائل ابلیس کو ماننے والے ہیں اور بے شمار اہل کتاب ہیں جب ان کی تخلیق پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا...... "نہیں پیدا کیا ہم نے جنوں اور انسانوں کو سوائے اس کے کہ وہ ہماری عبادت کریں...... تو ظاہر ہے کہ دونوں ایک جیسے مکلف ہیں یا ذمہ دار ہیں اس کائنات میں اچھائی اور برائی کے نیکی اور بدی کے۔ چنانچہ ان میں بھی اسی طرح انواع واقسام موجود ہیں جس طرح انسانوں میں ہیں۔ وہ عبادت بھی کرتے ہوں گے اور بغاوت بھی کرتے ہوں گے ان میں منکر بھی ہوں گے اور اقرار الٰہی کرنے والے بھی ہوں گے۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کائنات میں انسان کی تخلیق کس بنیاد پر ہوئی؟ کیا ضرورت پڑ گئی تھی کہ انسان بھی تخلیق کیا جائے اور اسے تخلیق کرنے کے بعد یہ بھی اہتمام کیا جائے کہ تمام فرشتے اسے سجدہ کریں؟ کوئی نکتہ ہے کہیں جو خود اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا کہ جب فرشتوں نے کہا کہ آپ کیا پیدا کریں گے؟ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں زمین پر اپنا ایک خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں۔ فرشتوں نے کہا کہ آپ زمین پر ایسی مخلوق پیدا کریں

گے جو زمین پر فساد کرے گی اور خون بہائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا...... ''جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے''...... اس کا مقصد یہ ہوا کہ اس میں کوئی نکتہ ایسا تھا جو انسان کے بارے میں مضمر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے آدم کو سب اسماء سکھائے۔ فرشتوں سے سوال پوچھا وہ نہیں بتا سکے۔

تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ موجود ہے وہاں پر فرشتہ بھی موجود ہے وہاں پر جن بھی کیونکہ ابلیس موجود ہے وہاں۔ ابلیس کے بارے میں قرآن میں ہے کہ وہ جنوں میں سے ہے وہیں یہ آدم بھی موجود ہے اور ان دونوں سے کہا جا رہا ہے اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ کہا...... ''جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے''...... تو فرشتوں کا یکایک سجدہ کر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ضرور یہ جانتے تھے کہ اس میں کوئی بہت بڑا راز مضمر ہے جو شاید ہمارے ادراک تک نہ پہنچتا ہو۔ اب ایک بہت بڑے صوفی جو گروجیف کے شاگرد سے جس کا ذکر پہلے ہم کر چکے ہیں، ملتے ہیں۔ وہ ایک جملہ اس کو کہتے ہیں...... ''اس کائنات کو ایندھن کی ضرورت تھی۔ لہٰذا انسان کو تخلیق کیا گیا۔''

یہ ایک بڑا دلکش اور خوبصورت جملہ ہے جس کو میں پھیلانا چاہتا ہوں تاکہ انسان کو احساس ہو کہ وہ کتنے بڑے مقام پر فائز ہے اور وہ کس طرح سے اپنے مقام کو اپنے کردار سے کھو کر اس اشرفیت اور افضلیت پر قائم نہیں رہتا جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کی۔ اسے اشرف المخلوقات کہا گیا تو اس لئے کہا گیا کہ اس میں کوئی ایسی بات کوئی ایسی خوبی تھی جو کائنات میں کسی اور میں موجود نہیں تھی۔ یوں ہے کہ اس کائنات کو تخلیق کیا گیا مگر اس میں ہر چیز انسان کی آمد اور جنت سے زمین پر آنے تک Crude Form میں تھی۔ ایک ایسی شکل میں تھی جس میں شاید وہ حسن نہیں تھا جو آج ہے۔ وہ اس لئے کہ اس کائنات میں بکھرے ہوئے حسن کو داد دینے والا کوئی نہیں تھا۔ خراج تحسین پیش کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ انسان اس زمین پر آیا۔ اسے نورِ عقل عطا کیا گیا۔ اسے تجزیے کی صلاحیت سے نوازا گیا۔ اس نے جب زمین کے صحراؤں میں جنگلوں میں بکھرے ہوئے پودوں پھولوں کو دیکھا اور بہ نظر داد دیا

بہ نظر تحسین دیکھنا شروع کیا تو ان پھولوں میں رنگ خوشبو اور وہ کمال پیدا ہونا شروع ہو گیا جس کی فطرت متمنی تھی۔ چاند خوبصورت ہے لیکن انسان کی آنکھ نے ہزاروں سال سے اسے خوبصورت پہلو سے دیکھتے دیکھتے حسین بنا دیا۔ خوبصورتی کا چہرہ بنا دیا۔

سورج خوبصورت ہے۔ انسان نے ابتداء میں اس کی پرستش کی پھر اسے مخلوق سمجھتے ہوئے اس کی باکمال صلاحیتوں کو دل و جان سے تسلیم کیا اور سراہا شاید انسانوں کا یہی جذبہ تحسین سورج کے اندر جل رہا ہے۔ چاند کے دھیمے پن میں جل رہا ہے اور یہی جذبہ پھولوں کی نشوونما بھی کر رہا ہے۔ انسان جوں جوں کائنات کو تسلیم کرتا اور سراہتا ہے اس کے اندر حدت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ جب بھی آپ کسی چیز کو داد دیتے ہیں اسے تحسین کی نظروں سے دیکھتے ہیں تو وہ آپ کے اندر ایک ردعمل پیدا کرتی ہے۔ وہ شے اور وہ ردعمل جلنے جیسا عمل پیدا کرتا ہے یوں اس کائنات میں انسان دن رات ایندھن بن کر کائنات کے حسن کو برقرار رکھتا ہے۔ حرارت اور روشنی پیدا کرتا ہے یعنی اپنی داد کی گرمی اور حوصلہ افزائی کی گرمی سے پوری کائنات کو حسین بنائے رکھتا ہے۔ چاند ستاروں کو، کہکشاں کو، آسمان کو جس کا وجود نہیں ہے انسان اتنا حسن بخشتا ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ نہ صرف نظروں سے بلکہ لفظوں سے اپنے مکالموں میں اپنی تحریروں میں اور اپنی شاعری میں انسان کائنات کے حسن کو دوبالا کرتا ہے۔

یہ وہ صلاحیت ہے جو خدا نے انسان کو عطا کی ہے...... تحقیق و تجزیہ کرنا اور داد دینا۔

اب ایک فرق دیکھیں۔ وہی عبادت اور وہی تسبیح و تحلیل فرشتہ بھی کر رہا ہے وہ کہہ رہا ہے...... ''سبحان اللہ...... سبحان اللہ'' ...... مگر وہ ایک مشین کی طرح سبحان اللہ پڑھ رہا ہے مگر انسان جب سبحان اللہ کہتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اس نے کسی چیز میں ایک گہرا راز پا لیا ہے یا کسی چیز میں زبردست حسن پا لیا ہے۔ اس کی زبان پر جب بے اختیار سبحان اللہ آتا ہے تو خالق کائنات اس داد کو انتہائے عبادت قرار دیتا ہے۔ انتہائے عبادت ہے بھی یہی کہ ہم اس پوری کائنات کو بے دیکھے بے سوچے سمجھے نہ گزار دیں بلکہ اس کی ہر چیز کو اپنی عقل کے بہترین کمالات کو استعمال کر کے یہ دیکھیں کہ کہاں کیا ہے کس انداز میں کس حسن کے ساتھ

موجود ہے اور یہی وجہ ہے کہ تفکر کو جنات اور انسانوں کی عبادت سے بہتر کہا گیا ہے آنحضورؐ نے فرمایا ہے...... ''تفکر جنات اور انسانوں کی عبادت سے بہتر ہے۔''

مراد کیا ہے کہ وہ عبادت جو ہم فرشتوں کی طرح کرتے ہیں۔ اس عبادت سے انسان کا وہ تفکر جو اس کائنات کے رنگوں کو اور اسرار و رموز کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے وہ تفکر جو ہے وہ خالق کو بہت پسند ہے۔ یہی بات تھی جو اس نے فرمایا تھا...... ''جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے''...... اسے معلوم تھا کہ یہ میری مخالفت بھی کرے گا یہ میری اشیاء کی نفی بھی کرے گا یہ میری اشیاء میں غلطیاں اور عیب بھی نکالے گا لیکن جب ایک خاص عمل میں سے گزرتے ہوئے کسی انتہا پر پہنچے گا اور اس پر اصل حقیقت ان چیزوں کی کھل جائے گی تو پھر یہ مجھے جو داد دے گا، وہ داد ہو گی جو انتہائے عبادت ہے۔

سیدھی سی بات ہے۔ جب ہم کہتے ہیں...... ''سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر''...... تو کسی کو اس کے کمال فن کی داد دے رہے ہیں جیسے ہم کسی شعر پر داد دیتے ہیں، راگ پر داد دیتے ہیں...... ''سبحان اللہ، آپ نے کمال کر دیا ہے''...... جس بھی چیز پر داد دیتے ہیں وہ داد ہی مفہوم رکھتی ہے۔ ہم نماز پڑھتے ہیں۔ اس میں ہم سبحان اللہ کہتے ہیں الحمد شریف پڑھتے ہیں اور جو کچھ بھی پڑھتے ہیں یہ ساری کی ساری داد و تحسین ہے لیکن ایک داد وہ ہے جو ہم فقط اس طرح سے دے رہے ہیں کہ اس کے معنی ہمارے اندر نہیں ہیں۔ اس کی وہ کیفیات ہمارے اندر نہیں ہیں جو دل سے نکلتی ہوئی داد کی آئینہ دار ہوتی ہیں، یعنی صرف زبان سے الفاظ ادا ہوتے ہیں۔ مثلاً آپ کسی انسان سے رسمی طور پر کہیں کہ آپ بڑے خوبصورت ہیں اور اس داد و تحسین میں بے ساختگی نہ ہو تو وہ شخص آپ کی داد کو قبول نہیں کرے گا توجہ ہی نہیں دے گا۔ لیکن جب آپ کسی کو حسین پا کر دلی جذبات کے ساتھ اور والہانہ کیفیات کے ساتھ کہتے ہیں کہ ماشاء اللہ، سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت حسن دیا ہے، آپ بہت خوبصورت ہیں تو وہ آپ کی بات کی طرف توجہ دے گا۔ آپ کی داد کو قبول کرے گا اور اس کا صلہ دینا چاہے گا۔

خالق کائنات تو سب سے زیادہ خوبصورت ہے اور اس نے کائنات بھی بہت زیادہ خوبصورت تخلیق کی ہے لیکن ہم اسے نظر انداز کر کے روپے پیسے، دنیاوی شان وشوکت دنیا کی چمکتی اشیاء، اور قیمتی لباس کو حسن کی علامات سمجھ بیٹھے ہیں۔ اگر دنیاوی جاہ وجلال سے نظریں پھیر کر چند منٹوں کے لئے اس خالق کائنات کی اس کائنات میں بکھری ہوئی اس کی حکمتوں اور دانائیوں پر غور کریں۔ کائنات کے رنگ اور رنگوں کا امتزاج دیکھیں تو بے اختیار کہیں گے، سبحان اللہ کیا کائنات بنائی ہے کیا کیا کچھ ہو رہا ہے تیری اس کائنات میں۔ کیا کیا کیفیتیں پیدا ہو رہی ہیں تو پھر اسے عبادت اور انتہائے عبادت کہیں گے۔

یہ ہے انسان کا منصب کہ وہ کس طرح اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ کیا عبادت کی وہ رسم پوری کرتا ہے اور زبان سے رٹے رٹائے الفاظ نکالے جا رہا ہے یا بے اختیار اور بے ساختہ اس کی زبان سے اور دل کی گہرائیوں سے یہ الفاظ نکل رہے ہیں...... "سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر، رحمٰن الرحیم"...... ہم شعوری طور پر اقرار کرتے ہیں کہ اللہ کی ذات حمد وثنا کے قابل ہے۔ وہی ہماری عبادت کا ہماری سوچ وفکر کا اور ہماری وابستگیوں کا مرکز ہے۔ ہم جب اس کے حضور کھڑے ہوتے ہیں تو ہمارے ذہن میں سوائے اس کی بزرگی اور برتری کے کوئی اور خیال نہ ہو...... یہ ہے روحانیت!

بنیادی طور پر روحانیت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے متعلق ہونے کی وجہ سے اس کا تعلق کائنات کے ساتھ ہے۔ لہٰذا یہ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں ہونی چاہئے کہ روحانیت بغیر عبادت کے اور بغیر ریاضت کے کوئی معنی اور کوئی مقصد نہیں رکھتی۔ یہ نکتہ بھی پیش نظر رکھیں کہ روحانیت پہلے اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے پھر اس کائنات سے۔ اس طرح سے ایک مثلث کی صورت بنتی ہے۔ میں میرا خالق اور کائنات...... یہ تین چیزیں جب ایک ترتیب میں آتی ہیں تو اس کو ہم روحانیت کہتے ہیں۔ روحانیت کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ایک رابطہ، ایک رشتہ تلاش کیا جائے...... رشتہ اور رابطہ اپنے اور کائنات کے مابین...... اس رشتے کو پالیا تو ہم نے خالق کو پالیا۔ جیسے علیؓ نے فرمایا......

''جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا وہ قدر میں رہا۔''

انسانی نفس اور تخلیق کائنات اور اللہ تعالیٰ کے مابین جو رابطہ ہے اور جو ایک ذرے اور خورشید کے درمیان ایک فاصلہ ہے، اس کو پہلے تلاش کرنا پڑتا ہے کہ لمحہ تخلیق تک پہنچنے کے لئے پوری کائنات کو ساتھ لے کر چلنا پڑتا ہے۔ جس وقت اللہ تعالیٰ نے ''کن'' کہا اسی وقت کائنات ''فیکون'' ہو گئی۔ یہ ہے وہ رابطہ جسے دریافت کرنا ہے اس رابطے کو دریافت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم سمجھیں کہ ہم کس طرح سے اس کائنات کا جزو بنے ہوئے ہیں۔ کس طرح ہم سے قدرت ایک بہت بڑا کام لے رہی ہے۔ چلتے چلتے ایک بات کہہ دوں اگر اس خطہ زمین پر انسانوں کی بہت بڑی تعداد زندگی سے گزر کر موت کی منزلوں میں داخل ہو جاتی ہے تو یاد رکھیں کہ زمین پر کوئی بہت بڑا انقلاب آنے والا ہے اور وہ تمام لوگ جو مر جاتے ہیں وہ ایندھن بن گئے ہوتے ہیں...... ایندھن ان حالات کو جو پیدا ہونے والے ہوتے ہیں۔ مثلاً اچانک بہت بڑا قحط آ سکتا ہے کوئی بہت بڑی جنگ شروع ہو سکتی ہے۔ بہت بڑا اسیلاب آ سکتا ہے۔ کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے اسے آپ یوں کہہ لیں...... جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا...... ایک ایک چیز اس کائنات کا ایندھن بنتی جارہی ہے اور تغیرات کا ایک جہان نو اس کی جگہ آ رہا ہے جگہ لے رہا ہے۔

روحانیت جیسا میں نے عرض کیا ہے، اپنے اور کائنات کے درمیان رابطہ اور پھر ان دونوں کا رابطہ خدا کے ساتھ پھر یہ جاننا کہ ہم کیسے اس کائنات کا ایندھن بن رہے ہیں۔ ہمارے اندر سب سے بڑی صلاحیت ہماری عقل ہے ہر انسان کا اپنا ایک مقام ہے۔ ہر انسان اپنے مقام کے مطابق عقل سے کام لیتا ہے۔ مثلاً ایک گڈریا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور قرب یوں حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے...... اے اللہ! تو اگر مجھے مل جائے تو میں تیری جوئیں نکال دوں، تیرے سر میں تیل لگاؤں...... یہ گڈریا اللہ کی ذات کو داد دے رہا ہے اپنے طریقۂ کار سے۔ ہر بندے کا داد دینے کا اپنا ایک ڈھب ہے۔ ایک آدمی نے بہت زیادہ علم حاصل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اس مقام کی عبادت چاہتا ہے۔ ایک آدمی کے پاس اتنا علم نہیں، شعور نہیں تو یہ بالکل ویسی بات ہے کہ ایک آدمی کی کل پونجی ایک روپیہ

ہے۔ وہ اس میں سے پچاس پیسے اگر اللہ کے نام پر دے دیتا ہے تو یہ بالکل مساوی ہے اس آدمی کے جس کے پاس ایک ارب روپیہ ہے اور وہ اللہ کے نام پر آدھا ارب روپیہ دے دیتا ہے بات تو ساری کل پونجی کی ہے کہ ایک کے پاس ہے ہی ایک روپیہ پچاس پیسے دیتا ہے تو یہ پچاس پیسے دوسرے کے آدھے ارب روپے کے برابر ہیں بلکہ آدھی ارب سے بھی زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔

یہ بات میں نے مختصر لفظوں میں بیان کی ہے۔ اس کی گہرائیوں میں جائیں تو بہت دور تک ہم جا سکتے ہیں۔ اس علم کی گہرائیوں اور اسرار و رموز کے ابھی آپ متحمل نہیں ہو سکتے نہ ہی ابھی آپ کو روحانیت کا ماہر بننا ہے نہ معالج میں آپ کو اس مقام پر لانا چاہتا ہوں جہاں آپ اپنا روحانی اور جسمانی علاج کر سکیں۔ اس سے پہلے میں کچھ روحانی مشقیں دے چکا ہوں۔ ان کو کرنے کے لئے ایک اور ضروری بات ہے۔ جس کو سادہ لفظوں میں بیان کرتا ہوں۔ یاد رکھیں کہ باطنی آنکھ، باطنی اور روحانی جسم ہمارے اس جسم سے کہیں زیادہ طاقتور یونٹ ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ طاقتور فرد یہی ہے جو باطنی ہے۔ یہ باطنی جسم ایسے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دے سکتا ہے کہ ہمارا شعور ہماری عقل مان ہی نہیں سکتی۔

یہاں میں یہ بھی بیان کر دوں کہ ہمزاد کیا ہے تا کہ لوگ اسے واقعی ہمزاد نہ سمجھ لیں۔ بات یوں ہے کہ ہمارے ہاں اکثر لوگ ہمزاد کے عمل کے لئے راہیں اور طریقے تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ آپ نے ہمزاد کا لفظ اکثر سنا ہو گا مگر یہ جاننے کی کوشش نہیں کی ہو گی کہ ہمزاد ہوتا کیا ہے۔ اس پر کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور اس سے تعلق رکھنے والے بے شمار واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ ہم نے ہمزاد کو قابو میں کیا وغیرہ وغیرہ اور اکثر یہی تصور پایا جاتا ہے کہ ہمزاد انسان کے اندر کا ایک فرد ہے یا اس کے اندر کا ایک جسم ہے جو باہر آ جاتا ہے وہ ہمزاد ہے یہ تصور درست نہیں ہے۔ ہمزاد کو بعض لوگ جنات کی مخلوق میں سے سمجھتے ہیں یہ بھی غلط ہے۔ میں تھوڑا سا اس سے پہلے بیان کر چکا ہوں کہ انسانی جسم کے بڑے بڑے تین حصے ہیں۔ ایک حصہ اس کا جسم ہے جو مادی اشیاء سے بڑھتا پلتا ہے۔ ایک

حصہ اس کا جسم مثالی ہے جو اس وجود میں ایک کیسٹ کی طرح ہے۔

مثالی جسم کے بارے میں بہت سی مغربی تحقیقات بھی ہمارے سامنے آئی ہیں کچھ ہی عرصہ پہلے یہاں ایک فلم دکھائی گئی تھی اور اس سے پہلے ایک کتاب بھی لکھی گئی تھیں۔ دونوں کا موضوع یہ تھا کہ بعض لوگ مرض کے دوران تھوڑی دیر کے لئے ''کاما'' (Coma) میں چلے جاتے ہیں۔ کاما سکتے سے ملتی جلتی بیہوشی کو کہتے ہیں۔ کاما بعض حالتوں میں موت کے مشابہہ ہوتا ہے۔ ایسے بہت سے لوگوں کا جو مختلف اوقات میں کاما میں چلے گئے تھے کسی ڈاکٹر نے انٹرویو لیا۔ یہ دو دو چار چار منٹ اور کچھ اس سے زیادہ وقت کاما میں رہے تھے۔ میڈیکل یا طبی طور پر وہ مر چکے تھے لیکن پانچ سات منٹ کے بعد وہ زندہ ہو گئے تھے یعنی یہ (Clinical Death) تھی۔ ایسے لوگوں سے اس ڈاکٹر نے جو انٹرویو لئے وہ اس نے کتابی صورت میں چھاپے تھے۔ ان سب کے بیان ایک جیسے تھے انہوں نے بتایا کہ مر کر وہ کہاں گئے اور انہوں نے کیا کیا دیکھا۔ ان میں سے ہر ایک نے کہا کہ مر کر وہ ایک سرنگ میں داخل ہو گیا جو نورانی بالوں کی بنی ہوئی تھی۔ اس میں سے گزر کر میں ایک پر فضا مقام پر پہنچ گیا۔ ہر ایک نے سرنگ کے آگے کے مناظر کا حسن اور انوکھا پن ایک جیسا بیان کیا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ ادھر سے آواز آتی ہے...... آؤ، آؤ میری طرف آؤ۔ میری طرف آؤ...... تقریباً سب نے کہا کہ انسان اس سرنگ میں سے تیرتا ہوا گزر جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا گیا کہ ہر شخص جب بھی مرا اس نے ایک سٹریچر بنایا جس کے نیچے ایک بیلنس لگا ہوا تھا۔ وزن کا سلسلہ ہوتا تھا۔

ان کے انٹرویو لینے والوں کے مشاہدے میں آیا کہ ''موت'' کے بعد اکیس گرام وزن کم ہو گیا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ موت کے ساتھ جو چیز جسم کے اندر سے نکل جاتی ہے، وہ اکیس گرام وزن کی ہوتی ہے۔ یہ جسم مثالی کا وزن ہے۔ جسم مثالی حقیقت میں کسی نہ کسی ہلکی دھات کا بنا ہوا ہے یا جو بھی اس کا میٹریل ہے وہ ہم نہیں جانتے کیا ہے۔ اس کو جسم مثالی اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی کیفیت جسم جیسی ہی ہے۔ بعض کیسوں میں یہ بتایا گیا کہ کوئی آدمی

''مر'' گیا تو اس نے دیکھا کہ بادل کی طرح کا ایک وجود اس کے جسم سے نکلا اور غائب ہو گیا۔ بعض نے یہ بیان دیا کہ انہوں نے ''مر'' کر اپنے جسم کو بے جان پڑا دیکھا۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ جانوروں کے جسم میں جسم مثالی نہیں ہوتا۔ مرے ہوئے جانور کو تولا گیا تو اس کا جسم گھٹا نہ بڑھا۔ جسم مثالی انسانی جسم میں ہوتا ہے یعنی ایک ہمارا وجود اور دوسرا جسم مثالی، تیسری چیز روح ہے جس کی واضح نشاندہی قرآن میں موجود ہے اسی کے حکم سے وجود ہوتا ہے ابھرتا ہے اجرا ہوتا ہے۔

روح کیا ہے؟...... اس جسم اور جسم مثالی کے لئے آرڈر کہ یہ دونوں فلاں وقت تک کے لئے اکٹھے رہیں۔ یہ ہے روح، اس طرح یہ حقیقت سامنے آئی کہ جسم میں اور کوئی ایسی چیز نہیں جو باہر آئے۔ اگر جسم مثالی باہر آجاتا ہے تو اس کی صورت یہ ہو جاتی ہے کہ اس جسم کو بالکل بے حرکت ہونا پڑتا ہے۔ یہ جسم پھر حرکت نہیں کر سکتا۔ اسے روح کی اڑان کہتے ہیں یا جسم مثالی کی اڑان کہتے ہیں۔ اس حالت میں انسان کا جسم اکڑ جاتا ہے اور اس میں نسمہ جو ہے وہ ساری دنیا میں پھرتا ہے۔ یہ تجربات کئے گئے ہیں۔ گہری تحقیق کی گئی ہے۔ مشاہدات میں بھی بے شمار واقعات آئے ہیں۔ لوگوں کے ذاتی تجربات بھی ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمز اس میں کہاں ہے؟...... ہمزاد کے معنی ہیں جو اپنے ساتھ پیدا ہوا۔ ایک حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہر انسان کے ساتھ ایک قرین ہوتا ہے۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میرے قرین کو اللہ تعالیٰ نے مسلمان کر دیا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہی قرین ہمزاد بن کے آتا ہے۔ میری جو تحقیق ہے ہمزاد کے سلسلے میں وہ یہ ہے کہ حقیقت میں، ہمزاد کو قابو کرنے کے کئی طریقے ہیں مثلاً ان میں سے ایک بڑا طریقہ یہ ہے کہ پیچھے دیا رکھ دیا جاتا ہے اور سائے کے اوپر نظر جمائی جاتی ہے تو آنکھوں میں سے نکلنے والا ایک مادہ جسے عورہ کہا جاتا ہے، وہ اس پر جمنا شروع ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ اس کا ایک مقناطیسی ڈھانچہ بن جاتا ہے چونکہ ہمارا تصور یہ ہوتا ہے کہ یہ ہماری شکل کا ہوگا تو وہ ہماری ہی شکل میں بن کر سامنے آتا ہے مگر حقیقت میں اس کو ہماری قوت تخیلہ یا واہمہ نے تخلیق کیا

ہوتا ہے۔

ہمزاد کو مختلف عملوں سے قابو کیا جاتا ہے۔ عمل پڑھے جاتے ہیں تو وہ آتا ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ ہمزاد بھی ایک موکل کا نام ہے جو ہمارا ہم شکل ہوتا ہے بالکل دوسرے موکلوں کی طرح وہ باقاعدہ ہمارا ہم شکل ہوتا ہے یعنی موکل چاہے تو وہ کسی بھی شکل میں آ سکتا ہے یعنی آپ اگر اس تصور کے ساتھ عمل پڑھتے ہیں کہ وہ ہمارا ہم شکل ہوگا تو وہ آپ کا ہم شکل بن کر آئے گا۔ بس اتنی سی بات ہے چنانچہ وہ ایک الگ چیز ہے...... آپ کے وجود کے اندر سے نکلنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔ اگر آپکے وجود کے اندر سے نکلے تو پھر وجود کو نرم ہو جانا چاہیے سن ہو جانا چاہیے۔ اس کو بالکل حرکت نہیں کرنی چاہیے۔

ہمزاد ایک موکل ہے، چنانچہ یہ جو جسم باطنی اور نورانی جسم ہے اس کو وہ ہمزاد نہ سمجھا جائے بلکہ یہ جسم وہ جسم مثالی ہے جس کی قوتیں بے پناہ ہیں کیونکہ ہمارے جسم کے اندر زندگی کے آثار ہی اس کی وجہ سے ہیں۔ زندگی کا سارا سلسلہ ہی اسی کی وجہ سے ہوتا ہے اور جب انسان مرتا ہے تو وہی جسم عالم ارواح کی طرف جاتا ہے جہاں سے آیا ہوتا ہے اور وہیں واپس چلا جاتا ہے تو حقیقت میں ہم نے تصور اس کی آنکھوں کا کرنا ہے یہ سارا عمل وہ کر رہا ہے کیونکہ جن چیزوں کو ہم درست کر رہے ہیں جن خانوں سے ہم سیاہیاں نکال رہے ہیں اور اپنے آپ کو جلا بخش رہے ہیں اور جن اینٹوں کو ہم درست کر رہے ہیں وہ بھی سارے کے سارے اسی چیز کے بنے ہوئے ہیں۔ اسی مادے یا شے کے بنے ہوئے ہیں جس کا جسم مثالی بنا ہوا ہے۔ اس کا اس گوشت پوست سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ لہٰذا ان کو ٹھیک بھی وہی جسم کر سکتا ہے اور اسی کے ہاتھ کر سکتے ہیں۔ تو اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ اس کا کوئی تعلق واسطہ ہمزاد سے نہیں ہے۔ ہمزاد ایک دوسری چیز ہے۔ جس کے بارے میں ہم آگے چل کر موزوں مقام پر اس کا تفصیلی تذکرہ کریں گے۔

آئیے آپ کو روحانیت کی کچھ مشقیں بتا دیں۔ یہ کریں اور نتائج دیکھیں۔

بعد نماز عشاء یا رات کو ارد گرد خاموشی ہو جانے کے بعد یہ عمل کریں جیسے آسائش کے

ساتھ باادب بیٹھ سکتے ہیں بیٹھیں۔

ا۔ دورد شریف

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ دَائِمًا اَبَدًا. (اابار پڑھیں)

بعد آیۂ نور کا یہ حصہ

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۷۰ بار پڑھیں)

۳۔اس کے بعد آنکھیں بند کرلیں اور تصور کریں کہ ایک وجود تو آپ کا مادی ہے یعنی گوشت پوست کا مگر ایک وجود اس مادی وجود کے اندر بھی ہے، اسے ایثری وجود روحانی وجود، نسمہ یا مثالی وجود بھی کہتے ہیں۔ میں اپنے اس سلسلۂ مضامین میں اسے مثالی وجود ہی لکھوں گا۔ جیسے آپ کے مادی وجود کے اعضاء ہیں، مگر یہ قوت اور وسعت میں مادی وجود سے کہیں زیادہ اعلیٰ وارفع ہے۔

نوٹ: بعض لوگ اسے ہمزاد سمجھتے یا کہتے ہیں مگر یہ بات درست نہیں جسم مثالی در حقیقت وہ جسم ہے جو ایک کیسٹ کی صورت میں فطرت کی جانب سے ہمارے مادی وجود کے ڈیک میں رکھ دیا جاتا ہے۔ جب تک یہ مادی جسم سے منسلک رہتا ہے ہم زندہ رہتے ہیں، جب یہ ایک معین وقت پر مادی جسم سے متعلق توڑ کر اپنی فضاؤں میں چلا جاتا ہے، ہم مرجاتے ہیں۔ فی الحال اتنی سی تفصیل پر اکتفا کریں۔

سو واپس اپنے موضوع کی طرف آئیں۔ میں کہہ رہا تھا کہ آنکھیں بند کر کے تصور کریں کہ آپ کے مادی وجود کے اندر ایک مثالی وجود ہے جس کے اتنے ہی اعضا ہیں جتنے آپ کے مادی وجود کے۔ اس مثالی وجود کو خوب غور کر کے دیکھیں اس کے دو ہاتھ ہوں گے، دو پاؤں ہوں گے۔ سر، چہرہ، سینہ اور ٹانگیں وغیرہ سب کچھ ویسا ہوگا، جیسا کہ ہر مادی وجود کا ہوا کرتا ہے۔

۴۔ جب آپ اپنے تصور میں مثالی وجود کا سر اور چہرہ محسوس کرنے لگیں (کیونکہ ابتداء میں تو یہ صرف احساس میں ہی ہوگا۔ مشق کرتے کرتے یہ بالکل ویسے دکھائی دینے لگتا ہے جیسا کہ وہ درحقیقت ہے، تو اپنے احساس میں جسم مثالی کے ہاتھوں کو اپنی بھنوؤں تک لے جائیں، پھر اپنے انگوٹھوں اور انگلیوں کو کن پٹیوں سے بھنوؤں تک دونوں طرف رکھ کر سر کے اوپری حصے کو اٹھائیں۔ یہ کن ٹوپ کی طرح اٹھ جائے گا، سر کے پیچھے گدی کے پاس ایک قبضہ لگا ہوگا۔ ہولے ہولے سر کو پیچھے لے جا کر قبضے پر ٹکا دیں اور دیکھیں آپ کا دماغ یعنی بھیجا نچلے سر کی گہرائی میں آٹے کے پیڑے یا چلتے ہوئے پنکھے کے پھیلے ہوئے پروں کی طرح ہوگا۔

۵۔ اس لمحے دماغ کو اور غور سے دیکھیں وہ کچھ ذیل کے سکیچ کی طرح سات حصوں میں بٹا ہوگا۔

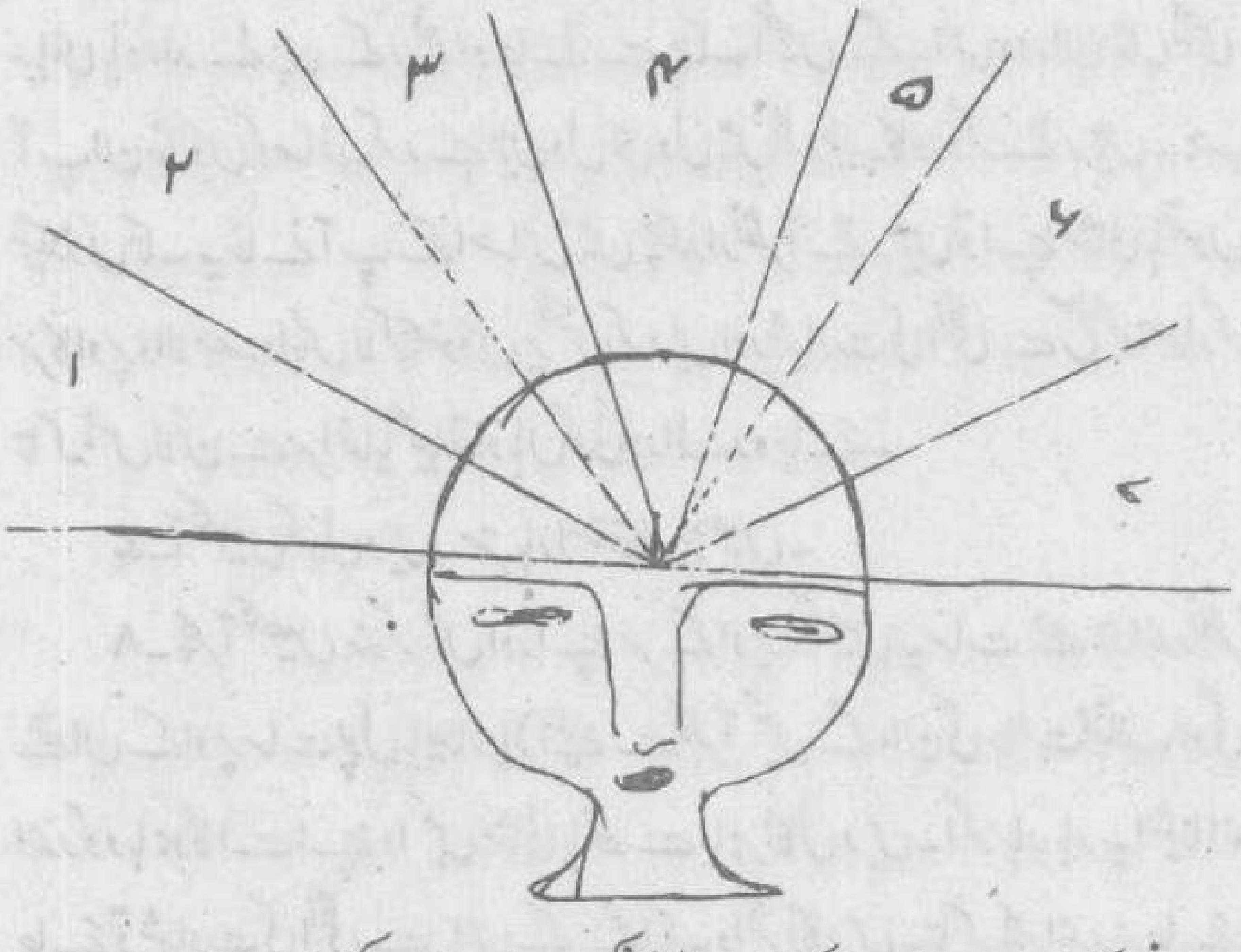

دماغ کے ان سات حصوں کو اپنی مثالی آنکھوں سے بغور دیکھیں ان میں سارے یا چند ایک حصوں میں سیاہی بھری ہوئی دکھائی دے گی۔ کچھ حصے دھندلے ہوں گے ہوسکتا ہے کچھ چمکدار بھی ہوں۔ بہر حال جب اچھی طرح محسوس ہو جائے کہ کون کون سے حصوں

میں سیاہی یا دھندلا پن ہے تو اگلا قدم اٹھائیں۔

۶۔ اسی حالت میں رہتے ہوئے تصور کریں کہ زمین کی تہہ میں یا پاتال میں ایک انجن لگا ہے جس کی ساخت کلمۂ طیبہ پر بنی ہے۔ تقریباً ایسے

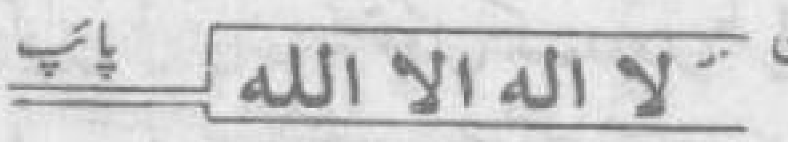

پہلے لفظ یعنی لا میں ایک بٹن لگا ہے اور اسم ذات اللہ کی ہ سے ایک پائپ نکل کر آپ کے ہاتھ میں آ گیا ہے۔ لا میں لگا ہوا بٹن دبا دیں، انجن تیزی سے ہوا اپنی طرف کھینچنا شروع کر دے گا۔ پائپ کا سرا ایک ایک کر کے ساتوں حصوں میں لگائیں چونکہ انجن ہوا کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ لہٰذا دماغ کے خانوں کی سیاہی اس ہوا کے ساتھ انجن میں سے ہوتی ہوئی پاتال میں ابلتے ہوئے لاوے میں چلی جائے گی اور یکے بعد دیگرے تمام خانے سیاہی یا دھندلے پن کے رفع ہو جانے سے چمک اٹھیں گے۔ اس دوران میں یعنی جب آپ ان خانوں کو صاف کر رہے ہیں دل ہی دل میں کلمہ طیبہ کا ورد کرتے رہیں۔ جب چند سیکنڈ تک یہ خانے آپ کے احساس میں چمکدار نظر آتے رہیں تو اپنے مثالی ہاتھوں سے سر کا اوپر والا حصہ واپس لا کر بھنوؤں پر فکس کر دیں اور شہادت کی انگلی سے سطح کو ہموار کر دیں تا کہ جس لائن سے سر اٹھایا گیا تھا وہاں کوئی دراڑ نہ رہ جائے۔

۷۔ آنکھیں کھول دیں۔ ستر بار استغفار پڑھیں۔

۸۔ پھر آنکھیں بند کر لیں اور اپنے سر کے اوپر دیکھیں یہ سات حصے جو اندر نظر آئے تھے ان کے اوپر سات پول یا مینار یا (انٹینے سے نظر آئیں گے، ان کی حالت مختلف ہوگی، کوئی اندر کو دبا ہوگا اسے اپنے دائیں مثالی ہاتھ سے باہر نکال دیں۔ اگر بار بار یہ انٹینا اندر چلا جائے تو شہادت کی انگلی سے اس کے نیچے ایک واشر لگا دیں۔ تا کہ پھر اندر نہ جائے۔ کچھ انٹینے ٹیڑھے ہوں گے ان کو انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کی مدد سے سیدھا کر دیں۔ المختصر ان ساتوں انٹینوں کو باہر ہونا چاہیے۔ سیدھا ہونا چاہیے اور چمکدار ہونا چاہیے۔ چمکانے کے لئے شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کے ذریعے انہیں رگڑ کر چمکا دیں۔

۱۰۔ یہ مشق دن میں صرف ایک بار کرنی ہے مگر دن میں جب بھی دو چار منٹ ملیں آنکھیں بند کریں اور احساس میں دیکھیں کہ انٹینے درست ہیں۔ اگر درست نہیں ہیں تو فوراً انہیں ٹھیک کر دیا کریں۔ پھر اندر کھوپڑی کے آر پار دیکھیں کہ ان ساتوں حصوں میں کہیں پھر تو سیاہی نہیں جم رہی اگر ایسا ہو تو فوراً پائپ کے ذریعے صاف کر دیا کریں۔ ایسا کرنے سے چند ہی روز میں مستقل طور پر انٹینے درست رہنے لگیں گے، دماغ کے خانے شفاف رہیں گے۔

۱۱۔ اب مختصر لفظوں میں یہ بھی سمجھ لیں کہ اس مشق کے فوائد کیا ہیں۔ فوائد سے پہلے ان خانوں کی تھوڑی سی تشریح سمجھ لیں تب آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کتنی قابل قدر مشق ہے۔

(۱) خیر و برکت اور انعامات (۲) قبولیت دعا (۳) روحانی روشنی (۴) اس حصے سے آپ کا باطنی نظام سے منسلک رہتا ہے۔

(۵) اعمال کا محاسبہ (۶) کشف اور روحانی کمالات کا حصول (۷) ارتقاء اور تسخیر

کچھ یوں سمجھ لیں کہ فضا میں تو ان برکتوں اور فیض رسانیوں سے آتی رہتی ہیں مگر ہمارے باطنی انٹینے اتنے ٹیڑھے میڑھے یا بند ہوتے ہیں کہ ان برکات کو وصول ہی نہیں کر پاتے یا باطنی ذہن کے خانے اتنے سیاہ اور دھندلے ہوتے ہیں کہ وہ فیوض انٹینوں سے آگے بڑھ کر ہمیں مستفیض ہی نہیں کرتے، کیونکہ آگے راستہ بند ہوتا ہے۔

سو اس مشق کو مسلسل کرنے کے بعد بدقسمتی آپ کی زندگی میں نہیں رہ سکتی۔ مکمل روحانی رہنمائی کو آپ وصول کرتے ہیں اور رہنمائی کا مفہوم بہت جلد سمجھ جاتے ہیں۔ روحانی خواب صاف ہو جاتے ہیں۔ اس مشق کو کرتے ہوئے کوئی اور روحانی مشق بھی جائے تو اس میں ناکامی نہیں ہوتی۔ یہ کوئی مشکل مشق نہیں نہ سمجھ میں آئے تو میری تحریر کو بار بار پڑھیں۔ ساری بات آپ پر واضح ہو جائے گی۔ بسم اللہ کیجئے اور ہمیں نتائج سے آگاہ کیجئے۔ (۱۱)

درد بھری باتیں

خردمندوں سے کیا پوچھوں اگر میری ابتدا کیا ہے۔
کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں میری انتہا کیا ہے۔

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے ایک آفاقی حقیقت کو الفاظ کا جامہ پہنایا ہے جس پر بہت کم لوگوں کی نظر پڑتی ہے۔ اگرچہ یہ سوال کہ ہم کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ ہمارا نقطہ آغاز کیا ہے؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میں تخلیق کس لیے کیا گیا؟ ایسے بے شمار سوال ''میری ابتدا کیا ہے'' کے زمرے میں آتے ہیں، ذہن کے پردوں سے ٹکراتے ہیں کبھی ایک سرگوشی کی صورت، کبھی ایک چنگھاڑ کی مانند مگر ہم وہ خود ساختہ گونگے بہرے اور اندھے ہیں کہ بہت کچھ جاننے اور سمجھنے کے باوجود کچھ سوچنا کچھ سمجھنا نہیں چاہتے حتی کہ تنگ آکر اللہ نے بھی ہمارے دلوں کانوں اور آنکھوں پر مہریں لگا دی ہیں، تاہم چونکہ اہل مغرب نے انسانی وحیوانی اجساد کی ابتداء پر بہت کچھ تحقیق کی ہے۔ اس کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ نے کہا کہ ان خردمندوں سے اپنی ابتداء کا کیا سوال کروں کہ دیدانت، کنفیوشس ازم، طاؤ ازم، مجوسیت نصرانیت یہودیت، فلسفہ، ریاضی، اشراقیت کوئی مذہب کوئی علم کوئی ہنر اس کا شافی جواب آج تک نہیں دے سکا۔ صرف قیاسات پر مبنی مختلف خیالات وتصورات لاکھوں صفحوں پر بکھرے پڑے ہیں اور سرا ہاتھ نہیں آتا۔ تو ابتداء کی تلاش میں بھٹکنے کی بجائے بہتر ہے انتہا کی فکر کیوں نہ کروں! ظاہر ہے ہر ابتداء کی ایک انتہاء ضرور ہوتی ہے۔ ہماری انتہا دو طرح سے ہے ایک تو عرف عام میں خاتمہ بالخیر اور بالایمان ہے۔ دوسری انتہا خدا پرستی کا شعار اختیار کر کے اس انتہا کو چھونا ہے، جو مقصود کائنات ہے یعنی عرفان ومعرفت!

یہ مختصر سی تشریح جو ہماری ابتدا وانتہاء کے بارے میں ہے ہمیں دعوت دیتی ہے کہ

ہم دلوں کے تالے کھولیں اور سفلی جذبات سے معمور روز و شب میں ایک بار رک کر سوچیں کہیں ہم بہت بڑے خسارے سے تو دو چار نہیں؟ اس دنیا میں ہمارا تھوڑا سا مال یا مادی نقصان ہو جائے تو ہمارا کلیجہ منہ کو آ جاتا ہے۔ ہم منہ بسورے اپنے عزیزوں، رشتہ داروں، دوستوں سے بار بار اس کا ذکر کرتے ہیں۔ کڑھتے ہیں۔ اگر یہ نقصان ہمارے کسی غلط قدم کے سبب ہوا ہے تو اپنے آپ کو کوستے ہیں کہ میں نے یوں کیوں نہ کیا، اور یوں کیوں نہ کیا۔ زیادہ دل دکھ جائے تو روتے بھی ہیں، چیختے چلاتے بھی ہیں۔ بعض خدا سے گلہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں کہ تو چاہتا تو ہمیں اس نقصان سے بچا سکتا تھا۔

ایک صاحب میرے پاس آئے کہنے لگے ''میری چوری ہو گئی ہے۔ اس پچاس ساٹھ لاکھ کی آبادی میں اللہ کو میں ہی ملا تھا کہ میری چوری کرا دیتا؟...... مجھے اس کی اس بات پہ بہت غصہ آیا۔ جی چاہا کہ اسے وہ کھری کھری سناؤں کہ ایک بار اس کا سر گھومنے لگے۔ پھر مجھے خیال آیا، ایسے بدسوچ لوگ تو اس معاشرے میں لاتعداد ہیں، کس کس کو سرزنش کروں گا، سو میں نے بڑی بردباری سے پوچھا۔

''میرے بھائی! آپ اللہ کو مانتے ہیں؟''

''کیوں نہیں؟''......اس نے چمک کر کہا۔

''کس اللہ کو؟''...... میں نے کہا......''وہ جو بقول آپ کے لوگوں کی چوریاں کراتا پھرتا ہے؟ اور آپ کو رشوت لینے پر اکساتا رہتا ہے۔ (نعوذ باللہ)

''میں نے کب کہا کہ اللہ رشوتیں لینے پر اکساتا ہے......وہ بھڑک اٹھا...... یہ برا فعل سہی لیکن میرا اپنا ہے۔

میں نے کہا......''شکر ہے آپ کو اتنا تو پتہ ہے کہ یہ برا فعل آپ کا اپنا ہے۔ اسی طرح چوری کرنے والے کا فعل بھی اپنا تھا، آپ اس میں اللہ تعالیٰ کو کیوں گھسیٹ لائے؟ اور آپ کے اس اعتراف کے بعد بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ آپ نے اپنی کرسی اور اختیار کے بل بوتے پر دن دیہاڑے ایک شخص یا بے شمار اشخاص کی جیبوں پر

ڈاکہ ڈالا۔ پھر چور کو مور تو پڑنا تھا، سو پڑ گیا۔ مال حرا بود بجائے حرام رفت حساب بے باق ہو گیا۔

''آپ ادیب ہیں''......وہ یہ کہہ کر روانہ ہو گئے۔''ادبی چرب زبانی سے جیت گئے ورنہ......''

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

''اللہ نے ان کے دلوں اور سماعتوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی بصارتوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے''

جس شخص کا میں نے ذکر کیا ہے اس نے کبھی شادی بھی نہیں کی صرف اس خوف سے کہ بیوی آ کر اس کی ساری دولت کو چٹ کر جائے گی۔ دردناک عذاب اور کیا ہوتا ہے؟ یہی نا کہ حرام کے راستے بے شمار دولت بھی اکٹھی کی، اسے خرچ بھی نہ کیا اور اسی خوف میں مر گئے کہ دولت ختم نہ ہو جائے......اللہ کے عذاب بھی عجیب ہیں۔

میرے پاس بہت سے لوگ یہ خوف لے کر آتے ہیں کہ جناب ہم مر گئے تو ہماری اولاد کا کیا ہو گا؟ لوگ ہمارے بارے میں کیا سوچیں گے کہ ہم اولاد کے لیے کچھ بھی چھوڑ کر نہیں مرے؟ ایسے لوگ زندگی میں ہزار موت مرتے دیکھے ہیں۔ جائز و ناجائز ہر حربہ اختیار کر کے دولت پیدا کرتے ہیں۔ کروڑوں کی رقمیں بینکوں میں چھوڑتے ہیں اربوں کی جائیداد اولاد کے لئے بناتے ہیں، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کی آخری عمر ایک عذاب مسلسل بن جاتی ہے اولاد کئی دھڑوں میں بٹ جاتی ہے ہر ایک کی نظر اس لالچ پر ہوتی ہے کہ ساری جائیداد یا اس کا بڑا حصہ باپ اسے دے کر مرے۔ چنانچہ یہ سب بوڑھے باپ کو جھوٹی خدمت گزاریاں کر کر کے دکھاتے ہیں۔ جھوٹے پیار جتاتے ہیں اور باپ غریب ہر دوسرے روز کسی اور بیٹے یا کسی اور بیٹی کے رحم و کرم پر ہوتا ہے میرے ایک بزرگ دوست کے ساتھ یہی کچھ ہوا۔ اگرچہ یہ پرہیزگار اور نیک بندہ تھا۔ دولت بھی ناجائز نہیں تھی مگر

بیٹوں میں باپ کے لیے زبردست رسہ کشی ہوئی۔ باپ خوب جانتا تھا کہ ان بیٹوں کو اس سے ذرا برابر بھی محبت نہیں، صرف بابا بینک بیلنس کی کرامت تھی کہ موت سے پہلے اس کی ساری اولاد میں اس کے لیے والہانہ عشق جاگ اٹھا۔ یہ تو خیر اچھا انسان تھا رزق حلال کمانے والا تھا مگر وہ جو حرام کے اربوں کھربوں کماتے ہیں یہی سمجھتے ہیں کہ انہوں نے بہت کچھ کمایا۔ بہت کچھ بچایا بہت کچھ ان کے ہاتھ لگا، ناجائز دھندوں سے مگر اے کاش، وہ رک کر ایک بار سوچیں یا اب سوچیں ایک بار محسوس کرتے یا اب کریں کہ

''جب تک ان کی ناجائز کمائی ان کی نسلوں میں چلتی رہے گی۔ ان کی نسلیں بھی دوزخ کا ایندھن بنتی رہیں گی اور جس طرح نیک روحوں کو صدقہ جاریہ کا ثواب تا قیامت ملتا رہے گا۔ اسی طرح ان لوگوں کو اس حرام جاریہ کا عذاب قیامت تک بصد تزک واحتشام ملتا رہے گا۔''

کتنے جی دار ہوتے ہیں یہ لوگ کہ اتنے بڑے خسارے پر اتنے بڑے نقصان پر فخر کرتے ہیں کہ ہم نے اولادوں کے لیے کتنا کچھ چھوڑا، غداریوں میں ملنے والی جاگیروں کے مالک، ملاوٹوں کے ذریعے قوموں کی قومیں تباہ کر کے اربوں کھربوں کمانے والے یہ تاجر اجارہ داریاں قائم کر کے روزانہ ضروریات کی چیزوں اور اجناس خورد ونوش کو اپنی من مرضی کی قیمتوں پر فروخت کرنے والے یہ ذخیرہ اندوز اور صنعت کار سیاست کے نام پر قوم اور وطن کی تباہیوں کا سامان کرنے والے یہ سیاست دان اور پانچ پانچ کروڑ روپے کی سیاسی رشوت وصول کر کے اپنی وفاداریاں بدلنے والے یہ سیاسی کم ظرف غور سے سن لیں کہ ان کے لیے عذاب مسلسل کی بشارت ہے، اس عذاب مسلسل کی جس کو تصور کر کے بڑے بڑے انبیاء بڑے بڑے اصفیاء اور بڑے بڑے اولیاء کے کلیجے پارہ پارہ ہو جاتے تھے۔ بدن لرزتے تھے خوف ان کے سینوں میں برف کا پہاڑ بن کر زمہریرین چلا دیتا تھا اور ان کی پاک زبانوں سے بے اختیار نکلتا تھا۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا.

اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد اس ہدایت سے
ہمارے دلوں کو نہ پھیر۔

اے سرمایہ پرستو! اے جاگیروں کو سجدہ کرنے والو! اے خدایان دہ! یاد رکھو جن بچوں کے عشق میں تم لوگوں نے مخلوق خدا اور خدا کی زمین پر ظلم کر کے اپنی تجوریاں بھریں۔ جس عذاب مسلسل کی نوید میں نے تم کو دی ہے اس کی لامحدود تاریکیوں میں گھر کر تم لوگوں کو ان بچوں سے نفرت ہو جائے گی اور تم خدائے جبار و قہار سے دعا کرو گے کہ ہماری نسلوں کو ختم کر دے تاکہ ان کے منہ میں جانے والا رزق حرام کا نوالہ رک جائے اور ہمارا وہ عذاب مسلسل ختم ہو جیسے ہم اپنا اعزاز سمجھ کر اپنی نسلوں کو دے آئے تھے۔ تم کو نفرت ہو جائے گی قارونیت کا مزاج رکھنے والے ان جذبوں سے جن کی چھتر چھاؤں میں اوروں سے بڑھ کر دولت مند بننے کی خواہش تم کو حرام و حلال کی تمیز بھلا دیتی ہے۔

یاد رکھو، تمہاری دولت کے انباروں اور خزانوں کی چالیس اونٹوں پر لدی ہوئی چابیاں دہکتے ہوئے انبار بن کر تمہارے روئیں روئیں سے لپٹنے والی ہیں۔ یہ جو بلا محنت، بلا مشقت صرف دھوکا فریب اور کج روی سے کمائی ہوئی دولتیں تمہاری روح کو بدقماش عورتوں کے چنگل میں پھنسا دیتی ہیں اور تم اس زمین پر ایک عذاب مسلسل میں گرفتار ہو جاتے ہو۔ مبارک ہو کہ آنے والا عذاب اس سے کہیں ہیبت ناک ہوگا جو ہر لمحہ سواگت کرنے کے لیے بے چین ہے،

وَالْعَصْرِ o اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ o اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ o وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ o

”قسم ہے زمانے کی، انسان بلاشک بڑے نقصان میں ہے۔ سوائے ان کے جو مومن ہیں اور نیکوکار ہیں اور ایک دوسرے کو سچائی کی وصیت کرتے ہیں اور اس پر قائم رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔“

حیرت ہے اس خسارے پر نہ کوئی کڑھتا ہے نہ بسورتا ہے نہ روتا ہے ہم حصول دنیا کی

کن کھائیوں میں جا گرے ہیں۔ ہم اپنی ابتداء کی تلاش سے ایک انچ آگے نہیں بڑھ رہے۔ انہی گھاٹیوں انہی زہرناک وادیوں میں بھٹک رہے ہیں۔ اس لیے بھٹک رہے ہیں کہ انتہا کی فکر ہم نے ذہنوں سے مٹادی ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ ان لوگوں کی کہانیاں مزے لے لے کر سناتے سنتے اور ذہنوں میں بساتے ہیں۔ ''فلاں جاگیردار موسیقی کے بڑے شیدائی تھے چار بیویاں تھیں ایک ہزار مربع زمین تھی (یقیناً آباؤاجداد کو غداری کے صلے میں ملی تھی) یکے بعد دیگرے ان چاروں بیویوں سے لڑ پڑتے تھے پھر شمشاد جان یا زہرہ بائی کے ہاں ڈیرا جماتے تھے۔ پانچ پانچ کے نوٹوں سے بیلیں دینا شروع کرتے تھے۔ ہزار ہزار کے نوٹ پر بائی ہاتھ چوم کر کہتی تھی۔ بس جان مان لیا کہ تمہیں ہم سے عشق ہے، ساری جائیداد جب تباہ ہوگئی تو بہن کو ان سے بہت پیار تھا۔ اس نے اپنے حصے کی ڈیڑھ سو مربع زمین بھی ان صاحب کے حوالے کر دی کہ میرے بھائی کی شان میں فرق نہ آئے۔ یہ ڈیڑھ سو مربع زمین بھی طوائفوں کی بھینٹ چڑھ گئی تو جاگیردار صاحب نے ایک رات پچیس طوائفوں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا اور خود ڈاکو بن گئے۔ لوگوں نے خوف کے مارے زمینیں واپس کر دیں۔ انگریزوں نے تحریک آزادی میں ڈاکو بہادر سے بہت سے سیاسی آدمیوں کو قتل کرایا۔ پھر نہ صرف ان کو عام معافی دے دی گئی بلکہ اس جاگیر کے نواب بھی قرار پائے۔

ان کی اصل کہانی تو ذہنوں سے اتر گئی البتہ اسی غدار کو تحریک آزای کا غازی قرار دے کر نئی کہانیاں لکھی گئیں۔ مرے تو رحمۃ اللہ علیہ ہو کر مرے۔

لوگوں کے آئیڈیل ایسے قصہ گو اور ایسے قصوں کے مرکزی کردار ہوا کرتے ہیں۔ لوگ سوچتے ہیں کتنے بڑے لوگ تھے۔ یہ خوب عیش بھی کیا۔ نواب بھی بنے اور مرتے وقت رحمۃ اللہ علیہ بھی قرار پائے ایسے ڈرامے ہماری نظروں کے لیے صحائف آسمانی سے زیادہ دلچسپ اور مقدس بن چکے ہیں۔ آٹھ بجے کا ڈرامہ لگنے کے بعد احکام قرآنی پر مبنی کوئی پروگرام ٹی وی پر چلا کر دیکھ لیں...... سب کو بھوک بھی یاد آجائے گی۔ بچوں کو ہوم ورک یاد آجائے گا اور وہ نہایت متقی طالب علم بن کر کاپیاں کالی کرنے لگیں گے اور پھر ایک چہرہ چہرے پر صدہا

خشونتیں لیے بڑھے گا۔ ایک ہاتھ اوچھا ساپڑے گا اور ٹی وی بند ہو جائے گا اور یوں کلام خداوندی سنانے والے کا گلا گھونٹ دیا جائے گا۔ خود پڑھنے کی توفیق تو خیر ہمارے نصیب میں نہیں۔ کسی سے سننا بھی گوارا نہیں کیونکہ صدیوں سے قرآن حکیم موروں کے پر پڑھ رہے ہیں۔ یا بروکیڈ کے جزداں اسے حفظ کر رہے ہیں۔

سیلاب سے پہلے میں اپنے دوساتھیوں سمیت مانسہرہ گیا۔ وہاں خطرناک رستوں پر مختلف پہاڑی چوٹیوں کی سیر کی۔ میں بالاکوٹ تک کا سفر کیا اور شہدائے بالاکوٹ کے مزارات پر حاضری دی۔ آج بھی سید احمد شہیدؒ سید اسمٰعیل شہید اور دیگر شہداء کا احترام اس شہر میں بدرجۂ اتم موجود ہے (یہ ساری سیر ایک الگ مضمون کی متقاضی ہے۔ یہاں ضمناً ذکر کیا ہے اور اس کی ایک وجہ ہے) دوروز مانسہرہ میں قیام کے بعد ہم مری آگئے جونہی مری میں داخل ہوئے۔ خوفناک طوفان بادوباراں نے آلیا، مسلسل یہ طوفان ۳۶ گھنٹے تک وقفے وقفے سے جاری رہا...... زندگی اس خطے میں مفلوج ہو کر رہ گئی، تین روز کے بعد خدا جانے کیسے اور کن حالات میں راولپنڈی پہنچے۔ تھوڑے سے قیام کے بعد لاہور کے لئے روانہ ہوئے راستے میں سرائے عالمگیر، جہلم اور گجرات کے علاقے پانی میں ڈوبے ہوئے دیکھے۔ لاہور پہنچے تو طوفان کی بلاخیزیوں اور دریاؤں کی سفاکیوں کا صحیح اندازہ ہوا۔ بالخصوص اس چیخ و پکار کو سنا کہ یہ عذاب فطرت بعض وزیروں کے سود پر کچھ بیانات کا فطری انتقام تھا۔

میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر بار بار دہراتا ہوں، اس لئے کہ یہ شعر مزاج فطرت کی ایک بہت بڑی حقیقت کو بڑے خوبصورت پیرائے میں پیش کرتا ہے کاش پوری امت مسلمہ اس شعر کو سینوں میں سمو لے تو شاید ہمارے کردار درست ہو جائیں وہ شعر ہے:

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

عذاب الٰہی کسی ایک کوتاہی پر نہیں آجایا کرتا۔ یہ پوری قوم، پوری ملت کا جامع کردار

نَــوُم۔ ''نہ اسے اونگھ پکڑتی ہے نہ نیند'' مگر یہ ہر ثانیہ نگرانی کرنے والی آنکھ خود بخود۔ مہر وقہر میں نہیں بدلتی۔ یہ بے رنگ آنکھ ہے اس میں رنگ ہم نے اپنے اعمال کو بھرنا ہوتا ہے۔ سوا پنی نیکوکاری کے ردعمل میں اسکی نوازشات وعنایات کے حقدار قرار پاتے ہیں۔ یا پھر بدکرداریوں کے بام پر کھڑے سیل بلاخیز کو بلا لیتے ہیں۔ پھر چار سو موت ہی موت ہوتی ہے...... سود تو ایک معمول ہے جو چار و ناچار مختلف ناموں سے زمین کے ہر ملک کے معاشروں میں رائج ہے پہلے اسے انٹریسٹ Interest کہتے تھے۔ آج کل منی رینٹ Money Rent کہتے ہیں یعنی رقم کا کرایہ بڑے بڑے فریب دیئے جاتے ہیں اس غیر شرعی منافع کو چھپانے کے لئے مگر میں ایک بات پوچھتا ہوں گزشتہ نصف صدی سے یہ جو ہم غیر مسلموں سے مدد لے لے کر زندہ ہیں۔ ان کا قرضہ جاری ہو جائے تو ہمارے چہروں پر رونق آجاتی ہے۔ وہ ٹوپی ٹیڑھی کر کے قرضہ روک لیں تو ہمارے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں کہ اب کیا ہوگا؟...... اس لمحے نہ ہمارے کسی عالم کو خیال آتا ہے نہ کسی مومن صاحب اقتدار کو کہ اب تک ہم اتنا حرام کھا چکے ہیں کہ اَلْاَمَانُ اَلْحَفِیْظُ۔ ہماری نسلیں خدا جانے کتنی نسلیں اسی قرضے کے بوجھ تلے دب کر معدوم ہو چکی ہیں۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ تو ۵۰/۵۱ میں صاف فرماتے ہیں۔

''اے ایمان والو! یہود ونصریٰ سے دوستی نہ رکھو۔ جو ان کا دوست ہوگا وہ انہی میں سے ہے''...... اس واضح حکم کے باوجود ہمارا ایک فیصد عمل بھی اس پر نہیں بلکہ ہم فخر سے گردن اکڑا اکڑا کر ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ اس ذہنی، ثقافتی اور معاشی غلامی پر تو کوئی سیلاب آج تک نہ اُمڈا۔ اور پھر یہ بھی تو دیکھئے ایسے طوفان، زلزلے اور مصائب تو ان ملکوں میں بھی آتے ہیں جہاں مسلمان نہیں بستے۔ وہاں اگر یہ سلسلے عذاب بن کر نمودار ہوتے ہیں تو وہ اپنی فنی عمارت اور مشینی استعداد سے دیکھتے دیکھتے ان عذابوں پر قابو پا لیتے ہیں۔ وقت سے پہلے اپنے علم وایقان کے بل بوتے پر اپنی آبادی کی اکثریت کو بچا لیتے ہیں۔ مگر ہم ایک

تو مصیبت زدہ ہوتے ہیں اوپر سے نالائقوں کی طرح ایک دوسرے پر اتہام، بہتان طرازی اور بڑی بوڑھیوں کی طرح کوسنوں اور پیش گوئیوں سے اپنے آپ کو ہونق بنا لیتے ہیں۔

شیراز محمود نے فون پہ مجھے بتایا۔ جبوڑی جہاں ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا تھا۔ اس کا بازار بہہ گیا ہے۔ بالاکوٹ کی مسجد جو سالہال سے ٹی وی پر سرحد کا سمبل بنی ہوئی تھی۔ دریائے کنہار کا نوالہ بن گئی ہے، شہر کا شہر تقریباً مٹ گیا ہے، راستے کند ہو گئے ہیں۔ وہ علاقے جو ہم نے دیکھے تھے دریائے سرن کے پتھراؤ میں خدا جانے کیا ہوئے۔ اب کے آپ آئیں گے تو یہاں دنیا ہی بدلی ہو گی۔

میرا دل بھر آیا درد میں ڈوبے ہوئے یہ الفاظ مجھے تڑپا گئے۔

"اے بھائی! ہم کون ہیں! نہ ہمارا کوئی وطن ہے نہ اہل میں نہ ہمسائے ہم جاگ اٹھیں یا سوئے رہیں ہمارے لیے سوائے شرمو خجالت کے کچھ نہیں۔"

میں سوچتا ہوں میں صحیح وسالم ان بلاخیز طاقتوں سے نکل آیا۔ میرا گھر بار بیوی بچے، مال ومنال سب کچھ محفوظ ہے مگر کیا میں ہمیشہ طوفانوں کی دست برد سے محفوظ رہوں گا؟ کیا میں کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے ہمیشہ یہ سوچتا رہوں گا کہ سفاک وقت کی بلی مجھے نہیں دیکھ رہی؟ کیا دوسرے ہی زمین پر پیدا ہونے والے کیمیائی عمل درد عمل کا شکار ہوتے رہیں گے؟...... نہیں یہ مکافات عمل کی دنیا ہے، یہاں ہر لحہ ہنگام سحر ہے اور...... اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ ...... کی صدا صور اسرافیل کی مانند ہر لمحے کے حلق سے بلند ہو رہی ہے۔ ہمیں کچھ کرنا ہے۔ آنے والی صبح ان لاکھوں انسانوں کی طرح چنگھاڑتے ہوئے سیل بیکراں کا خونخوار جبڑا بن کر نمودار ہو سکتی ہے جو گزشتہ چند روز میں کھلا ہوا گاؤں کے گاؤں بہا کر لے گیا۔ روحانی خبریں اب بھی دہشت ناک ہیں۔ نجانے اور کتنے طوفان منتظر ہیں جوف زمان ومکان میں اور کتنے لاوے ابل رہے ہیں وہ غیب وشہود کا خالق ہی جانے مگر ہم...... ہم تو اس سیلاب کو اپنی مذہبی، سیاسی اور مفاد پرستی کی دکانیں چمکانے کے لئے استعمال کر

رہے ہیں۔ دیکھا دیکھی بے شمار خیمے لگ رہے ہیں۔ کہیں دوسرا بازی نہ جیت جائے۔

گزشتہ نصف صدی سے ہم صرف اور صرف اپنی جاگیریں، بڑی بڑی انڈسٹریاں اور سیاسی اور سماجی گدیاں بچانے میں لگے ہوئے ہیں۔ خواہ ہم مذہبی جماعت ہوں خواہ سیکولر مزاج یا کلین شیو سوشلسٹ ہمارا نصب العین صرف اور صرف اقتدار حاصل کر کے من مانی کرنے کا جذبہ ہوتا ہے۔ اس کے لئے ہم ایسے ایسے سیاسی اتحاد بناتے ہیں جیسے نعوذ باللہ خدا اور ابلیس میں ملی بھگت ہوگئی ہو۔ کل تک ہم جس پر لعنتوں کی بوچھاڑ کر رہے ہوتے ہیں اگلی صبح وہ ہماری آنکھ کا تارا بن جاتا ہے کیونکہ ہم صرف ایوب کو اتارنے یحیٰی کو پچھاڑنے، بھٹو کو سولی پر چڑھانے اور ضیاء کو بقول شخصے سازش کے ذریعے تار تار کرنے میں لگے ہوتے ہیں، صرف کرسی اقتدار کے لیے، اور کرسی اس خطۂ زمین کے لئے وہ پیر تسمہ پا ہے کمبل نما ریچھ کی طرح اس سیلی اقدار میں نہ ہمیں ڈبوتی ہے نہ پار لگاتی ہے۔ پھر کرسی کو قائم رکھنے کے لئے کسی اصول کسی سچائی۔ کسی مہر کسی مروت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ غلاظتوں کے ڈھیر پر ہم حکومت کرتے ہیں۔ ہمارا اقتدار وہ بہتی ہوئی بدرو ہوتا ہے جس میں لٹی ہوئی عصمتوں مردہ ضمیروں اور وطن فروشی ایک سٹرانڈ بن کر بہتے ہیں اور جنہیں ہم اپنے رذیل ذہنوں کے لئے خوشبو کے جھونکے گردان لیتے ہیں۔

خدا کے لئے کوئی بتلائے کہ ہمارے ہاں کوئی ایسی جماعت ہے جو برسر اقتدار ہو تو ظلم نہ کرتی ہو۔ ملک و ملت کو لوٹتی نہ ہو اور جب اقتدار کھو دے تو ہارے ہوئے جواری کی طرح چیخ و پکار نہ کرتی ہو؟ ہائے اقتدار ہائے اقتدار ہمارے ہاں کی سیاست صرف اور صرف اتنی ہے۔

یہ عذاب اپنی جگہ کہ سرمایہ دار اور جاگیردار طبقہ تو ہر جگہ اپنا موروثی حق سمجھتا ہے کہ اس خطہ زمین کی ہر ثروت، ہر اچھی ملازمت اور ہر اعلیٰ درجے کے منی میکنگ پراجیکٹ پر صرف اور صرف انہی کا حق ہے۔ یہ بدنصیبی اپنی جگہ کہ ہمارے ہمارے عوام انگریزوں سے کہیں بڑھ کر شاہ پرست واقع ہوئے ہیں۔ انگریز تو صرف ایک شاہی خاندان سے اپنی وابستگی رکھتا ہے۔ یہاں گلی، گلی محلے محلے، بستی بستی اور شہر شہر بادشاہ موجود ہوں اور ان کے پرستار سالہا

سال سے ان کے حضور ایم پی اے ایم این اے، اور وزارتوں کی کرسیاں نذرانے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

لوگ صرف اور صرف ان مفاد پرستوں شرابیوں، کبابیوں، وڈیروں، جاگیرداروں اور خون خوانینوں کو ہی لیڈری کے گر آزما کر اپنے گھر بھرنے کے مواقع فراہم کرنا اپنا اعزاز سمجھتے ہیں۔ ان کی اپنی کلاس کا فرد یعنی مزدور یا کسان اوپر پہنچنے کی کوشش کرے تو یہ خود اس کی ٹانگ کھینچ کر اسے واپس اپنے دھڑے میں لے آتے ہیں۔ کیونکہ جو ان کے ساتھ بیٹھ کر چائے پیئے ان جیسا لباس پہنے، ان جیسی باتیں کرے وہ ان کا لیڈر کیسے ہو سکتا ہے۔ آج بھی ان ازلی بت پرستوں کی بغلوں میں دیوتاؤں کے مجسمے دبے ہیں۔ ان کے لیڈر صرف وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو ان کی زبان نہ بولیں۔ ان جیسا لباس نہ پہنیں، ان جیسے بوسیدہ کوارٹروں میں نہ رہیں بلکہ محلوں اور ماڑیوں میں رہیں اور یہ عوام الناس ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے ترسا کریں۔

اے قوم! خدا کے لیے سمجھ یہ لوگ اپنی شادیوں پر تین تین کروڑ روپیہ خرچ کرنے والے ہیں۔ کچرے کے ایک جہاز کے لئے آٹھ آٹھ کروڑ کے اخباری اشتہار دینے والے ہیں، بخدائے لایزال یہ لوگ ایک رتی کا کروڑواں حصہ بھی یہ نہیں جانتے کہ آپ پر اور مجھ پر دن رات کیا گزرتی ہے کتنے احمق ہیں ہم کہ جس کی ایک دن کی زندگی یا خرچ ہماری ساری زندگی کے روگ کاٹ سکتے ہیں وہ ہمارے لیڈر کیسے بن سکتے ہیں۔

اے میرے جیسے بے حال و مستقبل لوگو!......! ان حضرات کا آپ سے یا مجھ سے کیا واسطہ! یہ تو صرف اپنے کھربوں کے بینک بیلنس، اپنی بیشمار ملوں، اربوں کی جائیدادوں اور افق تا افق پھیلے ہوئے مربعوں کے رشتے دار ان کے ہمدرد اور ان کے بھائی اور بیٹے ہیں۔ ہم تو ان کی نظروں میں وہ رینگنے والے کیڑے ہیں جو ہر روز خدا جانے کتنی تعداد میں ان کے تلوؤں میں دب کر مر جاتے ہیں اور کیڑوں کا نام کسی روزنامچے میں درج نہیں ہوتا۔

پھر سوال ہے کہ آخر اس کا حل کیا ہے؟ اس کا حل صرف یہ ہے کہ

ہمیں ولی سائنسدانوں کی ضرورت ہے۔ ہمیں روحانی ماہرین معاشیات کی ضرورت ہے۔

ہمیں ماہر اسلحہ ساز قطبوں اور غوثوں کی طلب ہے۔

ہمیں ایسے سیاستدانوں کی ضرورت ہے جو ظاہر میں قوم کے خادم ہوں باطن میں ابدال ہوں۔

ہمیں ایسے سربراہ مملکت کی ضرورت ہے جو حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر سربراہ مملکت تو ہو مگر پیوند لگا کھدر پہنے، مملکت کے سب سے کم مایہ اور سب سے کمزور فرد جیسا معیار حیات اپنائے، وہی کھائے وہی پہنے، ویسی ہی رہائش رکھے عوام الناس میں رہ کر اتباع سنت میں صادق الوعد والامین کہلائے۔ تمام انبیاء کی یہی سنت ہے۔ (۱۲)

❁❁❁❁❁

مادی دنیا کا وجود

موضوع بہت طویل ہے مگر میں اسے مختصر اور سادہ لفظوں میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔بات یوں کہ ہم نے مدتوں سے اس دنیا کو دو حصوں میں بانٹ رکھا ہے۔

(۱) روحانی دنیا (۲) مادی دنیا

روحانی دنیا سے مراد باطن کی دنیا، روحانی طیر و سیر عبادات چلہ کشیاں، عوام علوی و سفلی کے مشاہدات فقر و فاقہ یا صبر و رضا کی زندگی ہے۔اس کے برعکس مادی دنیا مادہ اس کے ظواہر، افعال و اعمال، معاشی توازن و عدم توازن، حکومتوں کی شکست و ریخت اقوام کی تخریب و تعمیر سے وابستہ ہے۔دونوں دھڑے ہمیشہ سے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں دن رات مصروف کار نظر آتے ہیں۔اگر منبر و محراب ہمیں اس دنیا اور اس کے حلائق سے دور لے جانے کی کوشش کرتے ہیں تو مادہ پرستی مذہب کو افیون، مذہبی اقدار کو رجعت پسندانہ رویہ اور کٹھ ملائیت سے معنون کرتے ہیں۔روحانیت پرست مستی میں ڈوبے ہوئے ایک قہقہے سے مادے کی تمام تر مثالی قوتوں کو خاک کف پا بنا کر اڑا دینا چاہتا ہے تو مادیت کا پرستار تمام روحانی رویوں کو مجذوب کی بڑ، یا خواب و خیال کی الف لیلیٰ سے زیادہ کچھ بھی سمجھنا نہیں چاہتا۔ایک طرف ایک عرب دہریہ شاعر کہتا ہے۔

تلک الشرائع اورثت بیننا اهن و اورثتنا افانین العداوات

(ان مذاہب نے ہمیں وراثت میں اہانتیں اور عداوت کے فنون دیئے ہیں)

ہستی کے ست فریب میں آجائیو اسد
عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے

حالانکہ قرآن حکیم کے اس واضح ارشاد کو بار بار زبان رسالت سے سنا جاتا ہے......

سے شر تک، سیاہ سے سفید تک ہر شے حق ہے اگر یہ سب حق ہے تو پھر باطل کیا ہے؟...... باطل وہ ہے جو حق کے برعکس کیا جائے۔ ابلیس حق کا پیروکار تھا۔ تکبر نے اسے باطل کی علامت بنا دیا۔ سچ کی موجودگی میں جب جھوٹ کو اپنایا گیا تو جھوٹ باطل بن کر بربادیوں کا سامان ہوا۔ گویا ہر خیر میں شر کا پہلو ہے، ہر شر میں خیر کی شمولیت، جیسے جو نمازیں آخرت کا توشہ بنیں گی، وہی نمازیں ریاکاری کی شمولیت سے سامان خجالت بنا کر ہمارے منہ پر ماردی جائیں گی۔ اس کلیے کے مطابق خطۂ تخلیق میں تنہا سچ یہی ہے کہ روح اور روحانیت اگر ایک بڑی حقیقت ہے تو مادہ و مادیت بھی اتنی ہی بڑی حقیقت ہے۔

اس بات کو کچھ یوں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک شخص بیٹھا ہے۔ درخت سے سیب ٹوٹ کر زمین پر گرتا ہے۔ مشاہدہ کرنے والے کو ایک سوچ اپنی گرفت میں لے لیتی ہے...... ''سیب نیچے کیوں گرا؟ اوپر کیوں نہیں نکل گیا...... قرن ہا قرن سے انسان یہی مشاہدہ کر رہا تھا۔ اس نے پہلے ایسا کیوں نہیں سوچا؟ اگر سوچا تو کشش ثقل کے اصولوں کو کیوں نہیں دریافت کیا؟ ہمارے علم و یقین کے مطابق یہ خیال باطنی روحانی قوتوں کا پیدا کردہ تھا۔ مگر کیا اس کے بعد صرف اور صرف مادی قوتوں نے ایک پورا سائنسی نظریہ ترتیب دے دیا؟...... نہیں یہ اس انسان کی ذاتی روحانی قوت تھی جس نے پہلے اپنے مادی ذہن کو اس تحقیق سے روشناس کرایا۔ مادی زمین کی تہوں میں گم گشتہ مقناطیسی گل کا سراغ لگایا پھر پوری انسانیت کو یہ علم دے دیا تاکہ اور جسموں کی روحانی اپج اس میں نئے سے نئے اضافے کرتی رہے، یا اسے بدل دے یا اسے حرف آخر کے طور پر قبول کر لے۔ کیا ہم تمام سائنسی ترقیوں کو مادیت سے وابستہ کر کے ہی جھٹلاتے رہیں گے؟ کیا ہم اس حقیقت کو مان کر اپنے علم میں اضافہ نہیں کر سکتے کہ ولایت کے متعدد اور متنوع انداز ہیں؟ کیا وہ شخص جو لکڑی کی رگوں میں پیچ و خم پیدا کر کے خوبصورت اشیاء کو تخلیق کرتا ہے، اپنی ولائت کا الگ پیرایہ نہیں

رکھتا؟ کیا دھاتوں سے پنجہ آزمائی کرنے والا، مٹی یا پتھر سے خوبرو برتن یا ڈیکوریشن پیس تیار کرنے والا اپنے فن پاروں سے کائنات کے حسن کو تکمیل کی طرف لے جاتے ہوئے روحانی سفر نہیں کر رہا؟ یقیناً کر رہا ہے۔ یہ مختلف دائرہ ہائے کار ہیں۔ میں نے تو ایک عجیب بات دیکھی ہے۔ مختلف فنون اور حرفتوں میں اتم درجے پر پہنچے ہوئے فنکار یا ہنر مند درویش صفت اور صوفی لگتے ہیں۔ ان کی عادتیں بھی ملتی ہیں۔ ادائیں بھی شاید اسی لئے ان لوگوں نے زبان رسالت سے ''الکاسب حبیب اللّٰہ'' کا لقب پایا تھا۔

یہ اتنے بڑے بڑے، بحری اور ہوائی جہاز، یہ چھ چھ سو میل فی گھنٹہ دوڑنے والی ریلیں، یہ مصنوعی سیارے اور سٹیلائٹ یہ چاند اور دوسرے سیاروں کی طرف جانے والے راکٹ یہ بینکنگ کے وسیع و عریض کمپلیکس سٹیل کارپوریشنیں، داخلی و خارجی نظام ہائے حکومت سمندروں کی تہہ کھنگال کر ننھی منی مچھلیوں اور بڑے بڑے اژدھوں کے بارے میں تحقیق، ایسے تو ظہور میں نہیں آجاتے۔ لاکھوں کروڑوں انسانوں کی باطنی اور روحانی قوتیں صرف ہوتی ہیں۔ اشیاء میں پوشیدہ روحانی طاقت کے خزانے صرف ہوتے ہیں تب یہ سلسلے ترتیب پاتے ہیں تو اے مشفقان من! خدائے واحد و شاہد کی تخلیق کردہ اس کائنات میں لگے تو صرف دو حرف ہیں...... ک ن...... ان دو حرفوں نے اسرار و قوت کے وہ سمندر بہائے ہیں کہ ان کے ہر چلو میں روحانیت کے قلزم موجیں مار رہے ہیں...... وَاللّٰہُ مُحِیطٌ بِکُلِّ شَیْءٍ (اللہ نے ہر شے کا احاطہ کر رکھا ہے) اس لئے کہ ہر شے کا حسن و قبح اس کی قدرتوں کا اظہار ہے اور وہ اس کے ارد گرد رہ کر اس کی حفاظت فرما رہا ہے۔ اگر وہ ہر ظاہر میں پوشیدہ ہر پوشیدہ میں ظاہر ہے تو روحانیت کے دائروں سے مادہ و غیر مادہ کچھ بھی باہر نہیں۔

یہاں اک لمحے کے لئے رکیے اور سوچئے کہ ہم مسلمان صرف ایک جہت کو ہی لے کر نہیں بیٹھ گئے۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کبھی مکمل مادی وسائل کو صرف روحانیت سے شکست نہیں ہونے دی۔ یہ اس کی سنت کے خلاف ہے۔ مادی دنیا میں مادی وسائل کا بدرجہ اتم ہونا یہاں تک ضروری ہے کہ سید المرسلین کو بھی ہر جنگ کے لئے پوری

تیاری کرنی پڑتی ہے۔ اس کے تمام پہلوؤں پر غور و فکر کر کے ایک اعلیٰ کمانڈر کی طرح مادی وسائل کو کام میں لانا پڑتا ہے ورنہ ہمارے ایمان کے مطابق آپ کے سامنے کفر و الحاد کے تمام وسائل تمام طوفان بھی کیا حقیقت رکھتے تھے۔ یہ دین فطرت نے ہی انسانوں کو بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تمام قوتوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ اب اگر تم صرف تعویذوں کے ذریعے ہر شے کو تسخیر کرنا چاہتے ہو تو ایسا ممکن نہیں۔ ہر شے کی تسخیر کا الگ چلہ ہے۔ کہیں روح کی روحانیت کام کرتی ہے تو کہیں مادیت کی روحانی قوت منزل مقصود تک پہنچاتی ہے، کہیں دلوں کو جذب و سلوک سے اپنا بنایا جاتا ہے تو ساتھ ہی ساتھ اپنی عسکری تیاریاں بھی دشمنوں سے بڑھ چڑھ کر روا رکھی جاتی ہیں کہ ٹکراؤ ہو تو بوقت ضرورت تسبیح چھوڑ کر توپ بھی داغی جا سکے۔

عراق اور اتحادیوں کی جنگ میں سب سے پہلی بات یہی ہے کہ ایک طرف مادی وسائل کا سیل بے کراں تھا تو دوسری طرف کسی حد تک ایک چھوٹی سی مضبوط مملکت تھی۔ اور پھر اتحادی اَلْکُفر مِلَّۃٌ وَاحِد کا اعلیٰ نمونہ تھے، مگر مسلمان مِلّۃ واحد کی بجائے مصلحتوں کی دھجیوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ اگر یہ ملّۃ واحد ہوتی تو ہو سکتا ہے اس جنگ کی نوبت ہی نہ آتی۔ حیف صد حیف کہ مالی وسائل تو عربوں کے پاس بھی کم نہ تھے مگر وہ مادے کی تسخیر کی بجائے بینک بیلنسوں کی تسخیر میں مصروف رہے اور آخر ان قوموں کو اپنی مدد کے لئے بلانے پر مجبور ہو گئے جو ہمارے ازلی اور ابدی دشمن ہیں۔ میں اہل مغرب کے اتحاد کو مطعون نہیں کروں گا، ان کی یک جہتی کو قابل تعریف ہے۔ وہ جس نظریئے کے ساتھ اس زمین پر مسلط ہیں۔ انہیں اس کا حق ہے کیونکہ ہم تو پرانی بڑی بوڑھیوں کی طرح خدا کرے انگریزوں کی توپوں میں کیڑے پڑیں کہہ کر ہی اپنے دلوں کی آگ ٹھنڈی کر سکتے ہیں۔ کوئی وہ قدم جو ہمیں "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ ہم نے تم کو وہ بہترین امت بنا دیا جس نے دوسروں کے لئے نمونہ بننا تھا کے مصداق بنا دے کیوں نہیں اٹھ پاتا؟...... اس لئے کہ ہم نے فرض کر لیا ہے ہم اہل غرب کی مدد کے بغیر اس زمین پر باعزت زندگی ہی نہیں

گزار سکتے۔

اے ناخدا سفینے کا اب کوئی غم نہ کر
ہم فرض کر چکے ہیں کہ ساحل نہیں رہا

خدارا ایسا کچھ فرض نہ کریں۔ روحانی طور پر بھی اپنے آپ کو مضبوط بنائیں، مادی طور پر بھی، اور خوب سمجھ لیں کہ عراق اتحادی جنگ میں ڈیڑھ ماہ تک معجزات اور کرامات کا انتظار ہوتا رہا۔ نہ عراق کا وہ پوشیدہ ہتھیار منظر عام پر آیا جس کا ذکر بار بار ہوا نہ وہ جھکڑ فطرت کے لشکر بن کر اٹھے جن کی تمنا میں ڈیڑھ ماہ تک ہم نے اپنے سینوں کو گرم رکھا فطرت نے ایک دن بھی اہل عراق کی مدد نہ کی۔ فطرت تو ایک ساتھ قدم اور دل ملا کر چلنے والوں کا ساتھ دیتی ہے۔ یہ خوبی مسلمانوں میں نہیں اتحادیوں میں تھی۔ کاش وہ دن آئے جب ہم بھی اس زمین پر فتح ونصرت کے گیت گاتے ہوئے سر اٹھا کر چلیں، مگر یہ اسی دن ہو سکے گا جب ہم اہل غرب کی معاشی اور عسکری برتری کا بت پاش پاش کر کے ایک عظیم ملت بن کر ابھریں گے۔

بعض دوستوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کعبے کو بچانے کے لئے ابابیل بھیجے تھے، اب کیوں نہیں بھیجے، اس کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ یہ ابابیل اس وقت آئے تھے جب اللہ تن تنہا کعبے کا محافظ تھا اور جب سے اس نے کعبے کی حفاظت کی ذمے داری مسلمانوں کو سونپی ہے اپنے لشکر بھیجنے بند کر دیئے ہیں اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ ابھی ہم سے مایوس نہیں ہوا ورنہ ضرور کوئی ایسا معجزہ ظہور میں آتا جو اصحاب فیل کے چھکے چھڑا کر رکھ دیتا۔

مگر...... ایسا کوئی معجزہ رونما اس لئے نہیں ہوا کہ ہم مسلمان منشائے ایزدی کے برعکس صرف تسبیحوں، روزوں اور نمازوں پر تکیہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ صدام حسین نے بھی تمام پیش آنے والے متوقع حالات کا بنظر غائر جائزہ نہیں لیا تھا۔ صرف مفروضات پر اپنی اچھی مگر ناکافی منصوبہ بندی کو اوور اسٹیمیٹ (Over Estimate) کر لیا تھا۔ ادھر اتحادیوں نے ایک پتھر سے کتنے ہی پرندوں کو مار گرایا۔

ا: عربوں کے اربوں کھربوں کے بینک بیلنس جو اتحادیوں خصوصاً امریکیوں کی

معیشت کے لئے ایک مسلسل دھمکی بنے ہوئے تھے، بڑی آسانی سے اپنے بنکوں میں منتقل کر لیے۔

ب: روس کو عین اس وقت دنیا بھر کی نظر میں مزید گرا دیا جب وہ اپنی تاریخ کے سب سے بھیانک بحران میں مبتلا تھا کیونکہ عراق کے پاس روسی ٹیکنالوجی تھی۔

ج: عراق کو جو کسی حد تک اسرائیل کے لیے خطرہ بنتا جا رہا تھا برسوں کے لئے مفلوج اور خانہ جنگی کی آماجگاہ بنا دیا۔

د: فلسطینیوں کی تحریک آزادی کو بڑے بڑے حامیوں سے منقطع کر دیا جن کے پیسے سے وہ آج تک فعال تھے۔

ہ: اسلامی ممالک کو کان کھینچ کر یہ سبق دے دیا کہ ہم تمہارے ان داتا ہیں: ''ہم سے انحراف کرنا اپنے آپ کو مٹانے کے مترادف ہے۔

و: اپنی اس ٹیکنالوجی کو خوب آزما لیا جو برسوں سے ان کے پاس کسی میدان کارزار میں اپنی اچھائی برائی کا ٹسٹ دینے کے لیے تیار پڑی تھی۔

ز: وہ تمام اسلحہ مدتوں سے آؤٹ آف ڈیٹ ہو چکا تھا، اسے عراق پر ڈمپ کر کے تازہ ترین اسلحہ کی قیمت وصول کر لی۔

ط: اپنے بغل بچہ اسرائیل کے لئے عربوں سے ضمانت وصول کر لی کہ سینے کا یہ داغ ہاتھ کے محبوب چھالے کی طرح عزیز رکھنا ہوگا۔

ی: اور سب سے بڑھ کر جاپان اور جرمنی کو بھی کسی خوش فکری سے متنبہ کر دیا جو حالیہ برسوں میں معاشی طور پر امریکہ سے آگے نکل چکے ہیں۔

ایسے ہی اور بہت سے مقاصد انہوں نے حاصل کیے۔ انہیں داد دینے کو جی چاہتا ہے کہ ان کے سکرین پلے کتنے مضبوط ہوتے ہیں، کیسے وہ وقت سے پہلے بساط زندگی پر اپنی مرضی کے مہرے مرتب کرتے ہیں، اپنی مرضی کی چالیں چلواتے ہیں، اپنی مرضی کی شہہ دے کر مخالف شاہوں کو زچ کر دیتے ہیں، اور دنیا کو یہی پتہ چلتا ہے کہ گیم بڑی فیئر کھیلی گئی ہے۔

کئی سال سے ایک ڈاکومنٹری (The man who saw Domorrow) بڑے ذوق وشوق سے دیکھی جاتی ہے۔اس میں ایک ایسے فرد کے بارے میں پیش گوئی کی گئی ہے جو مڈل ایسٹ میں پیدا ہوگا۔ عالم اسلام کو ایک مرکز پر مرتکز کرے گا۔ پھر بیسویں صدی کے آخری عشرے میں تیسری عالمگیر جنگ لڑے گا۔ یہ فلم نوسٹرے ڈیمس نامی فرانسیسی نجومی کی پیش گوئیوں پر مشتمل ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کی اکثر پیش گوئیاں درست ہو چکی ہیں۔ مذکورہ کتاب (The Complete Prophecies of Nostradamus) ایک دوست نے فراہم کی تو غور سے پڑھی۔ سخت مایوسی ہوئی۔ فلم میں اور کتاب میں دور کا بھی واسطہ نہیں، مگر یہ اتحادیوں کے وہ ہتھکنڈے ہیں جو آج تک ہماری سمجھ میں نہ آسکے۔ وہ جب بھی کوئی جنگ لڑنے والے ہوتے ہیں اس کے لیے بڑے دور رس پروگرام بناتے ہیں، پیش گوئیوں کی کتابیں چھاپتے ہیں، اپنے آپ کو ہر محاذ پر لیس کر کے یلغار کرتے ہیں جبکہ ہم تین چوتھائی مفروضوں خوش آئند خوابوں اور ''بڑھکوں'' کی چھتر چھاؤں میں اٹھتے ہیں، پھر اپنی کم مائیگی کے باعث جھاگ کی طرح بیٹھ جاتے ہیں اور چیخ چیخ کر ان کے ظلم واستبداد کی کہانیاں بیان کرتے ہیں اور فطرت ہم پر ہنس رہی ہوتی ہے کہ ہم ابلیس کو بدکار رذیل اور غلیظ کہہ رہے ہوتے ہیں۔

باطل کو باطل کہہ دینے سے زمین پر حق نہیں آجایا کرتا۔ حق کو حق مان کر اس کے لئے جان ومال بلکہ سب کچھ قربان کر دینے سے حق آیا کرتا ہے۔

صدیوں سے ہم نے یہ بھلا رکھا ہے کہ اہل مغرب نے اپنی ذات سے ایک ضد لگا رکھی ہے جو یہ ہے کہ انہوں نے مسلم ملت کو کسی قیمت پر سر اٹھانے کی مہلت نہیں دینی۔ بالواسطہ یا بلاواسطہ قرضوں کی صورت میں اپنی گندم کھلا کھلا کر ہمیں اپنا غلام بنائے رکھنا ہے۔ یہ ان کا ازلی اور ابدی حق ہے۔ وہ جب چاہیں اسے استعمال کر سکتے ہیں، اس لئے کہ ابتدائے آفرینش سے اگر خیر وشر باہم گردست وگریباں ہیں اور رہیں گے تو پھر ہمارے لئے بھی یہ جنگ کبھی نہ ختم ہونے والی جنگ ہے۔ اگر وہ دنیا کو باور کراتے ہیں کہ ہم ایک زبردست

ضابطہ اخلاق رکھتے ہیں اور یہ ایک جھوٹ ہے تو انہیں یہ جھوٹ بولنے کا بھی حق ہے اگر باطل کو ہر حربہ استعمال کر کے اپنا تسلط زمین پر قائم رکھنے کی استعداد خالق کائنات کی جانب سے ہے کہ شر بھی اس کا پیدا کیا ہوا ہے تو ہمیں بھی حق کا بول بالا کرنے کے لئے کہیں زیادہ صلاحیتیں عطا کی گئی ہیں کہیں عظیم کہیں بڑا ضابطہ اخلاق بطفیل سرکار دو جہاں عطا کیا گیا ہے جسے قرآن حکیم کہا جاتا ہے۔ پھر یہ طعن و تشنیع کیسی؟ ان سے اپنے لئے کسی بھی بھلائی کی کوئی بھی توقع رکھنا سب سے بڑی جہالت ہے۔ انہیں باطل نے یہ حق دیا ہے کہ وہ ہر جائز و ناجائز طریقہ اختیار کر کے ہمیں اپنا مغلوب رکھیں اور ہمیں حق نے یہ حق کیا ہے کہ ہم انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیں یا مسلمان بنا لیں تو پھر ہمیں ان کے کسی فعل کو برا نہیں کہنا بلکہ اپنی ذات سے یہ ضد لگانا ہے کہ چڑھتے ڈوبتے سورج، آتے جاتے موسم، رکتی چلتی ہوائیں یہی دیکھیں کہ ہمیں ہر قیمت پر ہر حال میں اپنے منصب کو پانا ہے۔ زمین کی سربراہی جو خالق کل اور سید کونین ؐ نے ہمیں عطا کی ہے ان اقوام سے چھین لینی ہے۔

میں نے پاکستان میں اکثر دیکھا ہے کہ دشمنیاں نبھاتے ہوئے قبیلوں کے قبیلے تہہ تیغ ہو جاتے ہیں۔ خاندانوں کے خاندان ایک دوسرے کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ ان افراد کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، چلنا پھرنا حتیٰ کہ سانس لینا بھی صرف اور صرف دشمن سے محفوظ رہنا اور اسے ختم کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ یہ خاندانوں اور قبیلوں کی سطح پر ہو سکتا ہے تو مسلمان اتنی ضد اجتماعی سطح پر کیوں اپنے اندر پیدا نہیں کرتے؟ ایک مرلے کے لئے سالہا سال مقدمے لڑتے رہتے ہیں مگر پوری زمین کی وراثت سے کیوں دست بردار ہو گئے ہیں کہ الارض للہ زمین اللہ کی ملکیت ہے۔

اس کی ایک ہی وجہ سامنے آتی ہے۔ ہم آپس میں ہی لڑنے کے قابل ہیں۔ صرف اپنی سرداریاں اپنی جاگیرداریاں اپنی چوہدرائیں اور اپنی ڈفلی ہی بجا سکتے ہیں، اپنا اپنا راگ ہی الاپ سکتے ہیں کیوں کہ ہم تسبیحوں کے مزدور، نمازوں کے دیہاڑی دار، چوری ڈاکہ، اغواء رشوت، پلاٹوں کی لوٹ کھسوٹ اور امتحانوں میں نقل کے شہنشاہ ہیں، طاقتور کے قدم

بوس اور کمزور کے لئے غیرت مند ہیں، توحید پرست کہلاتے ہیں مگر ''اقرارٌ باللسان'' کی منزل سے تصدیق بالقلب کی طرف ایک قدم نہیں بڑھے، کیونکہ توحید پرستی انفرادی کم اور اصل میں اجتماعی فعل ہے۔ دل و جان سے ایک مقصد کے لئے ایک ملت کا یکجا ہونا توحید پرستی کا عملی ثبوت ہے۔

اہل مغرب کا رویہ اس کے برعکس بہت خوب ہے۔ وہ اپنے باطل پروگراموں میں اقرارٌ باللسان سے تصدیق بالقلب تک ڈٹے ہوئے ہیں۔ انہیں داد نہ دینا بخل ہوگا۔ خواہ انہوں نے تمام کالے کرتوت اپنا رکھے ہیں مگر وہ شکل تو مومنوں والی بنا کر پھرتے ہیں۔ ہمارا جو فرد ان کے معاشروں میں جاتا ہے، ایک بار تو اس کا دل مچل جاتا ہے کہ کاش وہ ان میں سے ہوتا۔ ان کے دماغ کافر سہی ان کے دل تو مومن ہیں۔ وہ اپنے افراد اور اپنی اقوام کیلئے بہت بہت بہت ہی اچھے ہیں۔ کاش ہم بھی اپنے بھائی بندوں کے لئے ایسے ہوتے۔

بعض احباب کہتے ہیں کہ ان میں تمام برائیاں ہیں، وہ شرابی ہیں جو ان کی گھٹی میں پڑا ہے، زناکاری کو وہ (Enjoyment) کہتے ہیں۔ یہ بالکل ٹھیک ہے۔ مذہب سے وہ اپنا ناطہ صدیوں پہلے توڑ کر اسے عضو معطل بنا چکے ہیں مگر ان تمام بے راہ رویوں اور تمام خرابیوں کے باوجود اپنی ڈیوٹی کے پکے ہیں۔ وہ اپنی ذمہ داریوں میں نہایت ایماندار اور دل و جان سے ہر کام سرانجام دینے والے ہیں۔ حق حلال کی تنخواہیں لیتے ہیں تب بدکاریوں کے جہنم زار میں بھٹکتے ہیں اپنے وقت میں اور ہم خیر...... ہمارا کیا کہنا شیروں کے منہ کس نے دھلائے ہیں!

ہم نے تو قسم کھا رکھی ہے کہ نہ ایمانداری سے دفتروں میں کام سرانجام دیں گے نہ ملک و قوم سے مخلص ہوں گے حتیٰ کہ اپنی ذات سے بھی دھوکہ کریں گے ہمارے قومی اور دینی کردار کا نقشہ کسی دماغ میں نہیں ہم اپنا تماشا آپ دیکھنے والے لوگ ہیں۔ دراصل یہ مادی وسائل کی کمی کا نتیجہ ہے۔ ہمیں تو ہر وقت یہ غم لگا رہتا ہے کہ وقت کو دھکا کیسے [illegible] سو ہم خوشامد کے ہتھیار سے افسروں کو رام کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ تعلیمی ڈگریوں کے ساتھ

نہیں...... زوال میں گری ہوئی اقوام کا یہی حشر ہوتا ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ اس مادی دنیا کی وراثت ہم جیسے خوش فکروں کے لئے نہیں، ان کے لئے ہے جو زندگی کو سنجیدگی سے اپناتے ہیں اور منشائے فطرت کے مطابق تحقیق و تجسس، غور و فکر، اتحاد اجتماعیت کے ساتھ ہر میدان حیات میں اپنا سکہ جماتے ہیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

''اے اللہ ہمیں اشیاء کو ویسے دکھا جیسے کہ وہ حقیقت میں ہیں۔''

اس دعا کے بعد ہم سمجھتے ہیں کہ اب ہمیں کچھ نہیں کرنا، اللہ تعالیٰ خود سب کچھ دکھا دے گا۔ اس کو تمام حرف عام میں روحانیت سمجھتے ہیں نہیں حضرت مسئلہ یوں نہیں ہے بلکہ یوں ہے کہ دعا تو صرف تمنا کا نام ہے۔ اس کے بعد تو جان کی بازی لگانی پڑتی ہے بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں تا کہ فطرت کی نگاہ میں اپنے آپ کو اس منصب کا اہل ثابت کیا جاسکے۔ تب اشیاء کی اصل حقیقت یا مادے کی روحانیت کا ادراک ہمیں حاصل ہوتا ہے اس کی کرامات ظہور میں آتی ہیں۔

آپ حیران ہوں گے کہ مادے کی کرامات کیا ہو سکتی ہیں تو عرض یہ ہے کہ روایتی روحانیت سے متعلق اولیاء اللہ رحمہم اللہ اجمعین کی کرامات تو کتب روایات یا سوانح میں مل جاتی ہیں جن کی حیثیت لاریب مسلمہ بھی ہے اور ان کے مطالعہ میں قلب و نظر کا سکون بھی ہے مگر ہم ان کرامات کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے نہیں کر سکتے کیونکہ وہ گزر چکی ہیں البتہ مادے کی روحانیت کے مدارج حاصل کرنے والے اپنے پیچھے ایسے لافانی نقوش چھوڑتے جا رہے ہیں کہ ان کی کرامات کا مشاہدہ ہم بھی کر رہے ہیں اور آنے والے بھی کریں گے۔ ان سے ہم بھی مستفید ہوتے ہیں آنے والے بھی ہوں گے۔ یقین نہ آئے تو بجلی کا ایک مین سوئچ آن کیجئے۔ آپ کا گھر جگمگا اٹھے گا۔ یہ بھی تخصیص نہیں کہ بٹن کون دبائے۔ کوئی بھی دبالے۔ یہ کیسا تصرف ہے کہ ہر کسی کو چشم زدن میں دیا جاسکتا ہے۔

چند نمبر ٹیلیفون پر گھمایئے اور دنیا کے دوسرے ملک میں اپنے کسی عزیز سے یوں بات

کیجئے جیسے آمنے سامنے بیٹھے ہوں۔

ریڈیو پر ہزاروں میل دور کے پروگرام سنیئے تو ٹیلیویژن پر وہ شکلیں بھی دیکھئے جو ہزاروں لاکھوں دیواروں کی اوٹ میں آپ سے مخاطب ہیں۔ ایسی ہزاروں بلکہ لاکھوں کرامات کا ذکر کیا جاسکتا ہے جن کو ہر کوئی جانتا اور سمجھتا ہے۔

اس بات کا جواب کچھ کج بحث اس طرح دیتے ہیں کہ جناب یہ سب کچھ پیدا تو خدا کی ذات ہی نے کیا ہوا ہے، اگر اللہ کی پیدا کی ہوئی حکمتوں میں سے سائنسدانوں نے چند ایک کو پالیا تو کیا تیر مارا۔ خدا کے لیے ایسا نہ کہیں۔ انہی جملوں اور ایسے ہی استدلال نے ہماری بربادیوں کا سامان کیا ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ جو کچھ تحقیق و تردد کے بعد سامنے لایا جارہا ہے وہ موجود میں سے دریافت کرنے کا ہی کمال ہے۔ اس کائنات میں دریافت ہی دریافت ہے۔ جو سامنے نہ ہو اسے سامنے لانے کا نام ہی ایجاد ہے۔ نئی بھی کہہ لیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس سے زیادہ کبھی کسی نے کوئی دعویٰ نہیں کیا یہ سب عین رضائے خداوندی کے مطابق ہو رہا ہے اور یہ روحانیت کی اعلیٰ منزل بھی ہے خدائے واحد شاہد کی حکمتوں اور ان کی بے کرانیوں کا ادراک جب بندے کو ہوتا ہے تو روح میں بے پناہ بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔

فطرت کو خرد کے روبرو کر
تسخیر مقام رنگ و بو کر

میں نے جب تھوڑا بہت علم الافلاک یعنی Astronomy کا مطالعہ کیا، سیاروں، ستاروں کہکشاؤں آسمانی گیلیکسیوں کی تفصیلات کو دیکھا تو خدائے بزرگ و برتر پر میرا ایمان جتنا مستحکم اس مطالعہ کے بعد ہوا کسی اور ذریعے سے نہ ہوسکا۔ اس کے بعد جب میں نماز میں کھڑا ہوا تو میری کیفیتیں ہی اور تھیں۔ اللہ تعالیٰ کو ہم اپنی محسوس آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے وہ خود دکھادے تو اور بات ہے، مگر یہ طلسمات علم جو چار سو شش جہات میں بکھرا ہوا ہے اس میں جتنا غور کیا جائے، اسے جتنا زیادہ سے زیادہ جاننے کی کوشش کی جائے، بندہ اتنا ہی اپنے خالق یکتا کے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔ آنکھیں بند کر کے یا کھلی آنکھوں سے مراقبہ تو

ایک انفرادی مشاہدہ حضوری ہے۔ اسے خواب وخیال کہہ کر بھی ٹالا جاسکتا ہے مگر حیوانات، نباتات، جمادات میں مضمر اسرار اوران کی دریافت، ننھے منھے الیکٹرون پروٹون جن میں ایک جہان پنہاں ہوتا ہے، کیاان کا مشاہدہ ایک اجتماعی مشاہدہ حضوری نہیں؟ کیا یہ منصب کم حیثیت کا ہے کہ ہر انسان کو فطرت کا یہ علامتی مشاہدہ بلا تکلف کرایا جاسکے؟

افسوس یہ روحانیت ہی روحانیت ہے اور یہ درحقیقت مسلمان کے مناصب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تو مسلمانوں سے ہی یہ توقع لگا رکھی تھی۔ قرون اولیٰ کے عام مسلمانوں اور قرون وسطیٰ کے مسلمان فلسفیوں، دانشوروں اور سائنسدانوں نے شدت سے یہ محسوس کرلیا تھا کہ جیسے آج کے دور میں ایٹم کو توانائی میں بدلا جاسکتا ہے ویسے ہی صفات خداوندی بھی توانائی کی صورت میں اس ذات بے ہمتا سے تخلیق بالمحہ، تخلیق کائنات میں توانائی سے مادے میں تبدیل ہوجائیں اور جب اس کائنات کی اساس صفات اور امر ربی ہیں تو مادہ بھی صفات و امر کا حامل ہے۔ جیسے ماورائے مادہ سب کچھ روحانی ہے ویسے ورائے مادہ مادی روحانیت کا حامل ہے۔

قرون وسطیٰ کے مسلمان ہنرمند اجتماعی طور پر یہ یقین رکھتے تھے کہ کائنات کے ساز و برگ کو پرکھنا اشیاء کی گہرائیوں میں اتر کران کی اصل ماہیئت کو کھنگالنا بھی اتنی بڑی روحانی کاوش ہے جتنی اپنی ذات میں غواصی اپنا عرفان اور اپنی انتہا پر پہنچ کر اپنے خالق کو پانا۔ آج جتنی سائنسی ترقیاں اہل مغرب کے نام لگی ہیں زمانہ خوب جانتا ہے۔ یہ سب ہمارے اب وجد کی جگر کاوئیوں کا صلہ ہے جو انہوں نے ہم سے چھین لیا۔ اس کے بعد کیا ہوا یہ تصویر کا بڑا دردناک رخ ہے کیونکہ اس کے بعد ہم یکسر اپنے منصب کو بھول گئے، اجتماعیت اور اجتماعی سوچ ہم میں مفقود ہوگئی۔ اپنی اپنی ڈفلی، اپنا اپنا راگ ہمارا طرۂ امتیاز بن گیا۔ ہم نے مادہ و مادیت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا، ہمارا پیش امام ہمیں متنفر کرنے میں ماشاءاللہ پیش پیش تھا۔ ہم نے اس کی یہ بات تو مان لی مگر دنیاوی دولت وحشمت خوب خوب کمانے کے فتوے اس سے حاصل کرلیے اور دن رات مال ومنال کی لوٹ کھسوٹ، اراضی کے بڑے بڑے ٹکڑوں

پر ذاتی جاگیریں، مادی وسائل کا جائز و ناجائز طریقے سے جنون وحصول اپنا پہلا اور آخری نصب العین بنالیا۔ یوں سب سے بڑے مادیت پرست ہم خود قرار پائے۔

اپنے سنہری اسلامی ادوار کے بعد ہم نے دو طرح کی زندگی بسر کی یا ہم خانقاہو کے اندھیروں میں بھٹکے یا عیش وعشرت کی چکا چوند میں خانقاہیت کے ذریعے ہم نے دنیا سے دور رہنے کا سبق سیکھایا دوسروں کو سکھایا اور محلوں یا سلطنتوں کے خلفشار میں دولت کے انباروں میں دین کی روح کو دفن کر دیا بلکہ ضمیر فروشوں سے اپنے مطلب کے دین ترشوائے بھی ان دونوں صورتوں کا حقیقی روحانیت سے کوئی تعلق نہ تھا۔

روحانیت تو عالم بالا اور عالم اسفل کے مابین ایک ایسے رابطے کا نام تھا جس میں دونوں جہتوں کے توازن کو برقرار رکھا جائے۔

یہی حضور پرنور کا اسوۂ حسنہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا:

"دنیا میں ایسے رہو جیسے قیامت تک زندہ رہنا ہے، مگر موت پر ایسے یقین رکھو کہ اگلے لمحے آنے والی ہے۔"

مگر یہ کیسے ممکن ہے۔

کیا قیامت تک صاحب اقتدار قوم کا پٹھو بن کر رہا جا سکتا ہے؟

کیا قیامت تک ہمارے بالوں فیشن کی شیپ سے کپڑں کی تراش خراش تک غیر یعنی دشمن ممالک سے امپورٹ ہو سکیں گے؟

کیا قیامت تک ان کی ہر فضول حرکت کو ہم جدیدیت کا پر لگا کر ان کے کلاہوں کو کج کرتے رہیں گے؟

کیا قیامت تک ان کی وطنیت یا شریعت اپنانے کے خواب دیکھ سکیں گے؟

کیا قیامت تک ان کے قرضوں اور بد کا بوجھ برداشت کر سکیں گے؟

کیا قیامت تک ان کی سو پچاس سالہا پرانی تحقیقات کو اپنے نصابوں میں شامل کر کے فخر کر سکیں گے؟

کہ زندگی کی یہ امانت ایک ثانیے میں واپس لی جا سکتی ہے۔

لیکن ہم اس عظیم ارشاد کے توازن پر کب جان دھرنے والے ہیں۔ ہمیں تو صرف پہلے حصے سے غرض ہے۔ سو ہم موت کے بعد کسی محاسبے سے قطع نظر انفرادی زندگی ہی اس لیے گذارتے ہیں کہ ہمیں کون مار سکتا ہے۔ اگر ہمارا یہ نظریہ نہیں تو کیا سبب ہے کہ ہم بیٹیوں کو بیاہتے ہوئے یہ نہیں سوچتے کہ دولہا میاں کی تنخواہ ہفتے بھر میں اڑنچھو ہو جائے گی بلکہ ہماری نگاہ تو بے غیرتی بے حمیتی کی اس آمدن پر ہوتی ہے جو ناجائز راستوں سے تو آتی ہے مگر ہماری بیٹی کو شہزادیوں جیسی زندگی عطا کر دیتی ہے۔ یہی نہیں ہماری بچیوں کے آئیڈیل بھی وطن دوست سائنسدان ملک و ملت کے لیے عظیم کارنامے سرانجام دینے والے، یا سرحدوں کی حفاظت کرنے والے نہیں، ایکٹر، کرکیٹیر یا سی ایس پی آفیسرز ہوتے ہیں۔

ہمیں خود پرستی، خود غرضی، ذات پات کی عصبیت اور اوپر نیچے کی طبقاتی کشمکشوں نے مار دیا ہے۔ ہم جاگیردار ہیں تو اپنی جاگیر بچانے کے لئے ظلم استبداد کو بھی شعار بنائیں گے عزت و ناموس کو بھی داؤ پر لگا دیں گے۔ ہم صنعتکار ہیں تو اپنی فیکٹریاں قائم رکھنے کے لئے قوم ملک ملت کو نظر انداز کر کے حیا کے تمام اثاثوں کو سر بازار لا کر بھی بازی جیت لیں گے۔ اپنا آپ ثابت و سالم رکھنے کے لئے سگے رشتوں کے حقوق کو پامال کریں گے اور ماتھوں پر بڑے بڑے محراب بھی لیے پھریں گے۔

یہ نہیں کہ وہ قومیں ہم سے زیادہ ذہین ہیں۔ نہیں، آسمان سے کوئی نہیں گرا۔ ہر بچہ ایک ماں ایک باپ کی اولاد ہے بلکہ میرے سامنے یورپ یا امریکہ جانے والے ہمارے نوجوان وہاں سارے گولڈ میڈل یا سارے اعزازات چھین لیتے ہیں۔ مگر وہ ہمارے رہتے نہیں۔ ہماری بہترین صلاحیتیں بھی آخر انہی کی جھولی میں جا پڑتی ہیں۔ دراصل وہ اتنے ذہین نہیں خود ہم نے انہیں آنکھ کا تارا بھی بنایا ہوا ہے نجات دہندہ بھی اور ان سے دھوکا کھانا اپنا اعزاز

بھی سمجھتے ہیں کیونکہ ہم نے تو دین وملت کے لئے نہ سوچنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ ہم اپنے بیٹے اپنے بھتیجے اپنے داماد کی ادھیڑ بن سے آگے نکل ہی نہیں پائے۔ ہمارا جینا۔ بھائی۔ داماد یا بھتیجا نہ ہو تو ہم باہر سے آئی ہوئی ایڈ کو ضائع کر دیں گے۔ عوام کے بچوں کو یہ سکالرشپ فراہم کرنا تو کوئی مفاد کی بات نہیں نا!

یہ نقشہ صرف پاکستان کا یہی نہیں قریب قریب تمام اسلامی ممالک کا ہے اور اگر سلسلے یوں ہیں تو کیا عراق کا جیتنا بہت بڑی خوش فہمی نہیں تھی؟ اتنی بڑی جنگی اجتماعیت کے سامنے قدرت کیسے گوارا کر لیتی کہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جیسا عراق اتنے بڑے اتحاد کو شکست دے دیتا ظاہر ہے قدرت کے قوانین اٹل ہیں۔ ان کے آگے کسی نبی کسی ولی کسی قطب کسی غوث کی پیش نہیں جاتی۔ جب ہلاکو خان نے تخت بغداد تاراج کیا تھا تو اس وقت بڑے بڑے اولیاء بلکہ زندہ اولیاء موجود تھے مگر شاید کسی نے بھی عمداً ہاتھ نہ اٹھایا ہو، کیونکہ یہ ہستیاں فطرت کے اصولوں کو خوب سمجھتی ہیں۔ ان سے ذرا بھی انحراف نہیں کرتیں یہ جنگ ہمیں کچھ سبق دیتی ہے۔ انہیں ذرا غور سے سن لیں۔

ا: صرف نعروں بڑھکوں اور ادھوری تیاریوں کو اپنی یقینی فتح سمجھ لینا درست نہیں۔ کیونکہ یہ اسباب کی دنیا ہے۔ حقیقی روحانیت کے ساتھ اسباب کی روحانیت بھی ضروری ہے۔

ب: کفر کفر ہے، خواہ روس کی صورت میں ہو خواہ امریکہ کی صورت میں، وہ کبھی بھی مسلمان کا نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کی سربلندی صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ وہ بھی اسی طرح ایک دوسرے کے اتحادی بن جائیں جیسے صلیبی ریاستیں اس جنگ میں متحد ہو گئی تھیں۔

ج: اس ارشاد کو حتمی طور پہ اپنایا جائے کہ مؤمن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔ یہ بھی مدنظر رکھا جائے کہ مومن وہ ہے جو کسی کو دھوکا دے نہ کسی سے دھوکا کھائے۔

د: آج کے حالات بتاتے ہیں کہ عراق میں ڈکٹیٹر شپ کو شکست ہوئی ہے سو اسلامی

ملک میں سربراہ ڈکٹیٹر نہیں امیر المؤمنین ہونے چاہئیں۔

ہ: اقوام مغرب اگرچہ غاصب وظالم ہیں مگر انہوں نے زمین پر بہت سا صدقہ جاریہ بھی بکھیرا ہے بجلی، تیل کی زمین سے برآمد ہوائی جہاز ٹرینیں اور بے شمار ایجادات ایمانداری سے سوچیں تو یہ صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتی ہیں ہم بھی زمین کو ایسے جاری صدقوں سے نوازیں۔

و: مادیت پرستی کو اللہ تعالیٰ کے لئے اپنائیں کہ ہمیں اس زمین پہ اس کی قوتوں کا مظاہر بنتا ہے عملی زندگی جس کی اعلیٰ اقدار پر تشکیل قرآن حکیم کا بہت بڑا عندیہ ہے۔ کبھی ہمارے قلب ونظر سے غائب نہ ہو، کیونکہ یہ وہ عبادت ہے جو کائنات کو حسین سے حسین تر اور جامع سے جامع تر بنانے کے لئے فطرت کو ہم سے متوقع تھی، اور رہے گی۔

ز: ہم اجتماعی توحید پرست ہوں کہ انفرادی توحید پرستی ہماری انفرادی حالت کو ہی سنوار سکتی ہے اجتماعیت پر تبھی اللہ تعالیٰ کی نوازشات ہوں گی جب ہمارا ہر قدم اجتماعی مفادات کے لئے اٹھے گا۔

ح: اللہ کو پس پشت ڈال کر اس کے بندوں کو اس سے زیادہ یاد نہ کریں، کیونکہ اس کے پاک بندے بھی اپنی ہر سانس اسی ذوالجلال والاکرام کے لئے وقف رکھتے تھے اور اس کی یاد سے اپنے سینوں کو معمور کیے رہتے ہیں۔

میرے کچھ وطنیت پرست واقف کار ہیں۔ اسلام عالم اسلام کا اتحاد، روحانی اقدار، ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا بلکہ یہ سب ناممکن نظر آتا ہے..... ''صاحب! اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں میں آجاتا تو وہ بھی یہی کچھ کرتے''...... ان کی مراد ہے ہے جیسے اتحادیوں نے اہل عراق کا خون تیل سے سستا کر کے بہایا ہے اور جیسے کئی صدیوں کا کرودھ چھ ہفتے تک مہلک ترین اسلحہ بن کر ان پر برستا رہا، ہمارے ہاتھ میں وقت کی عنان آجاتی تو ہم بھی ایسا ہی کرتے۔ اس فرق کو واضح کرنے کے لئے مجھے حضرت عمرؓ کی ایک دعا دہرانی پڑے گی جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ آپ دعا فرماتے ہیں۔

''اے اللہ دنیا میرے ہاتھوں میں دے مگر میرے دل کو اس سے خالی رکھ۔''

غور فرمائیے کیا وہ ساری بات اس ایک دعا کے لفظوں میں نہیں آگئی جسے سمجھانے کے لئے میں نے بے شمار لفظ استعمال کئے ہیں؟ یہ دعا روحانیت اور مادیت کا ایسا زبردست ربط بیان کرتی ہے کہ حیرت سی ہوتی ہے۔ دل تو رب کریم کا عرش ہے روح، روحانیات کا مرکز ہے اس میں مادیت کیسے سما سکتی ہے، مگر ہاتھ پورے وجود کے نائب ہیں۔ دنیا کی تمام مادی طاقتیں اور تمام مادی وسائل بھی ہاتھ آجائیں تو ان کی حد انہی تک ہے اس کو دل میں جگہ دی تو رب کریم یہ گھر خالی کر جاتا ہے۔ یہی بات مومن اور منکر میں حد فاصل قائم کرتی ہے۔ مومن اپنے اقتدار کو اپنے خالق کے عطا کردہ اوامر ونواہی کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ اور منکر اپنی انا کے لئے صاحب اقتدار بنتا ہے۔ پہلا بم برساتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی شہنشاہی قائم کرنے کے لئے دوسرا بم برساتا ہے تو اپنی فرعونیت کی دھاک بٹھانے کے لئے فرق صاف ظاہر ہے۔

میں نے ایک اطالوی سے پوچھا تمہارا خدا کے بارے میں کیا خیال ہے؟ وہ تھوڑی دیر کے لئے گم سم ہو گیا پھر یکا یک چونک کر کہنے لگا: I Never Needed Him

"مجھے کبھی اس کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ یہ معمولی جواب نہیں ہے۔ یہ ایک بہت بڑی حقیقت کا غماز ہے۔ انہیں نہ کبھی خدا کی ضرورت پڑی ہے نہ وہ اسے خاطر میں ہی لاتے ہیں۔ مگر عمل کی دنیا میں وہ سب سے بڑے خدا پرست ہیں۔ ہم ماننے میں سب سے آگے ہیں مگر عمل کی دنیا میں سب سے بڑے منکر ہیں۔ عشق نبیؐ ہمارا اوڑھنا بچھونا ہے۔ اس ذات والا صفات کے بارے میں ایک گستاخانہ لفظ بھی کہنے والا مسلمانوں کے ہاتھوں زندہ نہیں بچ سکتا، مگر اتباع رسولؐ میں ہم سا منافق شاید ہی کوئی ہو۔ کسی روز تنہائی میں بیٹھ کر غور کریں کہ ہم اپنے خدا اور اپنے رسولؐ سے والہانہ پیار کرتے ہیں ان کے مقابلے پر جو نہ اپنے رسولؐ سے کوئی گہری وابستگی رکھتے ہیں نہ جنہیں خدا کی ضرورت ہے۔ وہ خدائی قوانین پر کیسے عمل کر لیتے ہیں اور ہم کیوں نہیں کر پاتے؟ اس کیوں کا جواب ڈھونڈیئے۔ مل گیا تو نسلیں سنور جائیں گی۔

۱۔ اینٹینے درست کرنے والی مشق پہلے کریں۔

۲۔ دو تین منٹوں کے بعد نوری قلم سے لفظ اللہ لکھنے کی مشق کریں۔

۳۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کے دربار کا تصور کر کے بیٹھیں۔ اس میں نہ صرف اپنے انفرادی حالات سنوارنے کی کوشش کریں بلکہ یہ تصور بھی دل جمعی سے باندھیں کہ عالم اسلام حقیقتاً عالم اسلام بن چکا ہے اور اللہ کی رضا کے مطابق اقوام عالم اس کی جانب ایک نظر غلط انداز ڈالنے سے بھی گھبراتی ہیں۔

براہ کرم یہ مشقیں ضرور کریں اور حیرت ناک نتائج دیکھیں، بلکہ اپنے مشاہدات سے ہمیں بھی آگاہ کریں۔ (۱۳)

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا!

روحانی قوتیں

زیادہ تر مسائل اپنی بیوقوفی، لاپرواہی یا عیش وعشرت کی پیداوار ہوتے ہیں اور جب یہ مسائل ناقابل برداشت بوجھ کی صورت اختیار کر لیتے یا پیچیدہ ہو جاتے ہیں تو یہ لوگ عاملوں کے ہاں جا پہنچتے ہیں اور خود ہی اپنی تشخیص پیش کرتے ہیں کہ کسی دشمن نے تعویذ یا جادو کر دیا ہے۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جو اپنی خداداد صلاحیتیں استعمال نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ کوئی اور ان کی مشکلیں آسان کر دے۔ وہ ایسا حل چاہتے ہیں جس میں انہیں جدوجہد نہ کرنی پڑے۔ ایسے لوگ عاملوں کے لئے بڑا اچھا شکار ہوتے ہیں۔

یہ خاص طور پر ذہن میں رکھیں کہ میں عاملوں کی بات کر رہا ہوں، روحانیت کی نہیں۔ علم روحانیت کا وجود ایسے ہی ہے جیسے علم نفسیات کا یا کسی بھی اور علم کا۔ یہ نکتہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ روحانیت اور نفسیات کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ جس طرح آپ کی شخصیت کی خوبیاں اور خامیاں آپ کی نفسیات کی پیداوار ہیں اسی طرح روحانیت بھی آپ پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اللہ نے آپ کو روحانی قوتوں سے نوازا ہے۔ قرآن میں اس کے واضح اشارے ملتے ہیں۔ یہاں میں کچھ حوالے پیش کرتا ہوں۔

سورۃ الجاثیہ کی آیت ۱۳ دیکھئے...... ''اور اس نے تمہارے لئے مسخر کر دیں اپنی طرف سے تمام چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمینوں میں ہیں۔ بے شک ان باتوں میں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو غور کرتے ہیں۔''

سورۂ یوسف کی آیت ۵۳ دیکھئے...... ''میں اپنے نفس کو بری (پاک) نہیں بتاتا۔ نفس تو ہر بات بری ہی بتاتا ہے سوائے اس کے جس پر میرا رب رحم کرے۔''

یہ دیکھئے کہ ناکام اور نامراد کون ہوتے ہیں۔ سورۃ الشمس کی ۷ تا ۱۰ آیت دیکھئے......

بد کرداری اور پرہیز گاری کو الہام کیا۔ یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اپنی جان کو پاک کیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو فسق و فجور میں ڈالا۔"

سورۃ الشوریٰ کی آیت ۳۰ بھی دیکھ لیجئے...... "اور تم کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کئے ہوئے کاموں سے پہنچتی ہے اور (اللہ) بہت سی تو در گزر ہی کر دیتا ہے۔"

سورۃ التین کی آیات ۶ اور ۵ پر بھی غور کریں...... "ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھلا ہے، پھر ہم اس کو پستی کی حالت والوں سے بھی پست کر دیتے ہیں۔"

پستی والوں سے بھی پست اللہ بلاوجہ نہیں کر دیا کرتا، یہ انسان کی اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی صلاحیتوں اور روحانی قوت کا استعمال نہیں کرتا یا ناروا استعمال کرتا ہے۔ اوپر سورۃ الجاثیہ میں اللہ نے فرمایا ہے کہ ان قرآنی باتوں میں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو غور کرتے ہیں یعنی جو عقل و دانش سے سوچتے ہیں۔

یہ چند ایک آیات ہیں جو مجھے فوری طور پر یاد آئی ہیں اور میں نے پیش کر دی ہیں۔ قرآن میں کئی اور آیات میں اللہ کا یہ فرمان ملتا ہے کہ انسان کو اللہ نے اپنا سایہ اور اپنا خلیفہ بنا کر زمین پر اتارا ہے اور اسے صراط مستقیم بھی دکھایا ہے لیکن انسان شیطان کے جال میں آنے کو زیادہ پسند کرتا ہے۔

نفسیاتی پہلو سے دیکھیں جو میں آپ کو علم نفسیات کی روشنی میں دکھا رہا ہوں۔ یہ منفی سوچیں اور فرار کے خیالات ہیں، جو خود اعتمادی اور قوت ارادی کو کمزور کر دیتے ہیں اور آپ میں جو روحانی طاقتیں ہیں انہیں بھی متزلزل کر دیتے ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ اپنی روحانیت کو بروئے کار لا کر آپ خود روحانی عمل کریں اور وظائف پڑھیں۔ آپ کو کسی عامل کے پاس جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی لیکن بیشتر لوگ وہم اور وسوسوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں نہ یکسوئی حاصل ہوتی ہے نہ یقین میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔

یکسوئی اور اللہ کی ذات باری میں یقین پیدا کریں۔ نماز اور وظیفے پڑھیں پھر ان کے

نتائج دیکھیں لیکن منفی سوچوں، وہم اور وسوسوں سے نجات حاصل کریں۔ یہاں میں یہ وضاحت بھی کر دوں کہ وہم اور وسوسے صرف نماز اور وظائف کے لئے ہی نقصان دہ نہیں ہوتے بلکہ روزمرہ زندگی کے معمولات، معاملات اور ہر چھوٹے اور بڑے کام اور گفتار اور کردار کے لئے بھی نقصان دہ ہوتے ہیں۔ ان سے آپ کی شخصیت بری طرح مجروح اور کمزور ہوتی ہے۔

علم نفسیات میں ایک ذہنی خرابی بتائی گئی ہے (Paranoia) اردو میں اسے مالیخولیا بھی کہا گیا ہے اور وسوسہ یا وہم پرستی بھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ذہن ابنارمل ہے اور وہ کسی پر اعتماد نہیں کرتا۔ بات خواہ اس کے فائدے کی ہی کہی جائے، وہ اسے شک کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ اسے ڈاکٹر کوئی دوائی دے یا ماہر نفسیات کوئی بات بتائے یا کوئی عالم بزرگ کوئی وظیفہ بتائے تو وہ صرف ایک یا دو دن دوائی باقاعدگی سے لے گا یا وظیفہ پڑھے گا پھر اس کی باقاعدگی ختم ہو جائے گی۔ وہ دوائی لے گا بھی یا عبادت کرے گا تو اس میں بے دلی ہوگی اور وہ اس وسوسے میں مبتلا ہو جائے گا کہ اسے اس دوائی یا عبادت اور وظیفے سے کچھ بھی حاصل نہیں ہو رہا۔

یہ ذہنی نقص بڑھتے بڑھتے انسان کو اس مقام تک پہنچا دیتا ہے جہاں انسان اللہ کی ذات پر بھی شک کرنے لگتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اللہ سے بیزاری کا اظہار کسی سے کرتا نہیں کہ لوگ دہریہ اور کافر کہیں گے۔

ایسا شخص اپنی ''میں'' کا قیدی ہوتا ہے، یعنی اسے صرف اپنے آپ پر اعتماد ہوتا ہے جو دراصل اعتماد نہیں ہوتا بلکہ یہ بے اعتمادی ہوتی ہے۔ ایسا شخص اپنی فضول بات اور غلط اقدام اور عمل کو بھی پورے اعتماد سے صحیح کہتا ہے۔

اسے نفسیات کی زبان میں (Me is me) یا (1-Am-Ness) کہتے ہیں، یعنی جو کچھ ہے ''میں'' ہوں اور میری ہر بات اور ہر حرکت صحیح ہے اور جو مجھے غلط کہتا ہے وہ جاہل اور گنوار ہے۔ ایسے لوگ ڈاکٹروں اور ماہرین نفسیات کے لئے پریشانی کا باعث بنے رہتے

ہیں۔ وہ اپنی ذات کی منفی اور تخریبی قوتوں کو غالب اور سرگرم کئے رکھتے ہیں اس لئے نہ ان پر کوئی دوائی اثر کرتی ہے نہ ہی کسی ماہر نفسیات کے بتائے ہوئے نفسیاتی علاج کو قبول کرتے ہیں نہ ان کا کوئی وظیفہ قبولیت کا درجہ حاصل کرتا ہے پھر یہ لوگ ڈاکٹروں، حکیموں اور عاملوں کے چکر میں پڑے ناکامیوں اور ذہنی اذیت میں تڑپتے زندگی گزار جاتے ہیں۔

وہم اور وسوسے بڑے بڑے دانشوروں اور تاریخ ساز قسم کی شخصیتوں میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن ان شخصیتوں میں حقیقت پسندی، خود اعتمادی اور قوت استدلال اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ وہ وہم اور وسوسوں پر قابو پا لیتے ہیں۔ میں ان خواتین و حضرات کی بات کر رہا ہوں جن کی ذہنی سطح اوسط یا اس سے نیچے ہے۔

وہم اور وسوسے بلاوجہ پیدا نہیں ہوتے۔ اگر آپ دیانتداری سے اپنے خیالات، من پسند تصورات، عادات اور اعمال کا جائزہ لیں تو آپ کو اپنی اس نفسیاتی خامی کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ ایسے لوگوں میں کوئی نہ کوئی اخلاقی نقص ہوتا ہے۔ عام طور پر اس نقص کا تعلق جنسی جبلت کے ساتھ ہوتا ہے۔ ذہن پر جنسی خیالات اور تصورات کا غلبہ رہتا ہے۔ یہ جنسی بے راہ روی اور انحراف پیدا کرتے ہیں پھر انسان ایسی عادات میں مبتلا ہو جاتا ہے جن سے وہ خود ہی شرمسار ہوتا رہتا اور یہ راز اپنے آپ سے بھی چھپائے پھرتا ہے۔ ضمیر اسے لعن طعن کرتا ہے اور وہ ضمیر کو دبانے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ ایک نفسیاتی عمل ہے جو از خود ہوتا رہتا ہے اور نفسیات کے اٹل اصولوں کے مطابق متاثرہ انسان میں متعدد خامیاں پیدا ہو جاتی ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ خود اعتمادی ختم ہو جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں انسان وہم اور وسوسوں میں مبتلا ہو جاتا ہے پھر وہ کسی پر اعتبار نہیں کرتا وہ اپنی ''میں'' میں بند ہو جاتا ہے۔

یہ نفسیاتی نقص بگڑ کر اس قسم کی صورت اختیار کرتا ہے۔ ''میں مظلوم ہوں۔ اپنے پرائے میرے دشمن ہیں اور کوئی بھی میرا نقطہ نظر نہیں سمجھ سکتا نہ ہی کوئی میرا نظریہ سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ مجھ جیسا کوئی بھی نہیں ہر کسی سے برتر ہوں، دانشمند اور جرأتمند ہوں۔''

اس نفسیاتی نقص کی کچھ اور وجوہات بھی ہوتی ہیں لیکن سب سے بڑی وجہ میں نے اوپر بیان کر دی ہے۔ وجہ یہ بھی ہے کہ انسان خوشامد پسند ہو تو وہ اپنے آپ پر برتری کا خول چڑھا لیتا ہے۔ وہ دوسرے سے خوشامد کی توقع رکھتا ہے۔ اگر وہ روپے پیسے والا ہے یا کسی اچھے عہدے پر لگا ہوا ہے تو پھر خوشامدی اسے محاصرے میں لے کر ذاتی مفاد کی خاطر آسمان پر چڑھائے رکھتے ہیں پھر اس کے سدھرنے اور حقیقی زندگی میں ایک نارمل انسان کی حالت میں واپس آنے کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔

معاشرے میں اس خامی والے لوگوں نے ایک اور مسئلہ کھڑا کر رکھا ہے۔ اگر ایسا انسان ذرا زیادہ جائیداد کا یا زیادہ آمدنی والے کاروبار کا مالک ہے تو وہ آزاد خیال، زر پرست آوارہ عورتوں کے لئے بڑا آسان شکار ہوتا ہے۔ ایسی ایک دو عورتیں اسے باتوں میں شاہ بہرام اور دنیا کا خوبصورت ترین آدمی بنا دیتی اور اس سے خوب کھاتی اور عیش کرتی ہیں۔ یہ آدمی اپنے گھر والوں کے لئے بڑا ہی اذیت ناک مسئلہ بن جاتا ہے۔ اپنے گھر کے تمام افراد کو وہ حقیر اور جاہل سمجھنے لگتا ہے۔ اپنی بیوی میں اسے نقائص نظر آنے لگتے ہیں اور گھر والوں کے لئے اس کے پاس سوائے غصے اور حقارت کے کچھ نہیں رہ جاتا۔

ایسا شخص دو طرح کی معاشرتی خرابیوں کا باعث بنتا ہے۔ ایک یہ کہ اس کی بیوی عاملوں کے چکر میں جا الجھتی ہے۔ رو رو کر کہتی ہے کہ اس کے خاوند پر ایک عورت نے تعویذ پلا کر یا کالا جادو کرا کے قبضہ کر لیا ہے۔ عامل اس کا یہ وہم پکا کر کے اس سے خوب پیسے بٹورتے ہیں اور کوئی عامل اس کی عصمت سے بھی کھیل جاتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ بیوی اگر جوانی کے عالم میں ہے اور کچھ روشن خیال بھی ہے تو وہ انتقاماً کسی آدمی کے ساتھ در پردہ دوستی کر لیتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو اسی جواز سے مطمئن رکھتی ہے کہ خاوند کو عیش موج کرنے کا حق حاصل ہے تو یہ حق مجھے بھی حاصل ہے۔

گھر کی یہ صورت حال بچوں کو تباہ کر دیتی ہے۔ وہ نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں اور بڑے ہو کر اپنے گھر کے لئے ہی نہیں بلکہ معاشرے کے لئے بھی خطرناک افراد بن جاتے ہیں۔

غور کریں کہ ایک آدمی خود خراب ہو کر پورے گھر اور اپنی اگلی نسل کی تباہی کا بھی

باعث بنا۔ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ ایسا آدمی مطمئن اور مسرور نہیں رہ سکتا۔ وہ اپنے آپ میں روحانی اذیت میں مبتلا رہتا ہے۔ اس کا اس کے سوا کوئی علاج نہیں کہ وہ (Paranoia) کی کیفیت سے نکلنے کی کوشش کرے اور اپنی قدرتی اور نارمل حالت میں آ جائے۔

انسان کی فطری خواہش اور ضرورت یہ ہے کہ وہ مطمئن اور مسرور رہے۔ حقیقی مسرت اور اطمینان نہ حسین گناہوں میں ہے نہ دولت میں نہ رعب دکھا کر دوسروں سے بڑا کہلانے میں مسرت ہے۔ جو لوگ شاکی ہیں وہ مسرت سے محروم ہیں ہ اپنے ماحول اور اپنے اردگرد کے حالات سے ہم آہنگ نہ ہونے کی وجہ سے محروم ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ماحول اور حالات ان سے ہم آہنگ ہوں۔ وہ دوسروں کو مطیع کرنا چاہتے ہیں خود مطیع نہیں ہوتے۔

ایسے لوگوں کی ذہنیت کو ایک برطانوی فلاسفر نے یوں واضح کیا ہے کہ ایسے ہی ایک آدمی کے دروازے پر خوش بختی نے دستک دی تو اس آدمی کے ماتھے پر بیزاری کی شکنیں پیدا ہو گئیں۔ دوسری بار دستک زور سے ہوئی تو اس آدمی نے جھنجھلا کر کہا...... ''ارے یہ کس نے شور مچا رکھا ہے۔ جاؤ' آرام کرنے دو''...... خوش بختی اس کے دراز ے سے ہٹ کر کسی اور کے دروازے پر جا رکی۔

اکثر لوگوں کی حالت یہی ہوتی ہے۔ وہ اپنے آپ میں، اپنی انا کے خول میں بند رہتے ہیں اور اس کے اندر مسرت اور خوش بختی کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ کوئی بھی انسان جیل میں خوش نہیں رہ سکتا خواہ وہ مجرم ہی ہو۔ اسی طرح انسان اپنے لئے جو جیل خانہ بنا کر اس میں قید ہو جاتا ہے، اس قید میں بھی وہ خوش نہیں رہ سکتا۔ اپنا بنایا ہوا جیل خانہ جذبات کا، خوف، کا احساس گناہ کا، خودستائی، حسد اور کینے کا اور مظلومیت کے احساس کا ہوتا ہے۔ یہ سب انسان کی ذات کے قید خانے کی زنجیریں ہیں جن میں اکثر خواتین وحضرات نے اپنے آپ کو باندھ رکھا ہے۔ وہ مطمئن اور مسرور نہیں رہ سکتے۔

وہ لوگ مسرت سے ہمیشہ محروم رہتے ہیں جن کی خواہشات صرف اپنی ذات سے تعلق رکھتی ہیں۔ اپنے اردگرد اپنے بسنے والے لوگوں بلکہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے متعلق بھی وہ خواہش رکھتے ہیں کہ جو ان لوگوں کی قسمت میں لکھا ہے، وہ بھی انہیں مل جائے۔

چونکہ ان کی خواہش پوری نہیں ہوتی اس لئے وہ مسرت سے محروم رہتے ہیں۔

وہ انسان زندگی سے مسرت حاصل کر ہی نہیں سکتا جس کی توجہ صرف اپنی ذات پر مرکوز رہتی ہے۔ ایسے انسان کو نفسیات کی زبان میں (Self Centred) کہتے ہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ دنیا کی ہر نعمت پر صرف اس کا حق ہے۔ اسے دنیا کی کوئی ایک بھی نعمت نہیں ملتی۔ اس سے وہ اپنے آپ کو مظلوم سمجھتا ہے۔ دنیا کا مظلوم ترین انسان...... وہ گھر اور معاشرے سے کٹ جاتا ہے۔

اب اپنا جائزہ دیانتداری سے لیں اور دیکھیں کہ آپ یقیناً ان ہی لوگوں کے زمرے میں آتے ہیں جن کی شخصیت کو میں نے بیان کیا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی ذات میں روحانی قوتیں موجود ہیں۔ اپنے خول سے نکلیں اور زندگی کی حقیقت کو دیکھیں، اس میں اپنے رول کو پہچانیں۔

اللہ اور اس کے عظیم دین سے انحراف نے آپ کی روحانی قوتوں کو سلا دیا ہے اور آپ دوسروں سے پوچھتے پھر رہے ہیں کہ روحانیت کیا ہے۔ اللہ نے آپ کو روحانیت کا نور عطا کر رکھا ہے اور آپ اس سے بے خبر ہیں۔ اس بے بہا خزانے کو اپنی ذات کے تاریک گوشوں میں ڈھونڈیں لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اپنے نقائص اور اپنی کج روی کو تسلیم کریں۔ اپنے آپ کو اس روپ میں دیکھیں جو آپ کا قدرتی روپ ہے۔

یہاں میں ایک بنیادی اور سب سے زیادہ اہم سبق دے دیتا ہوں۔ اکثر لوگ اس دشواری سے دوچار ہوتے ہیں کہ انہیں یکسوئی حاصل نہیں ہوتی۔ ذہن خالی نہیں ہوتا اور ذہن بھٹکنے لگتا ہے۔ کسی نے انہیں موم بتی جلا کر یکسوئی کا طریقہ بتا دیا ہے۔ میں آپ کو ایک طریقہ بتاتا ہوں۔ نماز پڑھیں اور دھیان اللہ پر رکھیں کہ آپ اللہ کے دربار میں کھڑے ہیں۔

نماز کے بعد کوئی سا درود شریف گیارہ مرتبہ پڑھیں اور صرف ایک تسبیح کوئی وظیفہ پڑھیں۔ مثلاً یا حی یا قیوم پڑھیں۔ تصور میں اپنے آپ کو اللہ کے دربار میں دیکھیں اور ذہن اسی پر مرکوز رکھیں۔ وظیفہ ختم کر کے پھر پہلے والا درود شریف پڑھیں۔ گیارہ مرتبہ۔ اس سے آپ کو یکسوئی بھی حاصل ہو گی اور روحانی قوتیں بھی بیدار ہوں گی۔ (۱۴)

کشف کرامات کی حقیقت

آج کل مادہ پرستی کے دور میں ہر شخص عجلت میں شارٹ کٹ
کے ذریعے بغیر کسی کاوش کے مسائل کا حل چاہتا ہے۔
انسانی دماغ میں بارہ ارب سیل کام کر رہے ہیں

اکثر یوں ہوتا ہے کہ کسی پرچے میں تنقید اور اپنے اپنے خیالات پیش کرنے کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو تنقید برائے تنقید کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ حاصل وصول تو کچھ نہیں ہوتا، البتہ معاشرہ ایک غلط فہمی کا شکار ضرور ہو جاتا ہے اور ہر عام آدمی اپنی اپنی فہم وفراست کے مطابق اپنی اپنی رائے قائم کر لیتا ہے۔ ایسی ہر رائے حقیقت سے بہت دور ہوا کرتی ہے۔ معلوماتی لیاقت اور شوق مطالعہ کی کمی کے ساتھ ساتھ ایسے لٹریچر کی بھی کمی ہے جو حقیقت پر مبنی ہو۔ ہر شخص ڈیڑھ اینٹ کی اپنی مسجد بنانے کے شوق میں درست اور غلط کو گڈمڈ کر کے یہی چاہتا ہے کہ وہ جو نظریات پیش کر رہا ہے لوگ انہی کو قبول کریں اور اس کی تعریف کریں اور اس کی ایک ایسی شخصیت قائم ہو سکے جس کا وہ حقدار نہیں۔ ایسے مضامین نظروں سے گزرتے ہی رہتے ہیں جن کی حقیقت تو کچھ بھی نہیں ہوتی مگر بیان کرنے کے طریقے ایسے اپنائے جاتے ہیں کہ اگر کسی نے انکار کی جرأت کی تو اس پر فتویٰ لگ گیا۔

اسے دقیق مسئلے چھیڑنے ہی نہیں چاہئیں جو الگ الگ علم کی حیثیت رکھتے ہوں۔ ہر علم کی اپنی ایک گہرائی اور ایک پیچیدگی ہے، اپنے اپنے اسرار ورموز ہوتے ہیں۔ انہیں کوئی عام آدمی نہ ایک دو مضامین سے سمجھ سکتا ہے نہ سمجھا سکتا ہے، پھر ہوتا یہ ہے کہ مسئلہ متنازعہ ہو جاتا ہے۔ کچھ ایسا ہی سلسلہ آج کل دیکھنے میں آ رہا ہے...... ''روحانیت کیا ہے!''...... ڈاکٹر صاحب! کی تنقید اپنی حیثیت میں ان کے اور عام طور پر عقل شعور رکھنے کی سب سے بڑی عطا ہے۔

معلومات کے یہ سیل اپنے اپنے سٹیشن سے کیونکر کام کر سکتے ہیں جن میں کچھ آٹو میٹک ہیں اور کچھ ایک معمول کے مطابق کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔ بہت سارے فاضل سیل اپنے اپنے سٹیشن پر زندہ موجود ہیں مگر انسانی ذہن (قوتیں جو بہت سے خواص کی حامل ہیں۔ صرف روحانیت ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جو ان قوتوں سے حسب منشا کام لے سکتی ہے اور جو ان میلوں کے دائرہ اختیار میں ہے۔

میرا مقصد روحانیت کے بارے میں لیکچر دینا نہیں، آپ کے سامنے صرف ایک خاکہ پیش کرنا تھا تا کہ روحانیت کے بارے میں جو بحث چل نکلی ہے۔ یہ بحث کسی حتمی رائے پر پہنچ جائے روحانیت کو نہ تو کوئی شخص بحث طلب مسئلہ بنا سکتا ہے نہ ہی اس پر تنقید ہو سکتی ہے۔ روحانیت کا تو اپنا ایک علیحدہ دائرہ اختیار ہے۔ آپ اسے کسی استعمال میں لاتے نہیں۔ اگر مخلوق خدا کی بھلائی میں یہ معلومات اور قوت صرف ہوتی ہے تو اس سے بہتر بات اور کوئی نہیں۔ حقوق العباد ہر شخص پر ایک فریضہ ہے۔ اگر ایسی قوت کو شر کا رنگ دے کہ کوئی شخص فتنہ اور فساد کو ہوا دیتا یا مخلوق خدا کو گمراہ کرتا ہے تو اس انسان کے بارے میں آپ خود مجھ سے بہتر رائے قائم کر سکتے ہیں۔

روحانیت کے عامل کے لئے سب سے بڑا انعام ایک پرسکون لور صحت مند زندگی کے ساتھ ساتھ مطمئن قلب بھی ہے۔ روحانیت اندرونی اور باطنی خطرات اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ اور ذہن کو بیدار رکھتی ہے اور یہی وہ خواص ہیں جن کی بنا پر انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا گیا ہے۔

وسوسوں اندیشوں میں گھری ہوئی کمزور اور بیمار زندگی ہر طرح سے مفلوج اور ڈری ڈری زندگی نہ اپنی حفاظت کر سکتی ہے۔ نہ بنی نوع انسان کی کوئی خدمت کر سکتی ہے اس کی سوچ مردہ ہوتی ہے۔ اندھیروں میں جیسے کوئی خود کو بچانے کے لئے ہاتھ پیر مار رہا ہو۔ ساری عمر ٹونے ٹوٹکوں کے سہارے جینے والے لوگ ایک غلامانہ ذہنیت کے ساتھ ساتھ اپنے آپ پر نہ کوئی اختیار رکھتے ہیں۔ نہ ان میں خود اعتمادی ہوتی ہے نہ کسی پر اعتماد کرتے

ہیں۔ وہ تو جیسے دریا کی طغیانی میں بے سہارا تیرنے سے ناواقف دریا میں ڈوبتے ابھرتے، چیخ وپکار کرتے، ڈرے ڈرے سہمے ہوئے موت کی غار کی طرف بے یقینی کی حالت میں دھکیلے جارہے ہوں۔ ایسے لوگ نہ تو خود کو پہچانتے ہیں نہ اپنے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کو۔ بھلا خدائے بزرگ وبرتر کو کیا پہچان پائیں گے۔ دردر پر جا کر آسرا طلب کرنے والے یہ لوگ گمراہ ہیں۔ ایسے میں وہ جو انسانوں اور جنوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کرتا ہے اپنے شکار کی ذہنیت سے بخوبی آشنا ہوتا ہے۔ اس کے پاس صرف ایک ہی انعام ہے...... گمراہی کے غار میں ذلت کی زندگی اور بدبختی کی موت...... میری دعا ہے کہ خدا ہم سب کو اس شیطان مردود سے محفوظ رکھے۔

اس کے لئے بھی ہمیں روحانیت کا سہارا درکار ہے تاکہ ہمارے خیالات رجحانات اور وہ اعمال جو ہمارے یقین کو متزلزل کردیں اور ہمیں ان راستوں پر گامزن کردیں جہاں حرص وہوا، جنسیت، خود پرستی، ہماری شخصیت ہی کو تباہ وبرباد کرڈالے۔ ہماری صلاحیتوں اور اختیارات کے ساتھ ساتھ ساری سوجھ بوجھ کو مفلوج کردے، ان افکار اور کردار سے ہمیں محفوظ رکھ سکے۔

روحانیت کا علم مقدس اور محترم ہے۔ اس کا ہر عامل عاجزی پسند ہوا کرتا ہے اور اس کا اصول عجز وانکسار ہی ہونا چاہئے۔ وہ بحث نہیں کیا کرتا کہ زندگی کا ایک لمحہ بھی بہت قیمتی ہے اور ہمارے آگے ابھی ایک لمبا سفر پڑا ہے۔

میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ روحانیت کوئی ایسا موضوع نہیں جسے ایک ہی مضمون میں سمیٹ کر واضح کردیا جائے۔ ذرا ان معجزوں پر غور کریں۔

ابوجہل کی بند مٹھی میں کنکریوں کا گواہی دینا۔

ایک مٹھی خاک اور کفار کا پسپا ہوجانا۔

آشوب چشم کے باوجود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کمان میں فوج روانہ کرنا۔

ایک سالار فوج کا سرشام ٹیلے پر کھڑے ہوکر جنگل میں یہ اعلان کرنا کہ ہم غلامان محمد

صلی اللہ علیہ وسلم آج کی رات اس جگہ قیام کریں گے اور پھر سب نے دیکھا جو موذی جانور بھیڑیا تھا یا اژدہا۔ شیر تھا یا چیتا اپنا انڈا بچہ منہ میں دبائے اس جگہ کو چھوڑ گیا۔

سر بازار پتھر پڑ رہے تھے اور سر مبارک سے بہتا خون نعلین تک پہنچ رہا تھا مگر لب پر صرف ایک ہی گزارش تھی...... ''یہ تیرے بندے ابھی مجھے پہچانتے نہیں۔ میں نے انہیں معاف کیا تو بھی معاف فرما دیجئو میرے رب!''

کہہ سکو تو کہو کہ مٹی کی کنکریاں کہاں زبان رکھتی ہیں جنگلی جانور کب عربی، عجمی، فارسی زبان سمجھتے ہیں؟ در خیبر ایک ہاتھ سے اکھاڑ پھینکنا کیسے ممکن ہوا؟ لیکن کوئی ہے جو انکار کی جرأت کر سکے؟ انکار کے حق میں کسی کے پاس کوئی دلیل ہے؟

میرے اس مختصر سے مضمون کا لب لباب یہ ہے کہ روحانیت ایک علم ہے جس کے حصول کے لیے ریا کی، شب بیداری کی، اپنا من مارنے کی ضرورت ہے، اس بحر بیکراں سے گوہر حاصل کرنے کی صلاحیت ہر کسی میں موجود ہے لیکن اس صلاحیت کے استعمال کے لئے جان لیوا جدوجہد کی ضرورت ہے۔ (۱۵)

اعتقاد اور ضعیف الاعتقادی

مختلف ادوار میں بنی نوع انسان اپنے وجود کو محفوظ رکھنے کے لئے طرح طرح سے کوشاں رہا ہے۔ جوں جوں اس کا تجربہ بڑھتا گیا سوچنے کے انداز میں بھی تبدیلی آتی گئی۔ یہ تو کوئی بھی نہیں بتا سکتا کہ دنیا میں جب سب سے پہلا انسان وجود میں آیا تو اس وقت یہ دنیا کیسی تھی اور حضرت انسان نے اس وسیع و عریض دنیا پر پہلا قدم رکھنے کے بعد سب سے پہلے کس انداز میں سوچا تھا۔ پھر بھی اتنا تو قیاس کیا ہی جا سکتا ہے کہ اسے حیرت ہوئی ہوگی۔ اس کے ساتھ ساتھ دھڑکا اور خوف بھی محسوس ہوا ہوگا انجانے حالات۔ نامعلوم واقعات۔ شب و روز اور بدلتے موسموں کے اثرات نے اس کی سوچوں کو نہ جانے کیا رنگ دیا ہوگا۔ کالی گھٹاؤں کا گھر آنا۔ بجلی کا کڑکنا اور موسلا دھار بارش۔ کبھی چاندنی اور کبھی پر اسرار کالی سیاہ راتیں۔ آتش فشاں پہاڑوں کا خوفناک دھماکے کے ساتھ گرم گرم لاوا اور آگ کے شعلے اُگلنا، زمین دوز زلزلے کی خوفناک گڑگڑاہٹ اور زمین کا پھٹ جانا، دریاؤں کی خوفناک طغیانی ہرے بھرے جنگلوں کا خود بخود جل اٹھنا۔ رات کو جنگلی جانوروں، کتوں، بھیڑیوں، گیدڑوں اور لومڑیوں کا آسمان کی طرف منہ اٹھا کر رونا، آسمان پر شہابوں کا کبھی بکھر کر اور کبھی اپنے پیچھے لمبی لکیر روشنی کی چھوڑ کر غائب ہو جانا اور قدرت کے دیگر مظاہرے اور آفات نے انسان کو ذہنی طور پر خوف و ہراس اور گہری سوچوں میں مبتلا کر دیا ہوگا۔ اپنی حفاظت کا ذریعہ بھی تو اس کے پاس اس کے سوا نہ تھا کہ کبھی درختوں پر بندروں کی طرح چڑھ گیا تو کبھی غاروں اور بھٹوں میں پناہ لی اور اپنے آپ کو چھپایا۔ اس طرح انسان نے پہلے پہل جانوروں سے سیکھا کہ وہ کس طرح جان بچاتے ہیں۔ یہ تھا خوف جس نے حفاظت خود اختیاری کی طرف سب سے پہلے توجہ دلائی ہوگی۔

اسی بنیاد پر انسان کا مشاہدہ اور تجربہ آگے بڑھا ہوگا۔ جب اس نے دیکھا کہ کوئی

جانور دلدل میں پھنس گیا ہے اور رفتہ رفتہ دلدل میں غرق ہو گیا ہے یا کسی کو سانپ نے ڈس لیا اور وہ اس کے سامنے تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ ایسے ہی اور بہت سے مشاہدے اسے تجربہ کار بناتے چلے گئے۔ پھر خطرناک بیماریاں کوڑھ، چیچک طاعون، ہیضہ، فالج، دق وغیرہ جنہیں وہ آتا دیکھ نہیں سکتا تھا، بیچارہ انسان ان وباؤں سے کیسے اپنی حفاظت کر سکتا تھا اور کس انداز میں سوچ سکتا تھا۔ اس کے اثرات خوف کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ چونکہ طریقۂ علاج وہ جانتا نہ تھا پھر بھی اس نے اسی میں عافیت سمجھی کہ وہ ان وباؤں کو اپنے وہم کے مطابق کوئی ان دیکھی طاقت سمجھ لے اور اس ان دیکھی طاقت کو خوش کرنے کے لئے جان کے بدلے جان دینے کا ایک طریقہ اختیار کر لیا۔ یوں جانوروں کو بھینٹ چڑھاتے چڑھاتے انسانی جانوں تک باری آ گئی اور یہ مذموم طریقہ کار ایک طرح کے اعتقاد کی سی صورت اختیار کرتا چلا گیا۔ اسے کہتے ہیں ضعیف الاعتقادی۔

بات ایک دو سال کی نہیں ہزاروں سال گزر گئے ہیں ان بے ہودہ اور مذموم طریقوں پر عمل کرتے ہوئے۔ بعض نے ان پر مذہب کا رنگ چڑھا دیا اور دوسروں نے انہیں رسم و رواج بنایا کسی نے نہ سوچا ہم ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ کیا ہمارا یہ اقدام درست ہے؟ کہیں ہم سے کوئی غلطی تو سرزد نہیں ہو رہی؟ مگر ابھی انسان کی سوچ میں گہرائی نہیں آئی تھی۔ دراصل انسان فطرتاً خود غرض اور لالچی رہا ہے۔ شروع شروع میں انسانی قربانیاں اس طرح دی جاتی تھیں کہ اِدھر اُدھر سے کسی بھی بچے، جوان، بوڑھے، لڑکی یا عورت کو پکڑ کر بھینٹ چڑھا دیا گیا، ہوتے ہوتے یہ عقیدہ یا رواج عام ہو گیا۔ دوسری طرف انسانوں کی بستیاں اور بازار وجود میں آ گئے۔ یہاں سے (Survival of the Fittest) کے اصول کا دور شروع ہوا جس کا لفظی مطلب یہ ہے کہ صرف طاقتور زندہ رہ سکتا ہے۔ اسے آپ جس کی لاٹھی اس کی بھینس بھی کہہ سکتے ہیں۔ انسان کی معاشرتی زندگی میں جب اس محاورے کا عمل دخل شروع ہوا تو منڈیوں اور بازاروں میں انسان بھی بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کے لئے لائے جانے لگے۔ یہ دور ہزاروں سالوں پر پھیلا ہوا ہے۔ انسانوں کی خرید و فروخت کا

کاروبار بلا روک ٹوک چلتا رہا۔ ایک غلام خریدا اور خریدار اس کی جنس و مال کا بلا شرکت غیرے مالک کہلانے لگا۔ اس کے ساتھ کچھ بھی سلوک کریں۔ بھوکا ماردیں۔ دن رات کام میں جوتے رکھیں یا اس کو کسی دیوی دیوتا کے قدموں میں ذبح کرڈالیں۔ کوئی روکنے والا نہیں تھا۔ چنانچہ یہ بھی عقیدہ بن گیا کہ طاقتور کمزور کو خرید سکتا ہے۔ غلاموں کے سوا کوئی نہ تھا جس نے محسوس کیا ہو کہ یہ تو سراسر غیر انسانی سلوک ہے لیکن ظالم کا ہاتھ کون پکڑ سکتا تھا؟ مظلوم اور گرفتار بلا غلام تو جانوروں سے بھی کم حیثیت رکھتے تھے۔ انہیں احتجاج کا حق حاصل نہیں تھا۔

جب ہم انسان کی جبلت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ ضروری نہیں کہ ہر انسان میں انسانیت کا پہلو نمایاں ہو۔ یہ بات تو تجزیہ کرنے ہی سے معلوم ہوسکتی ہے۔ انسان عام طور پر جس معاشرے اور جس ماحول میں پروان چڑھے گا اس کی جبلت پر اسی معاشرے اور ماحول کا رنگ چڑھنا یقینی بات ہوگی۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ انسان ہوتے ہوئے بھی وہ درندوں سے زیادہ خوفناک درندہ ثابت ہوا ہے۔

”کتا کتے کا گوشت نہیں کھاتا، ایک ضرب المثال ہے۔ انسان نے اس مثال کو بھی شرمندہ کردیا۔ زر اور زن پرستی، حرص اور لالچ نے انسان کو بدنیتی سکھائی۔ اسے جانوروں سے بھی بدتر بنا کر رکھ دیا۔ اعتقاد ہی کی بنیادوں پر فرعونوں کے زمانوں میں کسی بادشاہ یا امیر کے مرجانے کے بعد اس کی لاش کے ساتھ زندہ انسانوں کو محض اس لیے دفن کردیا جاتا تھا کہ مردے کو دوبارہ جی اٹھنے پر اس کی خدمت کی ضرورت ہوگی۔ افریقہ کے حبشیوں کے کئی قبیلوں کا دستور کچھ اس قسم کا تھا کہ قبیلے کا کوئی مرد، بچہ، بوڑھا، لڑکی یا عورت بیمار پڑ جاتی تو قبیلے کے درمیان لکڑی کے پول سے بندھا ہوا نقارہ اس کے گھر والے بجاتے۔ اس کی آواز سنتے ہی قبیلے کے تمام مرد و زن اکٹھے ہوجاتے۔ مٹی کے ایک بہت بڑے تاندھ میں پانی ڈال کر نیچے آگ جلائی جاتی۔ مریض کو بڑے اہتمام سے وہاں لایا جاتا۔ اس کے گرد سب ناچتے پھر وہ اپنے دستور کے مطابق مریض کو لٹا دیتے۔ قبیلے کا سردار کوئی نوکدار چیز مریض کی شہ رگ میں چبھو دیتا۔ خون کا فوراہ ابل پڑتا۔ مریض کے ہاتھ پیر اس کے اہل خانہ قابو

اسے پانی کے مٹکوں میں ڈال دیے جاتے جو رات بھر ابلتے رہتے۔ تمام قبیلہ رت جگا مناتا۔ رقص تمام رات جاری رہتا۔ یہاں تک کے رات کے پچھلے پہر مردے کا ابلا ہوا گوشت تمام قبیلے میں تقسیم کر دیا جاتا جسے وہ بڑے شوق سے کھا جاتے۔ مردے کا سر خاندان کے نئے وارث کا حق سمجھا جاتا۔ وہ مرنے والے کا بیٹا ہوتا یا بھائی یا باپ جو مزے سے کھوپڑی کا گوشت نوچ نوچ کر کھا جاتا اور کھوپڑی اپنے گلے میں لٹکا لیتا۔ یہ بھی تو ایک دستور تھا۔ اعتقاد یہ تھا کہ ان کے خیال میں مریض قبیلے کے تمام مرد و زن کے جسموں میں زندہ ہے اور موت کی دسترس سے بہت دور۔

آپ نے دیکھا ہوگا ایک کوے کو مار کر کسی جگہ لٹا دیتے ہیں۔ وہاں کوے نہیں آتے۔ اسی نظریے کے تحت آدم خور حبشی قبیلے کے لوگ اِدھر اُدھر سے کسی کو پکڑ کر قتل کر ڈالتے اور اس کا سر قبیلے کے صدر مقام پر ٹانگ دیتے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ اس طرح ان کا قبیلہ ناگہانی بلاؤں، دیوی دیوتاؤں کے عذاب اور بدروحوں کی دسترس سے محفوظ رہے گا۔

یہ تو چند حقائق ہیں جو آپ کے سامنے پیش کر دیے۔ میں فیصلہ کرنے میں جلدی نہیں کروں گا۔ الزام کس کو دیا جائے؟ ان بادشاہوں کو جو اپنے مدفن میں لاتعداد زندہ غلاموں کو بھی دفن کروا دیتے تھے یا ان لوگوں کو جو اپنے سر سے مصیبت اتارنے کے لئے کسی مجبور انسان کو قتل کر دیتے تھے؟ یا جاہل تقلید پسندوں کو ملزم قرار دوں جو دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے زندہ نوجوان کنواریوں کو دیوی دیوتاؤں کے قدموں میں ذبح کر ڈالتے تھے؟ آپ سوچنے میں حق بجانب نہیں کہ واقعی وہ معاشرہ جاہل تھا۔ آپ کی نظر میں شاید وہ تمام کے تمام ظالم جاہل اور بیہودہ قسم کے لوگ تھے۔ آپ اپنے معاشرے میں رہ کر شاید ایسا سوچ بھی نہیں سکتے۔

کا زمانہ تھا۔ انسان کے پاس کچھ نہیں تھا، علم نہیں تھی، شعور اعتقاد کا گمان تک نہ تھا۔ آپ نے درست فرمایا لیکن آپ کا فیصلہ جلد بازی پر ہے اس لیے مجھے تو منظور نہیں۔ دراصل یہ صورت حال چالاک راہبوں، کاہنوں اور قبیلوں کے سرداروں کی بدنیتی، حرص اوران جاہل لوگوں کے ذہنوں پر حکومت کرنے کے لئے صرف ایک چالاکی تھی، عیاری تھی اور خود پرستی کا مظاہرہ تھا۔ انسان بے چارہ تو روز ازل ہی سے توہم پرست چلا آرہا ہے۔ اپنی اور اپنے اہل وعیال کے بقا کے لئے کوشاں رہا ہے۔ یہ فطرت تو جانوروں کی بھی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی حفاظت میں سینہ سپر ہو کر جان تک دینے سے گریز نہیں کرتے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اپنی یا اپنے بچوں کی جان بچانے کی خاطر کسی غلام یا مجبور کو ذبح کر دیا گیا۔ یہ طریق کار تو عام انسان کو معلوم ہی نہیں تھا۔ ظاہر ہے کسی شخص نے تو اپنی بزرگی کا اظہار کرنے کے لئے ایسے مذموم راستے نکالے ہوں گے۔ عام انسانوں کا تو صرف اس قدر قصور ہوا کہ ان کے پاس تعلیم نہیں تھی کلچر نہیں تھا۔ اگر ایک طرف کاہن یا چالاک راہب اور جادوگر سپر مین سمجھا جاتا تھا تو دوسری طرف بادشاہت ہر طرح سے سیاہ وسفید کی مالک تصور ہوتی تھی۔ بدقسمتی سے ان لوگوں کا یہ حق تسلیم شدہ تھا۔ وہ ہر شخص کے سیاہ وسفید کے ساتھ اس کی جان کے بھی مالک تھے۔ آپ تو جمہوریت کے دور کی پیداوار ہیں۔ بادشاہوں کے مزاج کو کہاں سمجھ پائیں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہماری جمہوریت شہنشاہیت ہی کی بدلی ہوئی یا بگڑی ہوئی شکل ہے۔

میرا یہ مضمون خالصتاً روحانیات کے ضمن میں اعتقاد اور ضعیف الاعتقادی کے عنوان سے زیر مطالعہ ہے اور میں کسی طرح بھی کسی مذہب کی رو سے بات نہیں کر رہا۔ مذہبی اعتقاد کیا ہیں، اس سے مجھے کوئی غرض نہیں البتہ روحانیات کے اصولوں کے تحت صرف اعتقاد تسلیم شدہ ہے، ضعیف الاعتقادی کی کسی صورت کوئی گنجائش کبھی پیدا ہی نہیں ہوتی۔ میں

اعتقاد اور ضعیف الاعتقادی کا فرق بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ یہ آپ کا کام ہے کہ عقل کی کسوٹی پر کھوٹے کھرے کی پہچان کریں۔ آپ سے بہتر اور کون کر سکے گا۔ آج تو ہر طرف تعلیم کا دور دوار ہے۔

آپ نے بالکل درست کہا کہ جہاں تک اعتقاد کا تعلق ہے روحانیات کے ضمن میں اعتقاد کا دوسرا نام یقین کی پختگی ہے اور ضعیف الاعتقادی صرف وہ بنیادی شکل ہے جو صرف نام نہاد ہے ورنہ حقیقت سے اس کا سرے سے کوئی وجود نہیں۔ حیرت اس پر ہے کہ باوجود اس کے کہ ہم عقل سلیم رکھتے ہیں، جانتے بھی ہیں، پہچانتے بھی ہیں گویا لبوں پر مہر لگی ہوئی ہے۔ شاید کوئی انجانا خوف ہے جو انسان پر طاری چلا آرہا ہے۔ میرے کانوں نے خود بھی شاید کئی بار سنا ہے۔ ''بچہ ذرا منہ کھول تو سہی پھر دیکھ تیرا حشر کیا ہوتا ہے'' ...... مجھے آج بھی یاد ہے کہ میرا بدن ایک دم پسینے سے شرابور ہو گیا تھا اور کپکپاہٹ سر سے پیر تک محسوس کی تھی۔ میں نے بائیسکل کے پیڈل تیز مارنے شروع کر دیے تھے۔ میں نے ڈری ڈری آنکھوں سے اپنے چاروں طرف دیکھا تھا مگر وہاں تو ہر طرف صرف قبریں تھیں۔ میں میانی صاحب کے قبرستان کے بیچوں بیچ سے گزر رہا تھا۔ میری سائیکل ٹکرا گئی تھی۔ میرے سامنے گورکن پھاوڑا کندھے پر رکھے مجھے گھور رہا تھا۔ ''معاف کر دینا'' ...... جلدی سے میرے منہ سے نکلا اور میں پیدل ہی تیز تیز قدم بڑھاتا قبروں کے بیچ سے گزرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

یہ درست ہے کہ کچھ دور چل کر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا ماحول سنسان تھا۔ میں نے سوچا کہ وہ گورکن تھا یا شام کے جھٹ پٹے میں کوئی بدروح۔ آپ حیران ہو رہے ہیں۔ شاید میرا بھرم بھی ٹوٹ جائے مجھ سے پوچھو تو مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔ بھرم ٹوٹتا ہے تو ٹوٹ جانے دو لیکن میں خود کبھی ضعیف الاعتقادی کے بارے میں وہ بھی اس دور میں ہرگز ایک لفظ زبان سے نہیں نکالوں گا۔ پھر بھی میں نے دیکھا ہے کہ مجھ جیسے سینکڑوں نہیں ہزاروں ہیں جو بھرم ٹوٹ جانے کے باوجود قابل عزت و احترام ہیں۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اس وقت مجھے ایک ضرب المثل یاد آ گئی ہے۔ ''آ بیل مجھے مار'' ...... اس لیے کیا یہ بہتر نہیں کہ قوالی سن

کر میں بھی حال کھیلنے لگوں؟ کم از کم لوگ اتنا تو پہچان جائیں گے کہ میں بھی کوئی پہنچا ہوا اگر نہیں ہوں تو پہنچنے والا ضرور ہوں۔ دوسرے میرے مضمون کو بھی کوئی زک نہیں پہنچتی۔ ماشاء اللہ ہم پانچوں سوار دلی سے آرہے ہیں۔

یہ ضرب المثل اس طرح ہے کہ چار سوار گھوڑوں پر جا رہے تھے۔ ایک مجھ جیسا بیچارا گدھے پر سوار راستے میں مل گیا۔ اس نے اپنا گدھا ہانک کر سواروں کے نزدیک کر لیا۔ کسی نے پوچھا، بھئی یہ سوار کہاں سے آرہے ہیں؟ گدھا سوار ایک دم بول پڑا۔ ''ہم پانچوں سوار دلی سے آرہے ہیں''...... تو صاحبو! جان کی امان پاؤں تو عرض کروں آپ ایک بار میرے مضمون کا عنوان پھر دیکھ لیں...... ''اعتقاد اور ضعیف الاعتقادی'' اب فی زمانہ اس تعلیمی دور میں کسی کو ضعیف الاعتقاد بتانا بھلا کہاں کی عقل مندی ہے۔ یہ میری سیاست ہے اور آج کل کوئی بات اس کے بغیر بنتی نہیں۔ بس اتنا عرض کروں گا جن زمانوں اور زمینوں کی بات کی ہے وہاں ان دنوں بھی سورج مشرق سے نکلتا تھا اور مغرب میں غروب ہوا کرتا تھا۔ سو آج بھی مشرق ہی سے سورج نکلتا ہے اور مغرب ہی میں غروب ہوتا ہے البتہ ہم اور آپ کو ایک امتیازی وجہ حاصل ہے یعنی آج کل تو تعلیم کا بہت چرچا ہے...... اللہ رکھے قدم قدم آباد...... کم از کم ہم مناجات تو پڑھ سکتے ہیں۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے میرا اعتقاد ہے کہ اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے پہلے اکثر راتوں کو ایسا ہوتا تھا کہ سوتے میں آنکھ کھل جایا کرتی تھی۔ میں نے سنی ہے وہ دلدوز چیخ جو رات کو پراسرار تاریکی میں بلند ہوتی پھر رفتہ رفتہ پچھلی رات کے اندھیرے سکوت میں ڈوب جایا کرتی۔ بخدا میری روح کانپ جایا کرتی تھی۔ کچھ وقفے سے چوکیدار کی آواز کہیں دور سے گونجتی...... ''جاگتے رہنا خبردار'' جیسے مجھ پر غنودگی سی طاری ہونے لگتی اور میں اس غنودگی میں بڑبڑانے لگ پڑتا کہ جاگ تو رہا ہوں۔ جاگ تو رہا ہوں اور پھر مجھے نہیں معلوم ڈنڈا کھڑکھڑاتا چوکیدار کس گلی کی طرف گم ہو جاتا۔ (۱۶)

روحانیات اور علم الیقین

آج کل مغربی دنیا میں ایک بار پھر تلاطم پیدا ہوا ہے اور ایسے واقعات کے متعلق تجسس بڑھنے لگا ہے جنہیں نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ کسی نے انہیں مافوق الفطرت کہا۔ کسی نے پراسرار کہہ کر اسرار سے پردہ اٹھانے کی ضرورت نہ سمجھی اور بعض یہ کہہ کر چپ ہو گئے کہ خدا کی باتیں خدا ہی جانے!

ایسا ایک موضوع...... ''زندگی مابعد موت''...... ہے۔ روح اور بدن کا رشتہ کیا ہے؟ بدن میں روح کا مقام کیا ہے اور بدن میں روح کا عمل کیا ہے؟ کسی نے ان سوالوں کے جواب نہیں دیئے۔ کسی نے پردہ نہیں اٹھایا۔ کسی نے کچھ لکھا بھی تو لفاظی اور منطق میں ایسا الجھا کہ پڑھنے والے کچھ بھی نہ سمجھ پائے۔ انسان سوچتا چلا گیا اور سوچ رہا ہے مگر رسی کا سرا ملتا نہیں۔ کھرا کھوج نظر نہیں آتا۔ راز راز ہی رہتا ہے۔

کبھی کہتے ہیں کہ مرے ہوئے ایک شخص کو کسی دوسری جگہ زندہ دیکھا گیا ہے اور مرحوم نے کچھ پیشین گوئی کی اور غائب ہو گیا۔ کسی خاندان کا کوئی مرا ہوا بزرگ نظر آیا جو مصیبت سے نکلنے کا راستہ یا طریقہ بتا کر چلا گیا۔ سنتے ہیں فلاں مکان آسیب زدہ ہے یا فلاں کنواں یا کھنڈرات آسیب زدہ ہیں۔ آخر یہ کیا ہے؟ ایسا کیوں ہوتا ہے؟

آپ نے کئی پراسرار واقعات سنے اور پڑھے ہوں گے لیکن ان کے محرکات کو آپ نہ سمجھ سکے۔ آپ نے کبھی پوچھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی ہوگی۔ روح اور بدن کی ہم آہنگی کے متعلق کہا کہ روح ایک امر ہے جو ہمارے جسموں میں جاری و ساری ہے۔ دل سے آپ واقف ہیں۔ اکثر لوگ کہتے ہیں...... ''میرا دل نہیں چاہتا''...... ذرا ہم آنکھیں بند کر کے اپنے جسم پر دھیان دیں تو گردن کے نیچے کا تمام جسم بند ڈبے جیسا محسوس ہوگا۔ وہ ہمارا ذہن ہے جو ہر وقت مصروف ہے۔ ذہن گوشت پوست کی کوئی چیز نہیں۔ ذہن ایک

کمانڈنگ اتھارٹی ہے یعنی ہماری لگام ذہن کے ہاتھ میں ہے۔اس کی رمق ہمارے دماغ میں ہے جو سورج کی طرح کام کرتی ہے۔اسی ذہن کو ہم اپنے قابو میں کرلیں اور اس پر اپنا تسلط جمالیں اس کی لگام سے آزاد ہو کر اس کی لگام اپنے ہاتھ میں لے لیں تو یہ روحانیت ہو گی۔ہم لاسلکی (وائرلیس) پیغامات کی طرح کام لیتے ہوئے ایسے راستے متعین کرتے اور ایسا مقناطیس بنا لیتے ہیں جو ذہن سے نامعلوم طریقوں سے بھی جاری وساری رہتا ہے۔

روح اور بدن لازم وملزوم ہیں لیکن جیسا لبادہ روح کا ہوگا ویسا ہی جسم کا ہوگا۔انسان مٹی کا پتلا ہے۔انسان کا ہاتھ ایک گز سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔پاؤں ایک خاص حد تک آگے جاتا ہے۔اس سے دور پہنچنا ہو تو آگے بڑھنا پڑتا ہے۔اگر روح سے مقناطیسی طاقت لیتے ہیں تو اس کے لئے فاصلے لامحدود ہو جاتے ہیں۔کسی کے بارے میں سوچنا شروع کریں تو دماغ میں اس کی تصویر آجاتی ہے۔یہ ذہن کی طاقت ہے۔

آنکھوں سے ہم سب کچھ دیکھتے ہیں مگر روحانی یا ذہنی آنکھوں سے ہم وہاں تک دیکھ سکتے ہیں جہاں تک ہمارے جسم کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔آپ اپنے خیالات بات کئے بغیر دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں۔اپنے خیالات دوسروں پر اثر انداز بھی کر سکتے ہیں،بالکل ویسے ہی جیسے مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔آپ نے اگر سانپ کو یا بلی کو چوہے کے پیچھے دوڑتے دیکھا ہو تو آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ چوہے کی رفتار کم ہو جاتی ہے۔وہ دوڑنے کے قابل نہیں رہتا۔مکڑی اور مکھی کی مثال بھی ایسے ہی ہے۔یہ ذہنی قوت کا کرشمہ ہے۔چوہا ایک طرح ہپناٹائز ہو جاتا ہے۔اس کے ذہن پر سانپ یا بلی کا ذہن اثر انداز ہو جاتا ہے۔اسی عمل سے آپ کسی بھی انسان کے ذہن کو اپنے زیر اثر لے سکتے ہیں۔بشرطیکہ آپ کا اپنا ذہن آپ کے کنٹرول میں ہے۔

علم نفسیات نے ذہن کو اہمیت اور اولیت دی ہے اور نفسیاتی علاج کی عمارت ذہن پر کھڑی کی ہے۔یوگا نے نیکی اور بدی کا صحت کی اچھائی اور خرابی کا اور امراض کے علاج کا ذریعہ ذہن بتایا ہے اور کہا ہے کہ جو کچھ ہے ذہن ہے اور ذہن کمانڈنگ اتھارٹی ہے۔

انسان مجبور اور کمزور ہے۔ انسان کہیں بھیک مانگ رہا ہے کہیں کسمپرسی کی حالت میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہا ہے۔ اپنا خون بیچ کر اپنے بچوں کا پیٹ پال رہا ہے۔ کہیں چوریاں کر رہا ہے اور کہیں چوروں کو پکڑ کر سزائیں دلا رہا ہے کہیں جنگ وجدل میں مصروف ہے اور کہیں عیش وعشرت میں، انسان حاکم بھی ہے محکوم بھی، امیر بھی غریب بھی لیکن وہ کسی بھی حال میں خوش اور مطمئن نہیں، نہ تخت پر نہ تختے پر...... یہ انسان کی ایک نفسیاتی کمزوری ہے۔ یہ روح کی علالت سے انکار اور حقیقت سے انحراف ہے۔ وہ اللہ کی دی ہوئی ایک بہت بڑی طاقت سے فائدہ نہیں اٹھا رہا۔ ہاتھوں اور پاؤں سے کام لیتا ہے لیکن اپنی روح کی قوت کو استعمال نہیں کرتا۔

اگر انسان کوشش کرتا تو زندگی اور موت کے چکر سے آزاد ہو چکا ہوتا۔ مگر انسان نے حقیقت پسندی سے انحراف کیا حرص وہوا کو نہ چھوڑا۔ جرائم کا مرتکب رہا۔ اپنی نوجوان نسل کو دیکھیے۔ ذہنی لذت کے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ جدید موسیقی پر اس کی ٹانگیں اور سینے تھرکتے ہیں۔ تن کی عریانی کو یہ نسل پسند کرتی ہے۔ یہ لوگ اخلاقی تباہی کے گڑھے میں گرتے جا رہے ہیں اور روحانی طور پر بے انتہا کمزور ہو چکے ہیں۔ حقیقت کی آواز، زندگی کے مقصد اور مشن اور اس کی اہمیت، فنا اور بقا کے مسائل سے منہ موڑ گئے ہیں۔ ان کی روحانی طاقت اتنی کمزور ہو چکی ہے کہ سمجھتے ہیں کہ معلوم نہیں کس طرح پیدا ہوئے تھے اور ایک دن موت کی وادی میں گم ہو جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں موت کا صرف ذائقہ چکھنا ہے، فنا نہیں ہو جانا۔

آج کل زندگی مابعد موت کا تصور ابھر رہا ہے لیکن ابھی واضح شکل میں اسے کوئی سامنے نہیں لا سکا۔ اس کے لئے ٹھوس اور قابل یقین دلائل اور مشاہدات کی ضرورت ہے۔

دنیا میں کچھ محرکات ایسے ہیں جو ہمارے سامنے اتفاقیہ یا حادثے کے طور پر آتے ہیں۔ یہ عام انسان کی سمجھ سے بالا ہوتے ہیں۔ انہیں جنات کے سر تھوپ دیا جاتا ہے یا بدروحوں کو ان کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔ بعض واقعات از خود ہوتے ہیں۔ انہیں ہم ایسا نام

دے دیتے ہیں جو ہماری سمجھ سے بعید ہوتا ہے...... آخر ایسے واقعات کیوں رونما ہوتے ہیں؟ کسی کے گھر میں پتھر برستے ہیں اور کوئی انسان پتھر پھینکتا نظر نہیں آتا۔ کسی کے گھر میں کپڑوں یا کرنسی نوٹوں کو آگ لگتی ہے مگر یہ آگ پھیل کر سارے گھر کو نہیں جلاتی۔ کسی خاندان کے افراد کو عجیب قسم کا دورہ پڑ جاتا ہے جسے کوئی ڈاکٹر سمجھ نہیں سکتا کسی جھیل یا تالاب کے متعلق کہتے ہیں کہ ہر سال ایک انسانی جان لیتا ہے۔ کوئی مکان آسیب زدہ ہے۔ کھنڈروں میں جانے سے ڈرتے ہیں کہ وہاں بدروحوں کا بسیرا ہے بعض لوگ اپنے گھر کے کونے میں پر سر شام دیا جلاتے ہیں کہ یہاں کوئی "بزرگ" رہتے ہیں یا روح کا یہاں پھیرا ہوتا ہے۔ کچھ لوگ ان اسرار پر یقین رکھتے ہیں بعض نہیں مانتے۔ لوگوں کی لاعلمی کا نتیجہ یہ ہے کہ نوسر بازوں، جعلی عاملوں اور پیروں نے آمدنی اور عیاشی کا ذریعہ پیدا کر کیا ہے۔ یہ لوگ کاغذ کا ایک پرزہ عنایت کر دیتے ہیں اور سیدھے سادے لوگ جو سمجھنے کی کوشش اور جرأت نہیں رکھتے لٹ رہے ہیں۔

لوگ جن کے ہاں جا کر سجدے کرتے ہیں ان کے پاس روحانیت نہیں ہوتی۔ وہ ان اسرار کا اور کسی بھی بظاہر مافوق الفطرت مظہر یا مسئلے کا تجزیہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے ان کے پاس بھی حل اور علاج نام کی کوئی چیز نہیں۔ آپ نذرانے دیتے ہیں اور وہ اداکاری کر کے آپ کا دل پرچا دیتے ہیں۔ یہ لوگ ان نوسر بازوں سے باغی ہو جاتے ہیں وہ ان جعل سازوں کے ساتھ ساتھ روحانیت تک سے منکر ہو کر اسے فراڈ کہہ دیتے ہیں۔ روحانیت پر بھی یقین متزلزل ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ روحانیت کی جستجو صفر سے آگے نہ بڑھ سکی۔ دراصل صفر یہ عامل ہیں روحانیت نہیں۔ یہ عمل نہ کبھی صفر ہوا ہے نہ ہے۔

کسی کا علاج روحانی طریقے سے کرنا ایسا طریقۂ کار ہے جس کی کئی شاخیں ہیں۔ مسلمان اپنے عقیدے کی رو سے ہندو اپنے مذہب کی روشنی میں، عیسائی، پارسی، یہودی، زرتشت وغیرہ اپنے اپنے مذہبی عقیدوں کی رو سے روحانی طریقۂ علاج پر یقین رکھتے ہیں اور سب کامیابی حاصل کرتے ہیں بشرطیکہ طریقہ کار صحیح اختیار کریں۔ میں صرف ان لوگوں

کے بارے میں بات کر رہا ہوں جو درحقیقت اس علم سے روشناس ہیں۔ آپ حیران ہوں گے کہ ہر مذہب کے عقیدے اور اصول مختلف ہیں لیکن روحانی علم مشترک ہیں۔ مشترک صرف ایک علم ہے جسے علم الیقین کہتے ہین اور جسے مسلمان یقین محکم کہا کرتے ہیں۔

اگر آپ دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو جگہ بہ جگہ ایسے واقعات ایسی یادگار مثالیں اور ایسے محرکات ملیں گے جو ہم سے پہلے گذر جانے والی نسلوں کے اعمال اور عقائد اور علم الیقین کی نشاندہی کرتے ہیں۔ بہت سی علامتوں کا ذکر قرآن پاک میں بھی موجود ہے اور قرآن پاک نے ہر تفصیل ہم تک پہنچادی ہے۔ یہ ہمارا اپنا دامن ہے کہ اسے سمیٹیں یا پھیلائیں اور اس میں کچھ ڈالیں یا اس میں آئی ہوئی چیز کو پھینک دیں۔

علم روحانیت بڑا ہی طویل موضوع ہے۔ اسے آپ ایک مضمون میں نہیں سمیٹ سکتے۔ اگر آپ کو اس سے دلچسپی ہے تو اسے متعدد ابواب پر تقسیم کر کے وقتاً فوقتاً پیش کرتا رہوں گا۔ مجھے امید ہے کہ قارئین اس تحریر سے نیک وبداعمال کا، روحانیت کا، شر اور خیر کا، توہم پرستی اور راستی کا فرق معلوم کر سکیں گے اور ایک بہت بڑی قوت اور اس کے عمل اور کارکردگی سے فائدہ حاصل کر سکیں گے۔ یہ قوت ناقابل تسخیر ہے۔ روحانیت کسی کی اجارہ داری نہیں۔ روحانیت کا مفہوم پاکیزگی، اعتقاد، ایمان، یقین، عمل، محنت اور جستجو ہے۔ جس میں کسی کی دل آزاری نہ ہو، جس میں کائناتی سچائی ہو اور جس میں عمل خیر ہو۔ یہ قوت کچھ وقت قربان کرنے سے اور اپنے ذہن پر کنٹرول کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک شخص جس کے خیالات فاسد ہوں یا وہ تنگ نظر، خودغرض اور خودستائی کا عادی ہو وہ روحانیت سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

روح اور بدن کا رشتہ وقتی ہے اور روح کبھی نہ فنا ہونے والی ہے۔ یہ مٹی اور نور کا امتزاج ہے۔ ان کی خاصیت اور ہیئت ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ روح اور بدن کا ساتھ ایک محدود وقت تک ہے۔ میں نے کہا ہے کہ جیسی روح ہو گی ویسا بدن ہو گا۔ اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو لنگڑا ہے اس کی روح بھی لنگڑی ہو گی۔ ایسا نہیں روح نہ بچی

ہے نہ بچہ، نہ بوڑھی ہے نہ بوڑھا۔ اس پر زمانے کے تغیرات کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اب ہم اس طرح تجزیہ کرتے ہیں۔ ایک ذات اللہ کی ہے۔ اسے ہم مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ دوسرے شیطان ہے جو بدی کا منبع ہے اور اس کی ایک فوج ہے۔ پھر وہ مخلوق ہے جسے ہم فرشتے اور حوریں کہتے ہیں۔ دیگر آسمانی مخلوق کا بھی پتہ ملتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا رہتی ہے۔ ہمارے مذہبی عقیدے کی رو سے ایک نہیں کئی دنیائیں ہیں اور ان میں بسنے والی مخلوق کا کسی کو علم نہیں۔ خدا نے جن وانس پیدا کئے اور انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ دیا۔ انسان کو وہ نام سکھائے جو کسی اور پر ظاہر نہیں کئے گئے تھے اور یوں انسان ہر مخلوق پر فوقیت حاصل کر گیا۔ اسے یہ اعزاز اپنے وجود کی بنا پر نہیں بلکہ اپنی عقل اور علمیت کی بنا پر عطا ہوا، حالانکہ انسان مٹی سے پیدا کیا گیا، مٹی میں بسایا گیا، اس کا رزق مٹی میں رکھا گیا اور اسے مٹی میں دفن کیا گیا لیکن انسان کے اندر وہ اسرار اور قوتیں پوشیدہ اور علوم کا وہ خزانہ ہے کہ اوج ثریا اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا، پھر بھی انسان کتنا مجبور اور بے بس ہے، انسان شیر سے بھی ڈرتا ہے مچھر سے بھی۔ تنہا ہو تو ہوا کی سرسراہٹ سے بھی ڈرتا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ وہ ہستی جسے خدائے ذوالجلال نے دنیا میں اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے وہ اس قدر کمزور ہے؟ انسان اپنی قوت اور اپنی اہمیت کو کیوں نہیں پہچان سکا؟

خداوند تعالیٰ نے انسان کو ایک ہتھیار سے مسلح کیا ہے جو بہت خطرناک ہے اگر انسان اس کا استعمال سیکھ لے تو اس کے ہاتھ پاؤں سے کہیں زیادہ کارآمد ہے۔ یہ آپ کے ہاتھ پاؤں اور جسم نہیں، یہ آپ کا ذہن ہے۔ یہ آپ کی قوت بھی ہے اور آپ کی کجروی اسے آپ کی کمزوری بھی بنا دیا کرتی ہے۔ ذہن آپ کو وہ جگہیں بھی دکھا دیتا ہے جو آپ نے کبھی دیکھی نہیں۔ ذہن فاصلے کا، بلندی اور گہرائی کا پابند نہیں۔ اس کے لئے فاصلے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ اگر آپ کے ذہن میں آنے والے خیالات راسخ ہوں تو آپ کی مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ اور یہ ہے علم الیقین۔ (۱۷)

روحانیت کے شعبے

دنیا میں وہ کون سا شعبہ ہے جو روحانیت کے بغیر مکمل ہے؟ فلسفہ، سائنس، علم عدد، طب، مطالعہ قدرت ٹیکنالوجی، ریسرچ، کوئی بھی تو روحانیت کے بغیر مکمل نہیں۔ کئی ایک بیماریاں آج بھی موجود ہیں جن کا علاج میڈیکل سائنس کو معلوم نہیں، روحانیت ان سب کا علاج ہے۔ سکون بخش ادویات آپ کو عارضی سکون دے سکتی ہیں۔ مستقل سکون صرف روحانیت آپ کو دے سکتی ہے، ہارٹ اٹیک اور ہائی بلڈ پریشر سے آپ روحانیت کے ذریعے شفا پا سکتے ہیں۔ نیند کی گولیوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے پھر بھی نیند نہیں آتی۔ یہ روحانیت ہے جو آپ کو بغیر گولیوں کے سلا سکتی ہے۔

روس اور امریکہ جیسے ملکوں کے ہسپتالوں میں ہپناٹزم سے انسانی جسم کے نازک ترین حصوں مثلاً دل، گردے اور پیٹ کی رسولیوں وغیرہ کے کامیاب آپریشن ہو چکے ہیں اور وہ مریض تندرست و توانا ہیں۔ بچے کی پیدائش ماں کے لئے زندگی اور موت کا مرحلہ ہوتا ہے۔ آج کل ڈاکٹر ہونے والی ماں کو ایسی گولیاں کھلا دیتے ہیں جن سے اس میں درد کا احساس باقی نہیں رہتا۔ نیچے کے دھڑ کو سن کرنے کے لئے کولہے پر انجیکشن لگا دیتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں زچہ کو ہپناٹائز کر کے بغیر تکلیف کے بچے کی پیدائش عمل میں لائی گئی ہے۔

روحانیت ایک ایسا علم ہے جس میں دسترس حاصل کرنے کے لئے تجربے اور وقت کی ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں طرح طرح سے لوگ روحانیت کا بلند بانگ دعویٰ کرتے ہیں مگر روحانیت کی الف ب بھی نہیں جانتے۔ اس طرح اس مقدس علم سے لوگوں کا اعتقاد اٹھتا جا رہا ہے۔ میں آگے چل کر اس سلسلے میں کچھ واقعات بھی سناؤں گا جو حیران کن ہونے کے ساتھ ساتھ سو فیصد صداقت پر مبنی ہوں گے اور بمعہ ثبوت بیان کروں گا۔ جو اعمال ہم یہاں کرتے ہیں وہ ہمارے سامنے لائے جائیں گے اور ہم سے اس بارے میں سوال ہوگا۔ کبھی

سوچا آپ نے جو کچھ ہم یہاں کرتے ہیں وہ وہاں کیسے سامنے لایا جائے گا؟ آج سے سو سال پہلے کا انسان اگر یہ سوال کرتا تو وہ میرے نزدیک حق بجانب تھا لیکن آج تو سائنس نے بھی یہ عقدہ حل کر دیا ہے۔ آواز، حرکات، شب و روز، سب کچھ ریکارڈ کیا جا چکا ہے۔ قدرت کے وسیلے بے انداز ہیں۔ وہ جو چاہے کر سکتی ہے۔ اس نے ہر انسان کو ایسا بنا دیا ہے کہ چاہے تو اپنے پیروں سے چل کر کہیں چلا جائے یا خیالوں کے دوش پر تیز رفتاری کی تمام حدوں کو توڑتا ہوا ٹیلی پیتھی کے عمل کے ذریعے آناً فاناً پہنچ جائے۔ اس کے مختلف نام ہیں۔ عالم رؤیا، گیان، وگیان، مراقبہ، یکسوئی وغیرہ...... اس عمل کی اصل مقناطیسی لہریں ہیں جو ہر صحت مند بدن سے اٹھتی رہتی ہیں۔ حسب ضرورت ان لہروں کو کنٹرول کرنے کی ضرورت ہے۔

کشش ثقل جس پر تمام کائنات کے کاروبار، چاند، سورج، ستارے، زمین ان میں موجودہ گیسیں، ان کی رفتار اور ہیئت وغیرہ مقرر ہے۔ یہ مقناطیسی سسٹم جو تمام دنیا میں جاری و ساری ہے ہمارے اور آپ کے جسموں میں بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جس نے کوشش کر کے اس طاقت کو بڑھا لیا وہ اس کے ذریعہ کام کر گیا۔ یعنی بادبان لگا کر کشتی کو کنارے پر لے گیا جس کی کشتی میں بادبان ہی نہ ہوں وہ کبھی بھی منزل مقصود تک نہ پہنچ پائے گا۔ اگر کبھی ہوا چلی بھی تو ادھر ادھر آوارہ ہی اس کی کشتی تھپیڑے کھائے گی۔ وہ اپنی مرضی سے کشتی کو منزل پر نہیں پہنچا سکتا۔ روحانیت تو آنے والے واقعات و حادثات اور مستقبل کو یوں اجاگر کر دیتی ہے جیسے ہم روز روشن میں کھلی آنکھوں سے اپنے سامنے ان حالات کو دیکھ رہے ہوں جس طرح بعض آلات موسمی پیشگوئیاں کرتے ہیں اور سمندری طوفانوں کی آمد، ہوا کے دباؤ، سورج گرہن، چاند گرہن، ستاروں کے غروب وطلوع، چاند اور سورج کے طلوع و غروب اور حساب بالکل صحیح لگا لیتے ہیں اسی طرح روحانیت بھی مستقبل کے پردے چاک کر سکتی ہے۔

انسان کی بنائی ہوئی مشینری اور کمپیوٹر سسٹم ایسے ایسے بعید از قیاس کارنامے کر لیتے ہیں تو سوچئے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی انسانی مشینری کیا کیا کچھ نہیں کر سکتی۔ انسان کے اندر بہت سے راز پنہاں ہیں۔ اگر کوئی دیکھ پائے تو بے ساختہ پکار اٹھے بیشک میرا خدا وہ خدا ہے

جس کا نہ کوئی ثانی ہے نہ شریک وہ ایک ذات ہے چاہے جیسے پکار لو مگر مان لو حقیقت کو نہ جھٹلاؤ۔ زمانے بہت سے آئے اور گزر گئے۔ نوح نے خبر دی ایک طوفان کی۔ کسی نے نوح کہا کسی نے ممنوع۔ ہندوؤں کی چار کتابوں میں ایک رگ وید ہے جو آج سے تقریباً پانچ ہزار سال پہلے موجود تھی اور آج بھی موجود ہے۔ اس کتاب میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی پیش گوئی موجود ہے۔ اس میں صاف صاف لکھا ہے...... ''بارہ بیساکھ پیر کے دن دو گھڑی دن چڑھے تمام دنیا کا سردار (جگت گرو) پیدا ہوں گے۔ ان کے والد کا نام عبداللہ ہوگا۔ والد کا انتقال پہلے ہو چکا ہوگا۔ (جگت گرو) شالل دیپ (سنسکرت میں مکہ مکرمہ کو شالل دیپ کہتے ہیں) کی رانی (خدیجہ الکبریٰ) سے پچیس برس کی عمر میں شادی کریں گے اور اس شادی میں چچا اور تین عزیز شریک ہوں گے۔''

میں صرف روحانیت اور علم یقین کے حوالے سے بات کر رہا ہوں۔ اس راہب کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جو کئی سالوں تک ایک راہ گزر پر ابراہیم ادھم کے انتظار میں بیٹھا رہا اور ایک عمر اس کی انتظار میں گزر گئی۔ پھر جب بعد ایک مدت کے ادھر سے ابراہیم ادھم کا گزر ہوا تو اس نے اٹھ کر انہیں سلام کیا اور ان کے ہمراہ جانا چاہا تب ابراہیم ادھم نے اس سے پوچھا تو نے مجھ کو کیسے جانا؟ تو وہ گویا ہوا...... ''اپنے علم کے زور سے۔''

آپ نے کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ ضرور دیکھا ہوگا۔ بظاہر ایک شخص بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ وہ اپنے مرنے کی پیش گوئی کر دیتا ہے اور پھر ٹھیک اس کے مطابق مر جاتا ہے۔ ایسا ہی ایک واقعہ ۱۹۳۲ء میں بٹالہ میں پیش آیا۔ ان کا نام لبھو شاہ مشہور تھا۔ محلہ مفتیاں میں رہتے تھے۔ ایک صبح فجر کی نماز کے بعد غسال کے گھر پہنچے جو ان کا واقف تھا۔ اسے کہا کہ میرے حجرے میں ایک میت ہے۔ تو جا اس کے غسل کا سامان کر۔ میں قبرستان جاتا ہوں۔ پھر گورکن کو ساتھ لے کر قبر کے لئے جگہ تجویز فرمائی اور خود پاس بیٹھ کر قبر کھدائی جب قبر تیار ہوئی تو گورکن سے کہنے لگے۔ تو باہر نکل، میں ذرا دیکھ لوں۔ قبر میں لیٹ کر دیکھا تو پیروں کے طرف سے اور چھیلنے کی کہا۔ وہ گورکن رنبی لے کر قبر ٹھیک کرنے لگا۔ اس نے وہاں ہی

سے آواز دی دیکھ تو شاہ جی! ٹھیک ہے؟ لیکن جواب نہ پا کر قبر میں سیدھا کھڑا ہو گیا۔ دیکھا تو شاہ صاحب موجود نہ تھے۔

سامنے سے ایک جنازہ لایا جا رہا تھا وہ قبر سے باہر نکل آیا۔ جنازہ قبر تک پہنچ چکا تھا۔ گورکن نے دریافت کیا، کس کا جنازہ ہے؟ لوگوں نے کہا، آج صبح لبھو شاہ فوت ہو گئے ہیں ان کا جنازہ ہے۔ گورکن چکرا گیا۔ بے اختیار بولا...... "کیا کہتے ہو؟ لبھو شاہ تو ابھی یہیں تھے۔ میرے پاس بیٹھے قبر کھدوا رہے تھے۔"

لوگوں نے کہا کیا بکتا ہے! وہ تو صبح فوت ہو گئے ہیں۔ ہم ان کو غسل دے کر کفنا کر لائے ہیں۔ تو دیکھ لے۔ وہ حیران پریشان میت کی طرف بڑھا چہرے سے کفن سرکایا تو اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ لوگوں نے میت قبر میں اتار دی۔ بعدازآں یہ بھی تصدیق ہوئی کہ غسال کو بھی لبھو شاہ خود کہنے گئے تھے اور اسے یہ بھی کہا تھا کے تو چل میں قبر کھدوانے جا رہا ہوں جب غسال گھر پہنچا تو وہاں میت بھی لبھو شاہ کی ہی تھی مگر لوگوں کے لئے یہ حیران کن واقعہ تھا اور لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا یہ سب کیا تھا کیسے ہوا۔

میں آپ کو افسانہ نہیں سنا رہا۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے۔ لبھو شاہ کو بٹالے میں سب ہی جانتے تھے۔ ایک سو سال سے زائد ان کی عمر تھی۔ گھر کے سامنے مسجد میں اہتمام جمعہ خود کیا کرتے تھے۔ جب ان کی شادی ہوئی تھی اور وہ ڈولی لے کر گھر واپس آئے تو دلہن کو گھر بھیجا اور خود کہنے لگے ذرا مسجد میں نفل شکرانے کے ادا کرلوں۔ مسجد گھر کے سامنے تھی۔ نہ مسجد سے نکلے نہ گھر واپس ہوئے۔ صرف ایک بار جب تقریباً ۹۰ سال کی عمر میں ان کی بیوی نے وفات پائی، تب وہ مسجد سے قبرستان تک جنازے کے ہمراہ گئے تھے۔ اس سے پہلے یا بعد میں کسی نے ان کو مسجد سے باہر نہیں دیکھا۔ گھر سے کوئی بچہ مسجد میں ان سے گھر کے سودے کے لئے کچھ پیسے مانگنے آتا تو وہ فتوہی کی جیب میں ہاتھ ڈال کر دو آنے اسے دے دیتے۔ ان کا اپنا کوئی بچہ نہ تھا بس میاں بیوی ہی تھے۔ ایسے میاں اور ایسی صابر بیوی۔ دونوں عبادت گزار اور صابر وشاکر روحیں تھیں۔

وہ کون سے عوامل تھے جو ایک شخص بحالت مردنی ایک جگہ پڑا ہوا تھا اور دوسری طرف وہ چل پھر رہا تھا۔ بات بالکل صاف ہے۔ وہ شخص عابد و زاہد تھا۔ اکثر راتوں کو لوگوں نے اس کے جسم کے حصے بخرے ادھر ادھر بکھرے دیکھے تھے اور صبح کو بھو شاہ زندہ سلامت ہوتا تھا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم چونکہ اس بات پر یقین کر لیں جب تک حقیقت ہم پر واضح نہ ہو۔ سنی سنائی کون مانتا ہے۔ تو اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ بہت سے بزرگوں کے بارے میں یہ بات یقین کے ساتھ بیان کی جاتی ہے کہ ایسا ہوا اور بہت لوگوں نے بچشم خود اس حال میں ان بزرگوں کو دیکھا لیکن ہم آگے کچھ نہیں بیان کر سکتے کہ یہ کیسے ہوا میں آئندہ آپ کو وہ حقیقت واضح کر دوں گا جو صرف ثبوت ہی نہیں ہوگا بلکہ آپ خود بھی اس پر عمل پیرا ہو کر اپنے وجود کو حصوں میں منقسم کر سکیں گے اور یہ اس وقت ممکن ہے جب آپ کا آپ کے وجود پر پورا پورا اختیار، اور اقتدار ہوگا۔ آپ کہیں گے واہ صاحب واہ! یہ کیا بات ہوئی وہ اختیار تو اپنے بدن پر پورا پورا ہے ہی تو عرض ہے کہ نہیں، آپ کو عام طور پر صرف ایک فیصد اپنے بدن پر اختیار ہے جبکہ کم از کم پچاس فیصد آپ کو اپنے بدن پر اختیار ہونا چاہئے۔ سو فیصد اختیار تو صرف پیغمبروں کو ہی حاصل ہوتا ہوگا۔

اختیار تو آپ کو بھی دیا گیا تھا مگر بشریت کی حد تک، لیکن آپ اپنے بدن پر قادر نہیں رہے۔ آپ اپنے بدن پر کنٹرول نہیں رکھ سکے۔ جب آپ کا بدن موٹا ہونا شروع ہوتا ہے تو کچھ آپ میں سے ڈائٹنگ کرتے ہیں۔ گرمی اور سردی سے آپ اپنے کو بچاتے ہیں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو جراثیم سے اپنے بدن کو محفوظ رکھنے کے لئے ادویات استعمال کرتے ہیں۔ درد اور بخار کی صورت میں احتیاط پرہیز اور ادویات کا استعمال کرتے ہیں۔ بہرحال جس جس سے جیسا کچھ بن پڑتا ہے وہ اپنے آپ کو محفوظ کرتا ہے۔ ٹمپریچر اگر زیادہ ہو تو ایسی دوا کی ضرورت ہے جو حرارت کو کم کر دے۔ اس طرح اپنے بدن کی حرارت کو ہم کنٹرول کرتے ہیں۔ آپ کا اپنے بدن پر پورا اختیار نہیں ہے اس لئے حرارت کو کم کرنے کے لئے دوا کا سہارا لیا۔ درد کو ختم کرنے کے لئے بھی ایسا ہی کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارا اپنا

ہمارے اپنے وجود پر کلی اختیار نہیں یہ اختیار روحانیت سے ممکن ہے۔آپ نے بھولے سے کوئی ایسی چیز کھالی جو زہریلی ہے تو روحانیت سے اس زہر کے اثر کو زائل کیا جا سکتا ہے۔ مثالیں تو اس کی بہت ہیں مگر بہت روشن مثال اس طرح ہے کہ مسلمانوں کے ایک سپہ سالار نے عیسائیوں کے کسی شہر کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔شہر کے لوگ قلعہ بند ہو گئے تھے۔

کچھ دنوں کے بعد ایک بوڑھا پادری ہاتھ میں سفید جھنڈی تھامے اسلامی لشکر کی طرف قلعے سے آیا اور اس سپہ سالار کے سامنے پیش ہو کر کہا کہ اسلامی فوج چلی جائے اور اگر آپ نے میری بات نہ مانی تو اس نے اپنی مٹھی کھول کر ایک چھوٹی شیشی دکھا کر کہا کہ اس میں زہر ہے اور میں اس کو پھانک لوں گا۔ یہ مجھے فوراً ختم کر دے گا اور یہ گناہ آپ پر ہوگا۔

اسلامی فوج کے سپہ سالار نے اس سے وہ شیشی لے کر اس میں سے اپنی ہتھیلی پر تمام زہر ڈالا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا اور وہ تمام زہر پھانک لیا۔ یہ ماجرہ وہ عیسائی پادری پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتا رہا گیا۔ وہ حیران تھا کہ اسلامی سپہ سالار بدستور زندہ سلامت رہا۔ اس واقعہ سے وہ اتنا متاثر ہوا کہ فوراً کلمہ حق کا ورد کر کے مسلمان ہو گیا۔ قلعے میں جا کر اس نے یہ عجیب واقعہ بیان کیا تو اہل قلعہ نے اسلام قبول کر لیا اور یوں روحانیت کے اس کرشمے نے بغیر جنگ وجدل کے فتح سے نوازا اور اس اسلامی سپہ سالار کو بھی زندہ سلامت رکھا۔ اس میں روحانیت کے سوا اور کوئی عوامل شامل نہیں تھے۔

جسم تو آپ کا ہے۔ اگر آپ کا پورا پورا اختیار ہوتا تو آپ اپنے ذہن میں ابھرنے والے خیالات پر کمند ڈال سکتے۔ اپنی زبان پر کنٹرول رکھ سکتے۔ اپنی آنکھ کو اپنے نظریے پر رکھ سکتے۔ اپنے کانوں کو بغیر کوئی چیز ان میں ٹھونسے بند کر سکتے جب چاہتے سنتے جب چاہتے بند کر لیتے۔ اپنے جسم میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کو اپنے اختیار میں رکھ سکتے اور اتنا تو آپ ضرور ہی کرتے کہ اپنے جوان جسم پر کسی طور بھی بڑھاپے کا تسلط نہ جمنے دیتے۔ اپنا رنگ روپ نہ بگڑنے دیتے اور بے شمار ایسی چیزیں ہیں جو آپ کنٹرول کئے رہتے جیسے سیاہ بالوں کو سفید نہ ہونے دیتے گرتے بالوں کو روک سکتے۔ اپنے دانت نہ گرنے دیتے۔

جوڑوں کے درد سے معذور نہ ہو جاتے۔ یہ حالات ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ آپ کو اپنے جسم پر پورا پورا اکنٹرول ہرگز نہیں ہے اور جو آپ روحانیت کے ذریعے اپنا آپ کنٹرول کرنے میں دلچسپی لیتے تو کچھ حالات پر آپ کنٹرول حاصل کر لیتے۔ شرط جہاد ہے۔ اپنے آپ سے جہاد، شیطانی قوتوں سے جہاد اور برائیوں سے جہاد پھر آپ اپنے ذہن پر کنٹرول پا سکتے۔ اپنی قوت ثقل پر کنٹرول حاصل کر پاتے اور اس طرح آپ اپنے مٹی کے بدن اور روحانی جسم دونوں کی سیر حاصل کر سکتے اور جب ایسا کر پاتے تو آپ کو سکون حاصل ہو جاتا۔ دکھ اور غم مٹ چکے ہوتے اور پھر محویت کے وہ مشاہدے آپ کے سامنے ہوتے۔ زمان و مکان کی قید سے بے نیاز پھر اس بیوہ زمین پر سجدہ نہ کرتے۔ کون سی بیوہ زمین؟ یہ آپ کا تن جس کا کوئی غمخوار نہیں جس کو کسی سے پیار نہیں۔ یہاں تک کہ خود آپ کے بدن کو آپ سے پیار نہیں۔ اگر ہوتا تو یہ آپ کو کیوں ذلیل و رسوا کرتا؟ کیوں آپ سے اپنی خواہشات وابستہ کرتا؟ اپنے لیے کیوں آپ کو جگہ جگہ چور بناتا؟ روحانیت کی راہ میں جگہ جگہ کیوں آرام اور سستی دکھاتا؟ موت کی آندھی آئے اور سب بکھیر کر خدا معلوم کہاں کہاں اڑاتی پھرے۔

تیرا بدن نفس کے تابع ہوا۔ دشت جنوں میں کبھی خرابوں میں اجسام ڈولتے رہے۔ محرومیوں کے ویرانوں میں ٹھوکریں کھاتے اور کھلواتے شتر بے مہار کی طرح کون جانے کتنے دن بیت گئے اور کتنے باقی ہیں۔ یہ دنیا کا روپ اس کا بہروپ ہے۔ نظر کچھ آتی ہے اور ہے کچھ اور..... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''کہہ دیجئے ان کافروں سے نہیں پوجتا میں جس کو پوجو تم اور نہیں پوجتے تم جس کو پوجوں میں۔''

اب کافر کون ہے؟ میں کون ہوں؟ پوجا کیا ہے؟ ان کی پوجا اور میری پوجا میں کیا فرق ہے؟ ایک پوجا اقرار ہے تو دوسری پوجا انکار ہے۔ ایک پوجا جاوداں ہے۔ دوسری فریب ہے۔ روح کیا پوجتی ہے اور بدن کی پوجا کون جانے؟ جو پا گیا بڑی جیت ہے اس کے لئے۔ اے بوجھ سے لدھے تھکے ہارے انسان! آ میں تجھ کو آرام دوں۔ تیری ناتواں روح

جو بوجھ تلے ہانپ اور کانپ رہی ہے اس کے بوجھ دور کر دوں۔ میرے پاس آ...... تجھے عشق کا وہ سبق پڑھا دوں کہ

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق!

کس لئے تیری روح اور تیرے بدن کا ساتھ ہوا تھا؟ اس لئے کے اس بدن کے سہارے اپنی روح کو پروان چڑھائے۔ عقیق کی جلا دے۔ سچائی سے آراستہ کرے اور اس کی پہچان کی شناخت کرے۔ کتنے دن گنتی کے لکھوالایا تھا جو یوں بے سدھ پڑا اپنے نفس کی راکھی چھوڑ اس کی رکھ پر اپنا آپ گنوایا؟ دل تیرا دھڑکتا رہا اور دھڑکن اس کی تیری رگ رگ میں گزرنے والے کا احساس جگاتی رہی، لیکن تو پھر بھی سویا ہی رہا۔ اس دھڑکن میں کیوں نہ اس کو ڈھونڈا جو دلوں کو دھڑکاتا ہے۔ تیرے سوتے میں جاگتے ہیں جو ترا لہو گرم رکھتا ہے، تیری سانسوں کے تسلسل کو سنبھالے رکھتا ہے جس کے پاس ان سانسوں کا شمار ہے۔ یہ کیسی آگ ہے جو تیرے تن بدن کو گرمائے ہوئے ہے؟ ایک ڈگر پر دہک رہی ہے اور تیرا ٹمپریچر بحال رکھے ہوئے ہے؟

تو ایک کمپیوٹر کی بات کرتا ہے۔ تیرے ذہن میں لاتعداد سرخ وسفید اور کالے نقطے اور خلیے ایک اندازے سے حساس موجود ہیں۔ ایک ایک نقطے میں لاتعداد کمپیوٹر سمائے اپنی اپنی کارکردگی میں لاجواب تیری ہلکی سی کوشش کے منتظر ہیں۔ ان دفتروں کی کارکردگی کبھی تو نظر میں لاتا ہو تو یہ اپنی خوردبینوں سے تجھ پر ہر نقطہ واضح کر دیتے۔ روحانیت کے آسمانوں کی سیر حاصل کراتے۔ علم الیقین کے بھرپور نظارے پیش کرتے تیری منزل کی طرف ایسی صحیح راہ نمائی کرتے کہ فاصلے بے حقیقت ٹھہرتے۔ ہر چہرے کا نقاب چاک چاک ہوتا۔ حدود ختم ہوتیں۔ تمام اکائیاں صفر میں تحلیل ہو جائیں۔ پھر صرف ایک اکائی اپنے اصلی جلال میں باقی جاری اور ساری رہتی اور یہ تیرا صفر جب اسی اکائی کے ساتھ اپنے درجے میں ٹھہرتا تو صفر سے دس، پھر سو پھر ہزار اور یوں بڑھتے بڑھتے سکوں سے آگے بہت آگے نور میں تبدیل ہو جاتا پھر تو بھی محدود سے لامحدود ہوتا۔ یہاں بھی وہاں بھی ہر جگہ تو موجود ہوتا۔

یہ قبول کرے تو تجھ پر اپنے فضل وکرم کی وہ بارش لائے کہ علم وفراست کے ایسے ایسے باب تجھ پر کھول دیئے جائیں کہ بیان اور فضائل جن کے احاطہ تحریر میں لانے کی کوئی بھی طاقت نہیں پاتا۔ پھر تیرا یہ مٹی کا بدن آگ، پانی ہوا اور مٹی کا یہ خمیرہ اس ذات باری میں فنا ہو کر اس کے ساتھ باقی رہ جاتا۔ اصل بدن تو روح کا بدن ہے اور وہ نور سے ہے۔ نہ وہ کاٹا جاسکتا ہے نہ تحلیل کیا جاسکتا ہے۔ نہ اس میں آگ ہے نہ مٹی، نہ یہ ہوا کا خمیر ہے نہ پانی کا میلان۔ ایک نور کا مرقع ہے...... کامل نور ہی نور...... اصل جس کی امر ہے اور امر کا خالق سب جہانوں کا پیدا کرنے والا یکتا ودانا ہے۔ (۱۸)

عقل دانش اور روحانیت

علم کی جستجو ہے اور علم کا حاصل علم الیقین ہے جو باعث اطمینان قلب و ذہن ہے اور یہی معرفت ہے۔ معرفت کا مطلب کسی حقیقت کا یقین کی حد تک روشناس ہو جانا ہے۔ کامل یقین کے ساتھ ہر پہلو سے اور یہ ایک بہت بڑا راز ہے جو صرف تین سطور میں میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ میدان شوق میں جستجو کے قدم بڑھائیں۔ ہمت اور ثابت قدمی کے ساتھ صبر اور محنت کا دامن پکڑیں تو یقیناً معارفت کے لالہ زار میں پہنچ پائیں گے جو موجودہ ماحول کے لئے آب و گیاہ صحرا سے ہر لحاظ سے پرسکون ہے۔ عافیت اور سکون کا ماحول اس طرح واضح ہوگا کہ آپ کا قلب مطمئن ہو کر اور فنا و بقا کی اصل حقیقت کو پالے گا اور محو نظارۂ جمال حقیقی میں غرق ہو کر باقی کے ساتھ باقی اور اپنے وجود سے آزاد ہو جائے گا۔

یہ وہ واضح اور مدلل الفاظ ہیں جو اپنے اندر بے بہا خزانے پوشیدہ کئے عقل و دانش کے بے پایاں درجات سے لبریز آپ کو دعوت فکر دیتے ہیں اور اتنی وسعت کہ عقل و فراست کے گھوڑے جہاں تک بھی دوڑائیں آپ اس کی حد کو نہ پہنچ پائیں گے۔ معارفت کے راز پالینے پر آپ سراغ زیست پالیں گے۔ ابھی تو آپ وہ کیڑا ہیں جو تتلی کے انڈے میں سے نکلا اور اڑ نہیں سکتا۔ بے بال و پر، رینگنے والا کمزور و ناتواں کیڑا جو پتے اور ڈنٹھل پر زندہ رہتا ہے۔ پھر ایک دن وہ سکڑ گیا اور ایک خول میں بند ہو گیا...... مراقبہ، مجاہدہ کے خول میں...... اور ایک دن ایسا بھی آیا کہ وہ خول پھاڑ کر نکلا ہی نہیں بلکہ اڑ گیا اور اڑتا پھرا۔ اب وہ پتے اور ڈنٹھل نہیں کھاتا بلکہ اس کی غذا خوشبو اور شہد ہے اور بسیرا پھولوں کی نازک پنکھڑیوں پر۔ اس طرح تفسیر بھی بدلی، تاثیر بھی، بدصورتی سے خوبصورتی ملی، نامکمل سے مکمل ہوا۔

انسان بھٹکا اور گمراہ اس لئے ہوا کہ اس کے سامنے مفروضے ہی مفروضے بیان

ہوتے چلے آئے اور حیرت اور تجسس کے گرداب اسے بہائے لیے چلے گئے اور وہ گمراہی اور تباہی کی طرف بہتا چلا گیا۔ بہت سی بے سروپا باتیں بعض لوگوں سے منسوب ہوئیں اور جب ان باتوں نے ایک زبان سے دوسرے کان کی طرف سفر کیا تو کچھ مسالہ اور لگا دیا گیا اور عجیب وغریب حکایت بڑھتی ہی چلی گئی۔ کسی نے اس پر غور نہیں کیا۔ اپنے آپ سے گم، گردوپیش سے گم، حال اور مستقبل سے گم اپنی صلاحیتوں سے بے خبر بے علمی اور بے ذوقی کے گرداب میں چکراتے موت کے اندھیرے غار میں اتر گئے۔

یہ بے علمی اور بے ذوقی کا بدترین مظاہرہ ہے کہ ایک آدمی جو اپنی ذات سے بے خبر ہے، مستقبل سے بے خبر ہے، دنیا سے بے خبر ہے اور جو نہیں جانتا کہ آج کیا ہو رہا ہے اور کل کیا ہوگا۔ وہ ''مسیحا'' بن بیٹھا ہے۔ دعویٰ کرتا ہے کہ میری پھونک جس تک پہنچے گی وہ ہر دکھ تکلیف اور مرض سے آزاد ہو جائے گا۔ بے علم اور بد ذوق لوگ بوتلوں میں پانی بھر کر لے جاتے ہیں اور ''مسیحا'' مائیکروفون میں پھونک مارتا ہے۔ بے چارا بدحال غرض مند اتنا بھی نہیں سمجھ پاتا کہ وہ پھونک پھونک نہیں۔ دم کا اثر تار میں نہیں چڑھتا صرف آواز ہے جسے ایمپلی فائر کئی گنا بڑھا کر لاؤڈ سپیکر کی طرف نکال دیتا ہے مگر لوگ ہاتھوں میں تیل اور پانی کی بوتلیں لیے دیوانہ وار سپیکر کی طرف لپک رہے ہیں اور بوتلیں آگے کئے پھونکوں کا اثر پانی میں جذب کروا رہے ہیں۔ ذرا سوچئے ان حالات میں کہاں ہمیں عقل کی سوجھے گی۔ سوجھ بوجھ جانے کہاں ہم نے کھو دی اور بے سروپا باتوں پر یقین کر لیا۔ در سے بے درد ہوئے، خانہ خراب پھرے۔ جب کچھ بن نہ پڑا تو مقدر کو کوسنے دیئے۔ آنسو پونچھے اور پھر کسی دوسرے گندم نما جو فروش عامل کامل کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ اللہ کو چھوڑا اور غیر اللہ پر بھروسہ کیا۔

تسلیم کرتا ہوں کہ اللہ کے نیک بندے بھی ہیں جو ایک نظر میں دنیا بدل دیتے ہیں مگر عمل سے، اللہ کے فضل سے، دعا سے، دوا سے اور اعمال صالحہ سے، وہ یوں در بدر نہیں پھرتے۔ شعبدے نہیں دکھاتے۔ بناوٹ اور ملاوٹ نہیں کرتے۔ شیشہ نہیں دکھاتے۔ جتنا معلوم ہوتا ہے وہ بیان کرتے ہیں اور جو جانتے ہیں وہی بتاتے ہیں۔

مراقبہ، مجاہدہ، مشاہدہ، بھی ایک سائنس ہے اور حقیقی عامل اور فاضل علم میں دسترس رکھتے ہیں، عملی مشاہدہ کرتے اور فکر سے منزل مراد تلاش کرتے ہیں۔ محنت سے، محبت سے اور صبر سے جستجو کرتے ہر چیز کی ماہیئت، افادیت، اہمیت اور فضلیت پر تحقیق کرتے اور پھر بیان کرتے ہیں۔ یہ رموز آشنا اور اہل علم لوگ ہیں اور جو اہل کتاب ہیں۔ سائنس کی دو اقسام ہیں ایک روحانیت اور علم الیقین اور دوسری مادیت جس کے دو پہلو ہیں۔ ایک افزائشی اور مادی ترقی اور دوسرا تباہی، بربادی، بیماری اور فنا۔

روحانیت اور علم الیقین میں دوغلا پن، فریب اور جھوٹ نہیں ہے۔ اصل سے جفا نہیں اور بے اصل سے وفا نہیں۔ روحانیت اور علم الیقین کی سائنس اپنے اندر کی روحانی طاقتوں کو بڑھانے سے جو کیفیات واضح ہوتی ہیں۔ وہ نتیجہ ہیں اس سائنس کا یہ روحانی طاقتیں ہر انسان کے جسم میں موجود ہیں۔ شرط اس کی مشاہدہ مراقبہ اور مجاہدہ ہیں۔ ان اعمال سے یہ بازاری عامل، کامل، پیر فقیر نابلد اور مراقبہ، مجاہدہ حساب، علم اور روحانیت کی روشنی سے نا آشنا ہیں۔ ان سے پوچھو مؤکل کیا ہوتا ہے، کیسا ہوتا ہے تو سرخ سرخ آنکھیں نکالیں گے، جواب نہیں دیں گے۔ مؤکل تو انہوں نے خود بھی نہیں دیکھا۔

یہ جو سائنس دان آج کل ایٹم بم، ہائیڈروجن بم اور جراثیم سے جنگی ہتھیار بنا رہے ہیں اور روپیہ پانی کی طرح بہا کر اپنے لیے اور دوسروں کے لئے ہلاکت کا سامان تیار کر رہے ہیں تو کیوں نہ چند جنات اور چند موکلوں کو قابو کر لیا جائے۔ انہیں دشمن کے ملک روانہ کر کے تباہی ہی مچوادی جائے۔ اخراجات کی بچت ہو گی اور اپنے ہاں ایٹم بموں کے پھٹنے کا خطرہ بھی نہ رہے گا مگر ایسا نہیں ہو سکتا سائنس دان ہر چیز کی دلیل مانگتا ہے۔ حجت مانگتا ہے۔ وہ تجربے کی بناء پر بات کرتا ہے۔ ایک بار دو بار تین بار پھر سوچ سمجھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ ہماری عقل پر پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ ہم باباجی کے پیر دبا رہے ہیں اور یہ جناتی عامل اپنے معتقدوں سے خوشامد اور آؤ بھگت کروا رہے ہیں۔

ایک صوفی صاحب کے بارے میں بھی مشہور تھا کہ عامل کامل ہیں۔ پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ کئی جنات ان کے قبضے میں ہیں اور جنوں کا بادشاہ خود ان کا تابع ہے۔ ہم نے بھی یہ سب کچھ ایک جمعہ کو ستگھرے کی مسجد جو انارکلی دھنی رام روڈ سے ملحقہ گلی میں ہے۔ سنا،

معلوم ہوا وہ بزرگ چند روز تک اس مسجد میں آئیں گے۔ ان صوفی صاحب کا تذکرہ ان کی علمیت اور فضیلت ایسے بیان کی گئی کہ ہمیں بھی ملاقات کا شوق چرایا۔ ایک دن ہماری مراد بر آئی۔ صوفی صاحب سچ مچ تشریف لے آئے۔ ہمیں تو جیسے پر لگ گئے۔ سب کام چھوڑ چھاڑ صوفی صاحب کا دیدار کرنے اس مسجد کو روانہ ہوئے۔

وہاں دیکھا صوفی صاحب بیس تیس آدمیوں کے حلقے میں براجمان ہیں۔ جسم کے دبلے پتلے، ساٹھ پینسٹھ سال کی عمر، کھدر کا لمبا کرتا اور شلوار پہنے دولہا بنے بیٹھے ہیں۔ بایاں ہاتھ زانو پر تھا اور ہاتھ کی مٹھی بند تھی۔ صوفی صاحب کچھ گفتگو فرماتے تو سب ساکت و جامد ہو جاتے۔ صوفی صاحب کا بایاں ہاتھ حرکت تو کرتا تھا مگر اس ہاتھ کی مٹھی نہیں کھلتی تھی۔ ہم با آدب سلام کر کے ایک طرف کو بیٹھ گئے تھے۔ میرے قریب ایک صاحب جو غالباً بہاری تھے، عبدالسلام نام تھا بیٹھے تھے، میں نے ان سے دریافت کیا کہ صوفی صاحب اپنا بایاں ہاتھ تو ہلاتے ہیں مگر مٹھی بند ہے۔

''ہش...... ان کے تابع جنات کا بادشاہ ہے اور یہ بند مٹھی اس کی رکھ ہے......

عبدالسلام میری بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ جب تک جنات کا بادشاہ صوفی صاحب کے تابع رہے گا تب تک یہ مٹھی بند رہے گی اور ایسا شرط کے تحت ہے۔

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ عبدالسلام صاحب نے پھر سرگوشی کے انداز میں کہا...... ''بھائی میاں! جنوں کی رکھ کئی طرح ہوتی ہے۔ کوئی تو چی چی کی انگلی موڑ سے رکھنے کی دکھ کے تابع ہوتا ہے اور کوئی صرف انگوٹھا دبائے رکھنے سے اور یہ صوفی صاحب کی تو ماشاءاللہ بات ہی کچھ اور ہے۔ جن بے چارے کا تو ڈر کے مارے پیشاب ہی نکل جاتا ہوگا۔

میرا تو جیسے سر چکرا گیا۔ بات بڑی صاف اور واضح تھی۔ بیچارے کا اپنا پیشاب صوفی صاحب کی ڈانٹ ڈپٹ سے خطا ہوا ہوگا۔ اس کمزور عقیدہ نے جن کا تصور کر لیا۔ کیسے کیسے عقل کے اندھے لوگ ہمارے معاشرے میں موجود ہیں۔ کیسی کیسی بے سر و پا باتیں یہ لوگ خود ہی فرض کر لیتے ہیں۔ میں نے صوفی صاحب کی حرکات اور ارشادات کا تقریباً دو گھنٹے مشاہدہ کیا۔ ان میں عاملوں اور بزرگوں والی کوئی خاصیت تو درکنار انہیں معمولی سی آگاہی

غصہ تو مجھے اپنے آپ پر بہت تھا کہاں پھنسایا تھا اپنے آپ کو [illegible]

وہاں میرا واقف کار کوئی نہ تھا۔ میں نے ایک سوال صوفی صاحب سے کر ڈالا...... ''حضرت! یہ جن پہنتے کیا ہوں گے؟ آپ نے تو جن دیکھے ہیں نا!''...... اس سوال پر وہاں بیٹھے ہوئے لوگ چونک گئے اور حیرت سے میرا منہ تکنے لگے۔ مکمل خاموشی تھی اور لوگ مجھے گھور رہے تھے۔ میں نے فوراً عرض کیا جناب گستاخی معاف، صرف معلومات کے لیے پوچھتا ہوں اور یہ بھی کہ جن کا قد کاٹھ کیسا ہوتا ہے؟

عبدالسلام صاحب چیں بجبیں ہو کر بولے، بھائی آپ کو ابھی میں نے کچھ عرض کیا تھی۔ ایک اور صاحب بولے، وہ بند مٹھی آپ کو نظر نہیں آتی، خواہ مخواہ بے سروپا سوال کر دیا۔ صوفی صاحب نے بڑی انکساری سے گردن ہلائی اور فرمانے لگے، کوئی بات نہیں بے چارے کو معلوم نہیں ہوگا۔ کوئی بات نہیں۔ ہم آپ کے سوال کا جواب دیں گے۔ دیکھو یہ جو مسجد کی دوسری منزل کی چھت ہے اگر جن اس پر بیٹھے تو زمین پر پیر بھی وہ لمبے کرے گا اور کئی تو اس سے بھی لمبے ہوتے ہیں۔ رہی بات پہناوے کی تو میرے عزیز! جنات کرتہ اور شلوار یا تہبند باندھتے ہیں۔ کپڑا سوتی، ریشمی یا اونی ہو۔ یہ تو موسم کی بات ہے۔

ان مریدوں کا کیا حال ہوگا جن کے پیروں کا یہ حال ہے۔ یہ کرتہ اور شلوار یا تہبند کی بھی خوب ہی رہی۔ اگر فرض کر بھی لیا جائے کہ ٹھیک ہے جنوں کے ملبوسات سوتی، ریشمی یا اونی کپڑے کے ہوتے ہیں تو پھر انہیں یہ چیزیں دستیاب کہاں سے ہوتی ہیں؟ اس قسم کے اور بہت سے سوالات ذہن میں ابھرتے چلے جائیں گے۔ ابھی میں اس تذبذب میں گرفتار تھا کہ صوفی صاحب نے فرمایا...... ''اور وہ جمعرات کو حلوائیوں کی دکان سے مٹھائی بھی خرید کر لے جاتے ہیں۔''

عصر کی اذان ہو چکی تھی اور لوگ نماز کے لئے آنے لگے تھے، ان میں کچھ اصحاب میرے واقف کار بھی تھے۔ ایک صاحب نے مجھے زبردستی گھسیٹ کر صوفی صاحب کے

قریب کیا۔ تعارف کرایا...... ''صوفی صاحب اچھا اچھا، کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور بولے...... ''آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ آپ نے میری عزت افزائی کی ہے۔'' اب ان کی بند مٹھی جو جنوں کے بادشاہ کی رکھی تھی میرا نام سنتے ہی کھل گئی تھی اور وہ دونوں ہاتھوں سے زور زور سے میرا ہاتھ تھامے مصافحہ کررہے تھے مگر ان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ معلوم ہوا کہ وہ میرے خاندان، میری ذات اور میرے علم سے واقف تھے لیکن مجھے پہچانتے نہیں تھے۔ مجھے معلوم ہے کہ میرے سامنے شرمسار ہونے کے باوجود صوفی صاحب نے اپنی شعبدہ بازی جاری رکھی اور عقیدت مندان کے گرد جمع رہے۔ ایسے صوفی صاحبان کی منڈی کمزور عقیدوں والے لوگ ہی چلایا کرتے ہیں۔

مجھے افسوس ہے کہ اس قسم کے واقعات مجھے سپردِ قلم کرنے پڑ رہے ہیں جن کا تعلق تو براہ راست میرے علم سے نہیں ہے لیکن آپ کو اس علم کی ماہیئت اور اس علم کے نام پر کی جانے والی جعلسازی کی بھی آگاہی ہونی چاہئے۔ علم اپنی جگہ ایک حقیقت ہے۔ ہر چیز کی ایک گنتی ہے۔ ہمیں یہاں پورا پورا اختیار دے کر اپنی اپنی صلاحیتوں کو ابھارنے اور زیادہ اجاگر کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ انسان کی پیدائش بامقصد ہے بے مقصد نہیں لیکن اس کو کیا کہئے کہ انسان اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں لاتا۔ مقناطیسیت ہر چیز میں موجود ہے۔ کشش ثقل کا مؤکل ہر جگہ کارفرما ہے۔ زمین کی کشش ثقل سیاروں کی کشش ثقل اور مقناطیسی پتھر اور اس سے رگڑ کھائے ہوئے لوہے کی مستعار کی ہوئی مقناطیسیت ہمارے تجربوں اور مشاہدے میں ہے۔

ایسی ہی مقناطیسی کشش انسانوں اور حیوانوں کی آنکھوں میں بھی ہے۔ بلی، مکڑی، سانپ اور کئی درندے اپنے شکار کو صرف دیکھ کر بے حس کر دیتے ہیں۔ انسانی آنکھ میں کشش موجود ہے۔ اس کی طاقت کو انسان اور زیادہ بڑھا سکتا ہے۔ اس کی بدولت وہ دوسروں پر اپنا اثر ڈال کر انہیں اپنا تابع بنا سکتا ہے۔ ان کے حواس معطل کر سکتا ہے۔ اپنی مرضی کا بیان دلوا سکتا ہے اور بہت سے کام لے سکتا ہے۔ یہ ایک مؤکل ہے، آپ کا تابعدار،

اشاروں پر کام کرنے والا لیکن یہ خود پانی کا گلاس آپ کو اٹھا کر نہیں دے سکتا لیکن دوسرے شخص کو مجبور کر سکتا ہے کہ وہ آپ کے من پسند پانی ٹھنڈا گرم جیسا آپ چاہیں ویسا ہی گلاس بھر کے لادے گا حالانکہ آپ نے زبان سے اشاروں سے یا لکھ کر حکم نہیں دیا لیکن اس آدمی نے آپ کی مرضی کے عین مطابق آپ کو پانی کا گلاس فراہم کر دیا۔ تو یہ سب کام بلاواسطہ نہیں ہوئے بلکہ آپ کی ایک پوشیدہ طاقت نے بالواسطہ کیے۔ اگر وہ جو آپ کو پانی کا گلاس لا کر دے رہا ہے، آپ کی اس کشش کی طاقت کو سمجھتا ہے اور خود بھی ایسی طاقت رکھتا ہے تو دونوں طاقتوں میں مقابلہ ہوگا۔ جس کی کشش زیادہ طاقت ور ہوگی وہ کم طاقت والے پر حاوی ہو جائے گا۔ آپ کو تو علم ہی ہے کہ کمزور ہمیشہ محکوم ہوتا ہے۔ اس میں مذہب کا کوئی دخل نہیں۔ کسی بھی مذہب اور عقیدے کا شخص اپنے اندر یہ طاقت پیدا کر سکتا ہے اور اس طاقت کو بہت زیادہ بڑھا سکتا ہے۔

مذہبی رسومات اگر برحق ہوں تو اس عمل کو تقویت پہنچاتی ہیں۔ اس کے لئے صاف ستھرا ذہن، راسخ عقیدہ، طلب اور محنت کی ضرورت ہے۔ اگر خیالات پاکیزہ اور نیک نہ ہوں گے تو اس کا عامل اس عمل پر عبور تو کجا اس علم سے رابطہ بھی قائم نہیں رکھ سکتا۔ گندے اور منتشر خیالات کا حامل آدمی یہ عمل نہیں کر سکتا۔ اگر ذہن میں یکسوئی نہ ہوگی تو بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا۔ اس کو عجیب وغریب شکلیں نظر آئیں گی لیکن وہ جنات، بدروحیں، چڑیلیں یا بھوت پریت کی شکل نہیں ہوں گی۔ یہ ہمارے اپنے ذہن کی پیداوار ہیں جو ہماری کمزوری کے تحت صرف ہمیں نظر آئیں گی۔ حقیقت میں ان کا کوئی وجود نہیں۔

اس کیفیت کو نارمل کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ منتشر خیالات کو کنٹرول کیا جائے۔ دوسرے کسی عامل کا اثر قبول کیا جائے۔ اگر عامل کا میگنیٹ اس کے مریض کے میگنیٹ کے خلاف یعنی اس کی ضد نہ ہو تو وہ مریض صحت یاب ہو جائے گا۔ یہ خون والا حساب ہے۔ اگر خون کا گروپ نہیں ملتا ہے تو مخالف خون جو چڑھایا جا رہا ہے مریض کو اچھا کرنے کی بجائے مار ڈالے گا۔ اس طرح اگر عامل اور معمول میں ہم آہنگی نہ ہوگی تو وہ مار تو

نہ ڈالے گا لیکن اس عامل سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکے گا، اس لیے ہمیں پہلے اس مریض کی سکریننگ ایک خاص عمل اور حساب سے کرنا پڑے گی اور پھر اس کا علاج ہو پائے گا۔ ظاہر ہے اس سب کے لیے تجربہ، قابلیت، مشاہدہ اور مراقبہ کی ضرورت پڑے گی۔ اگر وہ شخص ان تجربات سے آراستہ ہوگا تب ہی وہ اس کام کو انجام دے سکے گا۔

انسان کے اندر ایسی ایسی لاتعداد طاقتیں خوابیدہ ہیں جو محنت اور کوشش سے بروئے کار لائی جا سکتی ہیں لیکن میں پھر بھی یہی کہوں گا، یہ کام بازاری عاملوں، کاملوں، فقیروں، درویشوں فال رمل دلیل اور ستارہ شناسوں کے بس کے نہیں۔ اس نجومی کی بات نہیں کرتا جو فٹ پاتھ پر بیٹھا یا گلی گلی، محلہ محلہ پھر کر آواز لگاتا ہے اور روپیہ دھیلی لے کر اگلا پچھلا حساب آپ کو بتاتا ہے۔ ماتھے کی ایسی لکیریں بھی آپ کو دکھاتا ہے جو اس سے پہلے آپ کے علم میں تھی ہی نہیں۔ (۱۹)

طبقات

روحانیت کے بارے میں مضامین کی اشاعت کے ردعمل کے طور پر جو خطوط اور مضامین قارئین نے ارسال فرمائے، مجھے ان خطوط اور مضامین کو جستہ جستہ دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ ان میں اکثریت ان اصحاب کی ہے جو اس بات پر افروختہ ہیں کہ بقول ان کے ایسے گمراہ کن مضامین کیوں شائع کیے جن کا مقصد خلق خدا کو راہ عمل سے ہٹا کر پیروں اور عاملوں کا محتاج بنانا ہے۔ ان لوگوں کی مایوسی اور برافروختگی بجا ہے کیونکہ اس پیغام کا مجموعی تاثر ماسواء اللہ کے وجود کی نفی کرنا ہے اور یہ پیغام ہمارا اپنا پیغام نہیں بلکہ دین اسلام کا پیغام بھی یہی ہے اور اس کی بعثت کا عمومی مقصد بھی یہی تھا۔

پیروں اور مشائخ نے معاشرے میں اپنی جڑیں کس طرح مضبوط کیں، اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ یہ وہ پسندیدہ قسم کی پاپائیت ہے جس نے اسلامی حکومت کے دور انحطاط میں قوت حاصل کی۔ ناپسندیدہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ایسا طبقہ حضرت غوث الاعظم سمیت تمام اقطاب اور اولیائے کرام کے لیے شدید ناپسندیدگی کا باعث ہوتا۔ میرے ایک فاضل دوست نے اپنے مضمون میں حضرت غوث الاعظمؒ کے والدین کے ضمن میں سیب کا جو واقعہ بیان کیا ہے، اسی سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اولیاء کرام کے نزدیک تقویٰ اور اکل حلال کی کتنی اہمیت تھی اور اس کا معیار کیا تھا۔ دوسروں کے مال اور شیرینیوں پر عیش کرنے والے نام نہاد مشائخ کے وجود کا اس اسلامی نظام سے کوئی واسطہ نہیں جو کسب حلال کو تقوے کا بنیادی جزو قرار دیتا ہے۔

جملہ معترضہ کے طور پر عرض کرتا چلوں کہ میری اپنی گنہگار آنکھوں نے ایک مشہور گدی (اتنی مشہور کہ میں اس کا نام لکھنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا) کے سجادہ نشینوں کی میزبانی کا

نظارہ بھی دیکھا ہے جنہوں نے سرکاری افسروں کی مہمان نوازی کے لیے مزار سے ملحقہ جگہ میں طوائفوں کے مجرے اور شراب کا اہتمام بھی کیا تھا اور وہ ہر ماترے، ہر مصرعے اور ہر خبرعے پر جذب و مستی کی عجیب کیفیت میں آجاتے تھے۔ ان لوگوں کا روحانیت کے ساتھ اور شریعت کے ساتھ دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں اور یہ محض شیطان کے چیلے ہیں۔

اتفاق سے مجھے روحانیت پیرا سائیکالوجی شریعت، طریقت اور کالے جادو والے لوگوں کی صحبت میں الگ الگ بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں نے عقیدت سے بھی ارادت سے بھی ادراک سے بھی حتی کہ کراہت سے بھی سیکھا ہے۔ ان تمام لوگوں کے پاس بیٹھ کر میری آنکھوں پر سے کئی پٹیاں اتریں اور کئی دھندلے منظر واضح ہوئے اسی کسب فیض کی بدولت میں اس موضوع پر کچھ عرض کرنے کی جسارت کروں گا۔

اسلام وہ واحد دین ہے جس نے اللہ اور بندوں کے حقوق کی حدود متعین کی ہیں۔ اللہ کے حقوق میں سرفہرست عبادات ہیں جو فرض کی گئی ہیں اور ان کی حکمت یہ ہے کہ ان کی مدد سے انسان اپنی روحانی قوتوں کو بیدار کرے جو عبادت انسان کی پوشیدہ روحانی قوتوں کو بیدار نہ کرے وہ یقیناً نیم دلانہ عبادت ہوگی جو حضوری کی کیفیت اور سرشاری سے یکسر عاری ہوگی۔ خدا کی وحدانیت پر کامل ایمان انسان کو در در کی دریوزہ گری کی ذلت سے محفوظ رکھتا ہے تاکہ وہ انسان اپنی نظروں میں قابل احترام رہے اور اسے دوسرے انسان کی بندگی کا احساس نہ رہے۔ روحانی قوتوں کو بیدار کرنے کے لئے عزت نفس کا پیدا کرنا بہت ضرورت ہے اور یہ کیفیت اللہ کی وحدانیت پر پختہ ایمان رکھنے سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

نماز اس سے اگلا درجہ ہے اور اس میں انسان باوضو ہو کر چند لمحوں کے لئے علائق دنیا سے منہ موڑ کر اپنے خالق سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وضو کا مقصد پاکیزگی کا احساس اجاگر کرنا ہے کیونکہ اس احساس سے انسان کو اپنی قوت متخیلہ کو مجتمع کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ پاکیزگی کا احساس پانی دستیاب نہ ہونے کی صورت میں محض تیمّم سے

بھی پیدا کیا جا سکتا ہے۔ قوت متخیلہ کو مجتمع کرنے کے وہی نتائج ہیں جو آتشی شیشے کے ذریعے سورج کی شعاعوں کو مرتکز کرنے سے پیدا ہوتے ہیں جس طرح سورج کی کرنیں جمع ہو کر آگ لگا دیتی ہیں اسی طرح قوت متخیلہ بھی مجتمع ہو کر کائنات کی طاقتوں پر اپنی گرفت قائم کر سکتی ہے۔

دوسرے مذاہب کے سادھو وغیرہ جو روحانی مراتب میں درجہ کمال کو پہنچے وہ بھی قوت متخیلہ کو مجتمع کر کے روحانی طاقتوں کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے لیکن دوسرے مذاہب میں روحانی مراتب حاصل کرنا محض چند لوگوں کے لیے مخصوص تھا جب کہ اسلام نے اسے ہر مسلمان کے لئے ممکن بنا دیا۔ اسی خوبی کی بناء پر نماز مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کا بہترین تحفہ قرار پائی۔

نماز سے فوائد حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ انسان خشوع و خضوع سے اللہ کے حضور باریاب ہو اور باقاعدہ حضوری کیفیت پیدا کرے اسی کیفیت میں وہ جب اپنے خالق کو پکارتا ہے تو اسے تھوڑی دیر بعد سگنل ملنا شروع ہو جاتے ہیں...... افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر!

خشوع و خضوع اور حضوری کی کیفیت ایسے ہی پیدا نہیں ہو جاتی ہے بلکہ اس کے لئے روح پر سے زنگ اتارنا پڑتا ہے۔ اس کے لئے دوسروں کا مال کھانے طمع حسد، کینہ، تکبر اور دیگر نواہی و فواحش سے گریز کرنا پڑتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک تربیتی ورکشاپ کا اہتمام کیا ہے اور وہ ہے رمضان المبارک...... رمضان المبارک کے روزوں کے کئی دینی فضائل ہیں۔ ان کی روحانی فضیلت یہ ہے کہ کم کھانے سے طبیعت میں جو لالچ اور حرص ہوتی ہے وہ کم ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے روح پر پڑا ہوا بوجھ کم ہو جاتا ہے اور اس سے قلب گداز ہوتا ہے اور خلق خدا کی بے چارگی اور محرومی کا احساس بھی ہوتا ہے اس کیفیت میں فواحش و نواہی سے پرہیز کرنے سے روح طاقت حاصل کرتی ہے اور اس عالم میں دل میں جو بھی تمنا پیدا ہوتی ہے وہ پوری ہو جاتی ہے اور اگر اس کے ساتھ آخری

عشرے کی شب بیداری بھی شامل ہو جائے تو دل کا شکستہ اور گداز آئینہ نگاہ آئینہ ساز میں عزیز تر ہو جاتا ہے۔

ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے روزے کو محض فاقہ سمجھ رکھا ہے۔ روزے کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے روزمرہ کاموں کو معمول کے مطابق انجام دے۔ بس اپنی خوراک کی مقدار کم کر دے تا کہ اس کے جسم کی چربی کم ہو تو اس کی قوت متخیلہ تیز ہو سکے۔ ہم رمضان کے مہینے میں کام کاج چھوڑ دیتے ہیں اور خوراک کی مقدار تگنی کر دیتے ہیں پر اٹھوں پکوڑوں اور سموسوں سے نظام انہضام پر وہ بوجھ پڑتا ہے جو خشوع وخضوع کے لئے زہر قاتل ہے۔ ایسے عالم میں ...... کہاں سے آئے صدا الا الہ الا اللہ...... ہم سحری کے وقت سارے دن کی خوراک اپنے معدے میں ٹھونس لیتے ہیں اور پھر توقع رکھتے ہیں کہ قلب میں گداز اور طبیعت میں حضوری کی کیفیت پیدا ہوگی۔

اس دور کے انسان کا ایک اور المیہ یہ ہے کہ اسے دنیا کی دوڑ میں الجھ کر اپنی ذات کے لیے، اپنے گردوپیش اور اپنے خالق اور اس کی کائنات کے بارے میں تدبر کرنے کا وقت نہیں ملتا۔ تدبر وہ صلاحیت ہے جو انسان کو باقی مخلوق سے برتر قرار دیتی ہے اور اس سے بھی روحانی صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں۔ انسان کی یہ ضرورت پوری کرنے کے لئے آخری عشرے میں اعتکاف کا تحفہ دیا گیا ہے جو انسان کے تنے ہوئے اعصاب کو سہلا کر اس کی روح کو تازہ دم کر دیتا ہے۔

ان دو عبادات کے روحانی فضائل بیان کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اسلام انسان کی پوشیدہ روحانی قوتوں کو بیدار کرنے کا سبق دیتا ہے تا کہ اسے کسی سادھو یا کسی یوگی کا سہارا تلاش نہ کرنا پڑے۔ اسی طرح اسلام عبادات اور مذہبی رسوم میں کسی مولوی کی محتاجی سے بھی انسان کو آزاد کرتا ہے۔ امامت کا بوجھ کوئی ایک انسان جو باقیوں سے بہتر ہو، اٹھا سکتا ہے۔ جنازہ کوئی بھی پڑھا سکتا ہے۔ نکاح کا خطبہ خاندان کا بزرگ بھی پڑھا سکتا ہے بچے کے کان میں اذان دینا بھی کوئی ایسا کام نہیں جس کے لیے ایک علیحدہ طبقہ

پڑے۔

ہم نے اپنی زندگی کو آسان بنانے کے لیے روحانی عاملوں اور مولویوں کے طبقات پیدا کر رکھے ہیں، روحانیت برحق ہے اور اس کا وجود ہے لیکن اس کے لیے کسی کے دروازے پر جانے کی ضرورت نہیں لیکن عاملوں کے آستانوں پر لوگ ہجوم کی صورت میں جمع ہوتے ہیں۔ اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ عامل کی اپنی روحانی صلاحیتیں بھی متاثر ہوتی ہیں کیونکہ اتنے ہجوم کو دیکھ کر اس کے اندر جلب زر کی خواہش پیدا ہوتی ہے جو طمع کی صورت اختیار کرتی ہے تو اس کی روحانیت کا بیڑہ غرق کر دیتی ہے پھر اس کی پھونکیں کسی کا کچھ بھی نہیں سنوار سکتیں۔

اس ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے اندر روحانی صلاحیتیں خود پیدا کریں اور عاملوں اور مولویوں کی قید سے آزاد ہو جائیں تا کہ معاشرے کا اسلامی تشخص زندہ رہے۔

نوٹ: قارئین یہ تحریر ایک شخص کی ذاتی رائے ہے ورنہ تو علماء کرام اور بزرگان دین کی وجہ سے دین زندہ ہے۔ ہاں وہ علماء کرام اور بزرگان دین جن میں تقویٰ اور اخلاص ہو۔ (۲۰)

روحانیات سے متعلق کچھ شبہات اوران کے جوابات

ایسا ہوتا ہے

(پہلا خط)

مخفی علوم، ٹیلی پیتھی یا روحانیت میں سے میں کسی بھی علم سے پوری طرح واقف نہیں۔ میں جو کچھ لکھ رہی ہوں یہ میرے ذاتی تجربات اور مشاہدات ہیں۔ جناب صدیق ڈار اور جناب سید سلیمان شاہ گیلانی نے بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ ایسے واقعات پیش آتے ہیں وہ سب کس وجہ سے اور کس طرح ہوتے ہیں۔ میرے تجربے اور خیال کے مطابق ٹیلی پیتھی مخفی علوم اور چھٹی حس ہر انسان کے اندر ہوتی ہے۔ بعض لوگ ارتکاز خیال کے ذریعے ان علوم میں مہارت حاصل کر لیتے ہیں اور اس طاقت سے حیرت انگیز کمالات دکھاتے ہیں۔ بالکل ایسے جیسے جوڈو کراٹے کے ماہر جسمانی طاقت میں کمال حاصل کر کے ہاتھ کی معمولی حرکت سے پتھر، اینٹ اور مضبوط لکڑی کو توڑ دیتے ہیں۔

زیادہ تر لوگ اپنی اس طاقت کو غلط اعمال اور فساد دماغ کی وجہ سے کھودیتے ہیں۔ یہ علوم ان لوگوں میں موجود رہتے ہیں جو سادہ دل اور صاف ذہن ہوتے ہیں۔ ان سب علوم کی بنیاد خیال، قوت ارادی اور توجہ ہے مگر جن لوگوں کے خیالوں میں فحش لٹریچر اور دنیا کی رنگینیاں داخل ہو جائیں یا بعض کا خراب ماحول، معاشرتی مسائل، غصہ، کینہ ان کی جسمانی اور نفسیاتی توانائی کو ختم کر دیتے ہیں۔ وہ ٹیلی پیتھی جیسے اوصاف سے محروم رہ جاتے ہیں۔

آپ نے کبھی دیکھا ہوگا کہ بعض مجذوب قسم کے نیم پاگل جو دنیا سے بے خبر ہوتے ہیں۔ ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جو سچ نکلتی اور پوری ہو جاتی ہیں یا کسی کو دیکھ کر جو کہیں وہ پورا ہوتا ہے اور اس کی دعا جلد قبول ہوتی ہے حالانکہ وہ عالم فاضل نہیں ہوتے اور بظاہر کچھ بھی نہیں جانتے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ وہ خدا کے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور ان کی مخفی قوتیں بیدار ہوتی ہیں کیونکہ ان کے دل و دماغ دنیا کی رنگینیوں سے بے بہرہ اور آلائشوں سے پاک ہوتے ہیں۔

ان تمام علوم کی لازمی شرط ہے آپس کا کوئی نہ کوئی رشتہ ہونا یا جذباتی تعلق ہونا اور توجہ، لگن، محبت اور فرصت جیسے حضرت عمرؓ کا واقعہ ہے۔ اس میں بھی یہ ہی وجہ تھی...... توجہ احساس اور فرائض کا خیال...... پڑھ وہ جمعے کا خطبہ دے رہے تھے مگر ان کے ذہن میں جنگ کا نقشہ تھا یعنی کہ کہہ لیجیے کہ ان کے دماغ میں جنگ سے آنے والے پیغام کے لئے فریکونسی سیٹ تھی۔ اس طرح جنگ کا منظر ٹی وی کی طرح آپ کے سامنے آ گیا اور آپ بے اختیار پکار اٹھے...... ''یا ساریة الجبل''

جیسا کہ مسعود صاحب کے ساتھ ہوا۔ اس میں بھی محبت اور دھیان کا رشتہ اور جذبہ کارفرما تھا۔ اس کی وجہ کچھ حالات بھی تھے۔ ۱۹۴۷ء کے واقعات نے بہن بھائی کو اپنے سگوں سے جدا کر دیا اور جب سگے نہ رہے تو ان رشتوں کی کمی نے ان بہن بھائی کے پیار کو اس مقام پر پہنچا دیا جہاں ذہن کی قوتیں معجزے دکھایا کرتی ہیں۔ شادی کے بعد جدائی میں بہن کا ہر وقت خیال شعوری اور لاشعوری طور پر بھائی کی طرف رہتا تھا اور بھائی کا بہن کی طرف...... اور کچھ جب اکٹھے رہتے تھے تو ان کی برقی قوت بدنی مقناطیسیت آپس میں روشناس تھی، اس لیے جب بہن کو چوٹ لگی تو فوراً منہ سے بھائی کا نام نکلا اور بھائی کو فوراً پتہ چلا۔ ایک مخفی نظام نے فوراً الارم دیا۔

خیال ایک قوت ہے۔ جس طرح ریڈیو میں فریکونسی کی یکسانیت سے پروگرام موصول ہوتے ہیں، اس طرح ذہنوں سے نکلے ہوئے پیغامات موصول ہو جاتے ہیں اور جب خیال میں کوئی انسان موجود ہو تو اس کی لہریں ذہن جلد قبول کرتا ہے اور فضا میں تو ہر وقت آواز کی لہریں موجود رہتی ہیں۔ ہمارا ذہن بیداری اور حالت خواب میں بھی پیغامات موصول کرتا اور خارج کرتا ہے، اسی لئے اس لڑکی نے حالت خواب میں بھی اپنے محبوب کو پٹتے دیکھ لیا۔

اندھے لوگ بھی خواب دیکھتے ہیں۔ وہ اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے خواب دیکھتے ہیں۔ تجربہ کیا گیا ہے کہ جب وہ خواب دیکھتے ہیں تو ان کی ہاتھوں کی انگلیوں سے خاص قسم کی شعاعیں خارج ہوتی ہیں۔

میں اپنا تجربہ بتاتی ہوں۔ایک وقت تھا کہ میں پانچ وقت کی نماز اور تہجد پڑھتی تھی۔ اب نماز میں بال بچوں کی وجہ سے وہ باقاعدگی نہیں رہی۔ ہر وقت میرے خیالات میں خدا اوراس کی محبت رہتی تھی جواب بھی موجود ہے لیکن اس وقت میری ساری توجہ خدا اور اس کی بندگی کی طرف رہتی تھی۔اس کی وجہ سے اکثر میرے خواب سچے ہوتے تھے۔کئی دفعہ رات دیر سے سوئی تو بالکل نماز کے وقت کسی نے میرا پاؤں پکڑ کر جگادیا۔شادی کے بعد اب میری زندگی میں خدا کے بعد ہر وقت میرے خیالات اور احساسات میں میرے مجازی خدا شامل ہیں۔ ہر وقت دھیان ان کی طرف رہتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اگر کبھی وہ دور بھی ہوں اور ان کو کوئی پریشانی ہو تو مجھے فوراً پتہ چل جاتا ہے۔

تھوڑے مہینے پہلے کی بات ہے۔ میں پاکستان میں تھی اور میرے شوہر اپنے پھوپھی زاد بھائی کی شادی پر پاکستان براستہ دوبئی آرہے تھے۔ جب سفر کر رہے تھے مجھے بڑی گھبراہٹ اور پریشانی محسوس ہوئی۔ بلاوجہ رونا آتا جائے۔ایسے لگے جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ پہلا دھیان اپنے شوہر کی طرف گیا کہ اللہ کرے وہ خیریت سے وطن پہنچ جائیں۔بار بار ریڈیو لگاؤں۔ ایسے لگے جیسے ابھی کوئی بری خبر ملے گی۔صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے اخبار پڑھ کر ان کی سلامتی کے لیے صدقہ دیا۔نفل مانے اور جب پاکستان پہنچ کر انہوں نے لاہور سے فون کیا تو دل کو قرار آیا۔ ملنے پر انہوں نے بتایا کہ سفر کے دوران ہوائی جہاز میں کوئی نقص پیدا ہو گیا تھا۔ ہوائی جہاز بری طرح ہچکولے کھاتا تھا۔کبھی نیچے کبھی اوپر۔ سب نے خوف سے خدا کو یاد کرنا شروع کر دیا اور اسی پریشانی میں میرے میاں کا دھیان بیوی بچوں کی طرف ہو گیا۔ کئی قسم کی سوچیں آئیں۔ ان کے ذہن سے جو اس وقت پریشان سوچیں اور لہریں اٹھیں، میرے ذہن نے فوراً ان کو موصول کیا۔

جیسا کہ صدیق ڈار صاحب لکھتے ہیں......''اس کے آگے اور پیچھے خدا کے حکم سے چوکیدار ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں'' مگر اس کے علاوہ اور چیز بھی ہے جو انسان کی حفاظت کرتی ہے اور آنے والے حادثات اور آفات سے اسے بچاتی ہے، وہ ہے صدقہ اور

اس پر میرا ایمان ہے۔ حدیث نبویؐ ہے...... ''اے لوگو، جہنم کی آگ سے بچو، اگر تمہارے پاس کھجور کا آدھا ٹکڑا ہی ہو تو وہی دے کر آگ سے بچو، اس لیے کہ صدقہ انسان کی کجی کو درست کرتا ہے، بری موت مرنے سے بچاتا ہے اور بھوکے کا پیٹ بھرتا ہے۔''

کسی پیش آنے والے حادثے اور واقعے سے خبردار کرنے والی سب سے بڑی طاقت اللہ ہے اور یہی طاقت حادثات کا اشارہ دے کر اس سے انسان کو بچاتی ہے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ مارنے اور بچانے والی ایک ہی طاقت ہے یا اس انسان کے کچھ نیک اعمال اور صدقہ وخیرات!

ٹیلی پیتھی، پیغام رسانی، غیب بینی، دور بینی جیسے علوم قدیم زمانے میں زیادہ عام تھے۔ آج کل کے زمانے میں ریڈیو، ٹیلی فون، ٹی وی اسی کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔ میرے خیال میں ان سب چیزوں کی ایجاد کی بنیاد یہی علوم تھے۔ (۲۱)

سیالکوٹ کا پراسرار سنیاسی

لوگ سنیاسی کو تلاش کرنے لگے تا کہ اس کی پراسرار طاقت کے اور کرشمے دیکھیں لیکن وہ ایسا غائب ہوا کہ پھر کبھی نظر نہ آیا۔

برصغیر کی تقسیم سے پہلے سابق پنجاب کی چھاؤنیوں میں سیالکوٹ کی چھاؤنی بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ پیدل، رسالہ اور توپ خانے کے نوجوانوں اور افسروں کی کافی تعداد یہاں مقیم رہتی تھی۔ انگریز افسروں کے رہائشی مکانات الگ تھے۔ انہی مکانات میں سے ایک میں، جس کا رخ سیالکوٹ کلب کی طرف تھا، رائل آرمی میڈیکل کور کا ایک ریٹائرڈ افسر میجر کارل ڈک اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ رہتا تھا۔ میجر کی عمر چھپن سال کے لگ بھگ تھی۔ اس کے سر کے بال اور مونچھیں سفید تھیں۔ وہ لوگوں میں ہر دلعزیز تھا۔

ایک دن وہ چھ بجے صبح بیدار ہوا، غسل اور لباس تبدیل کرنے کے بعد وہ سامنے والے برآمدے میں آ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ نوکر کافی تیار کرنے لگا۔ اس نے اخبار اٹھا کر پڑھنا چاہا لیکن جب نوکر کافی لے کر آیا تو اس نے اخبار ایک طرف رکھ دیا۔ وہ کافی پینے والا تھا کہ اس کی نظر ایک فقیر پر پڑی جو بڑا حسین تھا اور جس نے گیروا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ایک عصا تھا۔ وہ بڑی تمکنت سے برآمدے کی سیڑھیوں کے نیچے کھڑا تھا۔ اور خاموشی سے ٹکٹکی باندھے میجر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میجر اسے دیکھ کر بہت جز بز ہوا اور فقیر کی موجودگی سے چڑ کر کہنے لگا: ''تم کیا چاہتے ہو؟''

''صاحب میں بھوکا، پیاسا اور از حد تھکا ہوا ہوں میں کئی دنوں سے پیدل سفر کر رہا ہوں، میرے پاس اس عصا کے سوا کچھ نہیں مجھے روٹی کھلائیے۔''

میجر اس وقت کسی سے بات کرنا نہ چاہتا تھا۔ نہ وہ اندر جا کر ایک آوارہ گرد فقیر کے لئے کچھ لانا چاہتا تھا اس نے غصے سے پوچھا: ''تم اپنے لوگوں سے جا کر کیوں نہیں مانگتے؟

صاحب، خدا نے سب انسان ایک سے بنائے ہیں وہ کالے گورے میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔ ہم فقیر ہیں سب کے خادم ہیں اور یہودیوں، عیسائیوں، مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ آپ امیر ہیں۔ تانبے کے چند سکے دے دینے سے آپ کی دولت کم نہ ہوگی۔ اگر آپ کچھ نہیں دے سکتے تو یہ توس ہی دے دیں۔ میرا پیٹ بھر جائے گا۔"

"بکومت!" میجر غصے میں چلایا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہارا نوکر ہوں کہ اٹھ کر تمہیں توس پیش کروں چلے جاؤں یہاں سے!"

فقیر نے جواب دیا "صاحب آپ اتنا ناراض کیوں ہوتے ہیں۔ ذرا اپنے آپ کو میری جگہ تصور کریں تاکہ آپ یہ معلوم کرسکیں کہ اس غریب آدمی کا کیا حال ہو رہا ہوگا جو خالی پیٹ چالیس میل کا لمبا سفر کر کے آیا ہے۔ اگر آپ روٹی کا ٹکڑا یا تانبے کے چند سکے دیں دیں، تو آپ کا کچھ نہیں بگڑے گا۔"

بکواس بند کرو! دور ہو جاؤ میری آنکھوں سے! نکل جاؤ یہاں سے!"

"صاحب میں آخری مرتبہ منت کرتا ہوں کہ مجھے کھانے کو کچھ دیں۔"

لیکن میجر ٹس سے مس نہ ہوا۔ اس نے چیخ کر ملازم کو آواز دی۔ اور جب وہ آیا تو میجر کہنے لگا کہ فقیر کو باہر نکال دے نوکر اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کرنے والا تھا۔ لیکن میجر کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ نوکر بے حس و حرکت کھڑا ہو گیا۔ اس کا جسم اکڑ گیا۔ اس کی آنکھیں پتھرا گئیں اور وہ پتھر کا بت لگنے لگا۔ میجر فقیر کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ بدستور کھڑا تھا۔ اس کے انداز میں سنیاسیوں کی سی تمکنت تھی۔ میجر نے بے چین ہو کر پوچھا: "تم نے میرے نوکر کا کیا حال کر دیا ہے؟"

"میں نے کچھ نہیں کیا۔ آپ کا نوکر میری مرضی کے تابع ہے جب میں یہاں سے چلا جاؤں گا تو اسے کچھ بھی یاد نہ رہے گا۔ جب وہ ہوش میں آئے گا تو اسے یہ بھی پتہ نہ چلے گا کہ ایک سنیاسی فقیر یہاں آیا تھا۔ لیکن میں یہاں اپنی طاقت کا کرشمہ دکھانے نہیں آیا میں نے تو روٹی کا سوال کیا تھا۔"

میجر اور بھی غضب ناک ہو گیا۔ ''شیخی مت بگھارو۔ یہاں سے چلے جاؤ نہیں تو میں پولیس کو بلواتا ہوں۔''

لیکن سنیاسی اپنی جگہ سے ایک انچ نہ ہلا۔ میجر نے تین چار مرتبہ سیٹی بجائی۔ معاً برآمدے کے شمال والے کمرے سے دو غضب ناک کتے دوڑتے ہوئے آ گئے۔ انہیں کالے لوگوں پر جھپٹ پڑنے کی عادت تھی۔ وہ اپنے آقا کی طرف بڑھے۔ میجر نے سنیاسی کی طرف اشارہ کیا اور چلایا اسے باہر نکال دو! لیکن کتے، سنیاسی پر جھپٹنے کی بجائے پہلے اپنے آقا کی طرف دیکھنے لگے پھر ادھر اُدھر بھاگ گئے۔ میجر اس سے پہلے کبھی اتنا حیران نہ ہوا تھا۔ اس کے باوجود وہ سنیاسی سے ہار ماننے کے لئے ہرگز تیار نہ تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر کتوں کو بلایا۔ لیکن ان میں سے ایک بھی اپنے آقا کے پاس نہ آیا۔

اس دوران میجر کا نوکر بدستور اپنی جگہ بت بنا کھڑا رہا۔ یکا یک سنیاسی کا جسم تن گیا اور اس نے اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے میجر کی طرف دیکھا اور کہا۔

''اچھا صاحب کوئی بات نہیں تم نے ایک غریب آدمی کو روٹی پانی دینے سے انکار کر دیا ہے۔ میں جا کر کسی اور نیک آدمی سے سوال کرتا ہوں۔ لیکن جانے سے پہلے تمہیں ایک سبق دینا چاہتا ہوں۔ میں تم کو اور تمہارے خاندان کو بد دعا دیتا ہوں کہ آج سے ایک ماہ بعد تم اس بھرے شہر میں مجھ سے روٹی مانگو گے۔ تم اور تمہارا خاندان بھوک سے تڑپے گا۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنا عصا اٹھا کر برآمدے کے فرش پر مارا۔ اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا باہر چلا گیا۔

سنیاسی کے جانے کے بعد میجر خیالات میں کھو گیا۔ اور اس نے یہ بھی نہ دیکھا کہ اس کا ملازم بدستور بت بنا کھڑا ہے۔ یکا یک ملازم ایک بندر کی طرح خوخیانے لگا۔ میجر سخت پریشان ہو گیا۔ اس نے سمجھ لیا کہ ملازم کا دماغ چل گیا ہے وہ کسی کو مدد کے لئے پکارنے ہی والا تھا کہ ملازم ہوش میں آ گیا۔ اور آگے بڑھ کر کافی کے برتن اٹھانے لگا۔ میجر نے غصے سے پوچھا۔

''تم فضول حرکات کیوں کر رہے ہو؟''

''کون سی فضول حرکت صاحب؟''

''کیا میں نے تمہیں فقیر کو دھکے دے کر نکالنے کا حکم نہیں دیا تھا؟''

''کون سا فقیر صاحب' میں نے کسی فقیر کو نہیں دیکھا!''

''بکومت۔''

''شاید آپ کی طبیعت کچھ علیل ہے آج۔''

یہ کہہ کر اس نے برتن اٹھا لیے اور بھاگ گیا۔ میجر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ایک گھنٹہ بعد میجر کی بیگم اور بیٹی میجر کے پاس آئیں۔ انہیں اس واقعے کا کچھ علم نہ تھا۔ لیکن اس کی بیوی نے خاوند کے بشرے سے بھانپ لیا کہ اس کا خاوند پریشان ہے۔ وہ کہنے لگی: ''پیارے کیا بات ہے۔ تم پریشان کیوں نظر آتے ہو؟''

''میں پریشان نہیں ہوں۔ بلکہ یہ سوچ رہا ہوں کہ میں نے اس کالے آدمی کے ساتھ انگریزوں جیسا سلوک کیوں نہ کیا۔''

''تم کس آدمی کا ذکر کر رہے ہو؟''

میجر نے صبح کا سارا واقعہ کہہ ڈالا۔ اس کی بیوی کہنے لگی: ''تم نے مجھے کیوں نہ بلایا۔ میں اس سنیاسی کو چند آنے دے دیتی۔''

''مجھے اس وقت اس کا خیال نہ آیا لیکن چھوڑو۔ جو ہو گیا سو ہو گیا۔''

وہ سنیاسی یہاں سے نکل کر بڑی سڑک پر ہو لیا اور ایک بڑے سے سفید مکان کے پھاٹک کے سامنے رک گیا۔ پھر پھاٹک میں داخل ہو کر مکان کے سامنے والے برآمدے کی طرف بڑھنے لگا۔ جس میں ایک لڑکی کرسی پر بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔ تین کتے سنیاسی کو آتے دیکھ کر بھونکنے لگے۔ لیکن جب سنیاسی نے انہیں پکارا تو انہوں نے بھونکنا بند کر دیا۔ اور دمیں ہلانے لگے۔

سنیاسی پکارا: ''سلام مس صاحبہ۔''

''سلام'' لڑکی نے جواب دیا۔ ''تم کیا چاہتے ہو؟''

''ڈریں مت مس صاحبہ۔ میں ایک غریب سنیاسی ہوں۔ میں یہاں اس لئے آیا

ہوں کہ یہاں نیک دل لوگ رہتے ہیں۔ میں بھوک اور پیاس کا مارا ہوں۔ اور کئی میل کا سفر کر کے یہاں پہنچا ہوں۔ کیا آپ مجھے کھانا کھلائیں اور پانی پلائیں گی؟"

لڑکی اٹھ کر فوراً اندر گئی اور گرم دودھ کا ایک گلاس دو توس اور کچھ پیسے لیکر واپس آئی۔ سنیاسی نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ دودھ اس نے پی لیا اور توس اپنے تھیلے میں ڈال لیے۔ پھر کہنے لگا: "میں کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔ آپ بڑی نیک دل ہیں، میں اس نیکی کا بدلہ نہیں دے سکتا۔"

اتنا کہہ کر اس نے اپنے تھیلے میں سے ایک عجیب و غریب خشک پھل نکالا۔ جو سانپ کے پھن سے مشابہ تھا۔ اس نے وہ پھل اس لڑکی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "مس صاحبہ یہ ننھا منا پھل بڑی مشکل سے ہاتھ آتا ہے۔ اور یہ ہیرے سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ جب ہمالیہ کے پہاڑوں پر برف پگھلتی ہے تو سنیاسی لوگ اس پھل کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ یہ ایک جڑی بوٹی کا پھل ہے۔ اور اس کی حیرت انگیز طاقت کو سنیاسی صدیوں سے جانتے ہیں۔

"لیکن میں اس پھل کو لے کر کیا کروں گی؟" لڑکی نے ہنس کر پوچھا۔

"مس صاحبہ، ہنسیئے نہیں، میں آپ سے ایک ضروری بات کہنے لگا ہوں۔ غور سے سنیں...... اس مکان میں ایک شخص سخت بیمار ہونے والا ہے۔ میں نہیں جانتا وہ کون ہے۔ لیکن اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ آپ یہ پھل اپنے پاس سنبھال کر رکھ لیں۔ اگر کبھی آپ مصیبت میں گرفتار ہو جائیں اور ناامید ہو جائیں تو تھوڑے سے کوئلے لے کر جلائیں۔ جب وہ سرخ ہو جائیں تو یہ پھل ان پر رکھ دیں...... ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جب یہ آگ پکڑے گا تو خفیف سا دھماکہ پیدا ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ آپ کی مصیبت ختم ہو جائے گی۔ اچھا سلام مس صاحبہ!"

یہ کہہ کر سنیاسی مکان سے باہر نکل گیا۔ لڑکی نے یہ پھل کھانے کے کمرے میں آتشدان پر رکھی ہوئی ایک تصویر کے پیچھے رکھ دیا۔

کہنے لگی: ''ابا جان آپ جلدی واپس آ گئے ہیں۔ کیا بات ہے؟''

''بخار ہو گیا ہے ایلا مجھے لیکن ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک دو دن میں اتر جائیگا۔'' کرنل جارج کہنے لگا۔

لیکن اتنا کہہ کر وہ لڑکھڑا دیا اور اگر اس کی بیٹی ایلا اسے سہارا نہ دیتی تو وہ گر پڑتا۔ اس نے ایک نوکر کی مدد سے کرنل کو بستر پر لٹا دیا۔ اور ڈاکٹر کو بلا بھیجا۔ لڑکی پریشان تھی۔ کیونکہ دو سال پیشتر بھی اس کے والد پر ٹائیفائڈ کا حملہ ہوا تھا۔

ڈاکٹر ایک گھنٹہ بعد آیا۔ اس نے مریض کا معائنہ کرنے کے بعد ایک دوسرے ڈاکٹر کو بلا کر مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے نتیجہ نکال کر کہا کرنل ٹائیفائڈ میں مبتلا ہے۔''

حسن اتفاق سے میجر کارل ڈک کی بیٹی اور مس ایلا دونوں گہری سہیلیاں تھیں۔ جب یہ خبر مشورہ ہوئی کہ کرنل جارج بستر مرگ پر دراز ہے تو میجر نے اپنی بیٹی کو ایلا کے گھر جانے سے روک دیا۔ لیکن ایک دن اس کی بیٹی سودا سلف خریدنے کا بہانہ کر کے ایلا کے ہاں پہنچ گئی۔

وہ ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگیں۔ میجر کی بیٹی نے اپنے والد اور سنیاسی کا واقعہ سنایا، یکا یک کرنل کی بیٹی ایلا کو سنیاسی یاد آ گیا۔ یقیناً اسی سنیاسی نے اسے وہ عجیب وغریب پھل دیا تھا۔ والد کی بیماری کے باعث اسے کچھ یاد نہ رہا تھا۔ اس نے اپنی اور سنیاسی کی ملاقات کا حال میجر کی بیٹی سے بیان کر دیا۔ وہ کہنے لگی: ''ایلا تم وہ پھل آگ میں کیوں نہیں ڈالتیں؟ میرے ابا کہتے تھے کہ وہ سنیاسی ضرور کسی پوشیدہ طاقت کا مالک تھا۔''

''میں ضرور آزماؤں گی......'' وہ کہنے لگی۔ ''لیکن میں نہیں جانتی کہ یہ پھل کس طرح میرے والد کی جان بچائے گا جب کہ ہر قسم کی طبی امداد ناکام ہو چکی ہے۔ ہم نے تو بمبئی سے بھی ایک معالج منگوایا ہے۔ گو اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا لیکن میں نے اس کے بشرے سے جان لیا ہے کہ ابا کی زندگی خطرے میں ہے۔ میری والدہ بھی اسی طرح مری تھی۔ ہائے میرے ابا کو کچھ ہو گیا تو میں کیا کروں گی؟''

ایلا سسکیاں بھر کر رونے لگی۔ میجر کی بیٹی اسے تسلی دینے لگی۔ اتنے میں باہر سے ایک آواز آئی۔

’’مس صاحبہ! مس صاحبہ! آپ کا وفادار خادم حاضر ہے!‘‘۔

دونوں لڑکیاں لپک کر باہر برآمدے میں آ گئیں۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ سنیاسی کھڑا ہے۔ وہ حیران تھیں کہ اسے کس طرح معلوم ہو گیا کہ کرنل کی بیٹی اس وقت سخت پریشان ہے۔ وہ کہنے لگا۔ ’’سلام مس صاحبہ میں خاص طور پر آپ سے ملنے آیا ہوں۔ لیکن یہ نوجوان لڑکی یہاں کیا کر رہی ہے؟‘‘

’’یہ میری سہیلی ہے۔‘‘ ایلا نے جواب دیا۔

’’مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ یہ آپ کی سہیلی ہے میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تاہم میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ ایک ایسے صاحب کی بیٹی ہے جس نے مجھے اس دن کھانے پینے کے لئے کچھ نہیں دیا تھا، جس دن آپ نے مجھے دودھ اور توس دیئے تھے۔‘‘

’’لیکن اس نے تو آپ کو کوئی دکھ نہیں دیا۔‘‘

’’ہاں، لیکن والدین کے گناہوں کا خمیازہ اولاد کو بھگتنا پڑتا ہے۔ خیر میں تو آپ سے ملنے آیا تھا مس صاحبہ، میں آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ اگر آج آپ نے وہ پھل آگ میں نہ ڈالا تو آپ کے والد صاحب کی جان کو خطرہ ہے۔ تین ہفتے پہلے میں نے پیش گوئی کر دی تھی کہ آپ کے ہاں کوئی شخص سخت بیمار ہو گا لیکن آپ نے میری بات پر یقین نہ کیا۔ اگر آپ پہلے دن وہ پھل آگ میں ڈال دیتیں تو آپ کے والد اتنے بیمار نہ ہوتے اچھا مس صاحبہ سلام!‘‘

اتنا کہہ کر سنیاسی مکان سے باہر چلا گیا۔ دونوں لڑکیاں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں۔ آخر مس کارل ڈک کہنے لگی: ’’میرا خیال ہے یہ سنیاسی کوئی مافوق البشر انسان ہے خیال ہوتا ہے کہ اس نے مجھے کس طرح پہچان لیا ہم نے ایک دوسرے کو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ پیاری سہیلی تم آج ہی اس پھل کو آگ میں ڈال دو۔‘‘

مس کارل ڈک چلی گئی تو ایلا دبے پاؤں اپنے والد کے کمرے میں گئی۔ وہ بستر پر سوئے پڑے تھے۔ تین ڈاکٹر پاس بیٹھے تھے ایک نے ایلا کو بتایا: ''میرا خیال ہے میں آپ سے کچھ نہ چھپاؤں۔ آپ کے والد کی جان خطرے میں ہے۔ اور شاید وہ آج رات ہی چل بسیں۔ ہم نے جو بن پڑا ان کے لئے کیا لیکن اب میں ناامید ہو گیا ہوں۔''

غریب ایلا خاموشی کھڑی رہی۔ ڈاکٹر کہنے لگا: ''اب تو معجزہ ہی ان کی جان بچا سکتا ہے۔''

معاً ایلا کہنے لگی: ''میں چاہتی ہوں کہ آپ میرا ایک کام کریں۔ اسی کمرے میں ٹھہریں اور والد کی دیکھ بھال کریں۔ اگر اگلے منٹوں میں ان کی حالت میں تبدیلی نظر آئے تو سمجھ لیں کہ وہ صحت یاب ہو جائیں گے۔ اس وقت رات کے آٹھ بجے ہیں۔ نو بجے پھر آؤں گی۔''

تینوں ڈاکٹر حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اور سوچنے لگے کہ کہیں تین ہفتوں کی پریشانی سے اس کا دماغ تو نہیں چل گیا۔ ایک ڈاکٹر کہنے لگا: ''ہم آپ کے کہنے پر عمل کریں گے لیکن کوئی کام ایسا نہ کریں جس پر آپ کو بعد میں پچھتانا پڑے۔''

یہ سن کر ایلا مسکرائی اور کہنے لگی: ''ڈاکٹر صاحب میں کوئی ایسی حرکت نہ کروں گی۔ مجھے پتہ ہے کہ آپ امید کا دامن چھوڑ بیٹھے ہیں۔ لیکن ابھی میں نے نہیں چھوڑا۔'' اور وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

ایک ڈاکٹر اپنے ساتھی کپتان ڈانٹ سے کہنے لگا: ''تم ایلا کا پیچھا کرو اور دیکھو کہ وہ کیا کرتی ہے۔ لیکن اس کی نظر تم پر نہ پڑے۔''

کپتان ڈانٹ دبے پاؤں ایلا کے پیچھے گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ کھانے کے کمرے میں بیٹھی ہے اور دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام رکھا ہے۔ اتنے میں ملازم کمرے میں داخل ہوا۔ ایلا اٹھ بیٹھی۔ اس نے ملازم کو باہر جانے کا حکم دیا۔ پھر وہ کمرے میں ادھر ادھر ٹہلنے لگی۔ آخر آتشدان کے سامنے رک گئی اور تصویر کے پیچھے سے پھل نکال کر اسے غور سے

دیکھنے لگی۔ پھر اس نے ملازم کو بلا کر کوئلوں کی انگیٹھی لانے کو کہا۔

ملازم انگیٹھی دے گیا تو ایلا نے پھل ہاتھ میں پکڑ کر دونوں آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ہونٹ ہلنے لگے۔ ایسا معلوم ہوا کہ وہ دعا مانگ رہی ہے۔ دعا مانگ کر اس نے آرام سے وہ پھل کوئلوں پر رکھ دیا۔ یکا یک ایک شعلہ بھڑکا اور دھما کا ہوا۔ کپتان ڈانٹ نے چاہا کہ لپک کر کمرے میں چلا جائے۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ ایلا کو کوئی گزند نہیں پہنچا وہ وہیں رکا رہا۔

ادھر یہ ہو رہا ہے۔ اُدھر دونوں ڈاکٹر ایلا کے والد کرنل جارج کی نبض کی رفتار کا جائزہ لے رہے ہیں۔ یکا یک انہوں نے محسوس کیا کہ کرنل کی نبض کی رفتار میں فرق آ گیا ہے۔ پہلے پہل ڈاکٹروں نے سوچا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ زندگی کے دیئے کی آخیر ٹمٹماہٹ ہو۔ لیکن انہیں جلد ہی پتہ چل گیا کہ ان کا یہ خیال درست نہیں اور کرنل کی نبض ٹھیک ہوتی جا رہی ہے۔

اتنے میں کپتان ڈانٹ نے واپس آ کر اپنے دونوں ساتھیوں کو سارا واقعہ سنایا۔ اس کے فوراً بعد ایلا کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ ڈاکٹروں کے چہروں پر مسرت کے آثار دیکھ کر مسکرانے لگی۔ اسے یقین ہو گیا کہ اس کا والد ابتلا سے نجات پا چکے ہیں۔

اگلے چند دنوں کے عرصے میں کرنل جارج بڑی تیزی سے صحت مند ہونے لگا۔ ایلا نے اسے سنیاسی سے ملنے کا سارا واقعہ سنایا۔ لیکن کرنل نے اس کی بات پر یقین نہ کیا لیکن سب سے بڑے ڈاکٹر نے بڑی فراخدلی سے اعتراف کیا کہ کرنل کا صحت یاب ہو جانا ایک معجزہ ہے اس کے باوجود بہت سے دوسرے انگریزوں نے یہ واقعہ سن کر مذاق میں اڑا دیا لیکن جب ایک اور حادثہ ہوا تو ان کے لئے حیرت زدہ ہونے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

اس واقعے کے ایک ماہ بعد میجر کارل ڈک ایک دن اپنی بیوی کے کمرے میں داخل ہوا اور اسے جگا کر کہنے لگا: میں تمہیں صبح سویرے جگانا نہیں چاہتا تھا لیکن میں تم سے یہ پوچھنے آیا ہوں کہ ہمارے نوکروں کو کیا ہو گیا ہے۔ میں نے انہیں کئی آوازیں دیں لیکن ان میں سے کسی نے جواب دینے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ رات میں نے خاص طور پر کہا تھا کہ صبح ½۵ بجے چائے دے دی جائے کیونکہ مجھے مرغابی کے شکار کے لیے جانا تھا۔ لیکن ابھی

''انہیں ہو کیا گیا؟'' اس کی بیوی نے پریشان ہو کر پوچھا'' پھر جاؤ اور معلوم کرو کہ وہ چلے کہاں گئے۔''

''بہت اچھا۔'' میجر نے جواب دیا۔

میجر نے باہر نکل کر ہر کوارٹر کے دروازے پر دستک دی۔ آخر ایک نوکر باہر نکلا۔ میجر نے غضب ناک ہو کر پوچھا'' کیا بات ہے۔ تم کیا کر رہے ہو؟''

نوکر نے خوفزدہ لہجے میں جواب دیا۔'' صاحب بہادر اگر آپ کو اپنی جان عزیز ہے تو میرے قریب نہ آئیں۔ میں پلیگ میں مبتلا ہوں۔ دوسرے نوکر ڈر کے مارے بھاگ گئے۔

یہ سن کر میجر سکتے میں آ گیا اور پیچھے ہٹ گیا، لیکن تمہیں پلیگ کس طرح ہو گئی؟'' اس نے پوچھا'' میں نے نوکری چھوٹ جانے کے خیال سے آپ کو نہیں بتایا۔ میرا بیٹا یہاں سے پانچ میل دور کھیتوں میں کام کرتا ہے اور ہر رات یہاں آ کر سوتا ہے۔ دو دن ہوئے وہ بیمار ہو گیا۔ لیکن مجھے علم نہ ہو سکا کہ وہ پلیگ میں مبتلا ہے۔ آج میں بھی پکڑا گیا ہوں۔ صاحب بہادر یہاں سے چلے جائیں۔

''مجھے افسوس ہے کہ تم نے اس بیماری کو مجھ سے چھپایا اب اپنا دروازہ بند رکھو۔ کمرے سے ہرگز باہر نہ نکلنا۔ میں ابھی ڈاکٹر کو بلا کر تمہارا علاج کرواتا ہوں۔''

میجر نے پولیس اور محکمۂ صحت کو ٹیلی فون پر اس واقعے کی اطلاع دے دی۔ پھر اپنی بیوی کے پاس آ کر کہنے لگا'' ہمیں یہ مکان فوراً چھوڑ دینا چاہئے۔ جلدی جلدی سامان باندھو۔

میجر، اس کی بیوی اور بیٹی کار میں سامان لاد کر ڈاکٹر کے بنگلے چلے گئے۔ اور ملازم کو چائے اور ناشتہ کا آرڈر دیا۔ جب ناشتہ آیا تو بیگم کارل ڈک نے چائے پیالیوں میں انڈیلی اور انہوں نے پیالیاں ہونٹوں سے لگائیں تو انہیں چائے میں پیاز کی بو آئی۔ انہوں نے چائے چھوڑ دی اور نئی کیتلی لانے کا حکم دیا۔ جب اس میں سے چائے انڈیلی گئی تو اس میں

سے بھی پیاز کی بو آئی۔ اتنے میں ایک انگریز افسر سمتھ کمرے میں داخل ہوا اور میجر سے کہنے لگا: ''میجر مجھے افسوس ہے میں آپ کو تکلیف میں مبتلا کر رہا ہوں، مجھے ابھی ابھی حکم ہے کہ میں آپ سے کہوں کہ یہاں سے فوراً نکل جائیں...... فوج کی میڈیکل اتھارٹی نے رپورٹ کی ہے کہ آپ کا مکان پلیگ زدہ ہے۔ اس لئے اس کے سارے مکینوں کو فوجی چھاؤنی کی حدود سے فوراً نکل جانا چاہیے۔ میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ سول لائن میں کسی جگہ قیام کریں وہاں ایک جگہ خالی ہے۔

''شکریہ۔ آپ مجھے کوٹھی کا پتہ بتا دیں۔ میں ابھی چلا جاتا لیکن ہم سب بھوکے ہیں۔ ہم نے ابھی تک کچھ نہیں کھایا۔'' ...... بہتر یہی ہے کہ آپ یہاں سے نکل کر اس کوٹھی میں چلے جائیں۔ میں اپنی بیوی سے کہتا ہوں کہ وہ کھانا تیار کروا کر آپ کے پاس بھیج دے۔''

دس منٹ بعد میجر اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ سول لائن کی کوٹھی میں پہنچ گیا۔ وہ تینوں کھانے کا انتظار کرنے لگے۔ میجر اور اس کے خاندان کو سول لائن والی کوٹھی میں گئے ہوئے کئی گھنٹے ہو گئے۔ اور وہ کھانے کا انتظار کرتے کرتے سو گئے۔ میجر بھوک سے تنگ آ گیا اور کوٹھی سے باہر نکل کر ٹہلنے لگا۔ پانچ منٹ بعد ایک کار آ کر رکی۔ کپتان سمتھ اور اس کی بیوی کار میں سے نکلے کپتان سمتھ کہنے لگا: ''مجھے افسوس ہے کہ آپ کو کھانے کے انتظار کی زحمت گوارا کرنی پڑی۔ اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔ میں نے ایک ٹفن ٹوکری گوشت، چوزہ، انڈے، اچار، پنیر، کریم، سٹابری، چائے اور دو تھرماس رکھ کر نوکر کو دیئے اور اسے تاکید کی کہ تانگے میں رکھ کر آپ کو پہنچا دے۔ پندرہ منٹ بعد باورچی نے آ کر اطلاع دی کہ تانگے کا گھوڑا ایک سڑک کوٹنے والے انجن کو دیکھ کر بدک اٹھا اور تانگہ ایک نالے میں گر گیا۔ اور نوکر زخمی ہو گیا۔ اس وقت وہ ہسپتال میں زیر علاج ہے۔

میجر نے آہ بھر کر کہا: ''افسوس کہ ہماری وجہ سے آپ کو اتنی تکلیف پہنچی مجھے وہم تھا کہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ لیکن اب ہمیں کھانے کو کچھ نہ ملے۔''

میجر کو دراصل سنیاسی کی بات یاد آ گئی تھی۔ مسز کارل کہنے لگی: ''میرے خاوند کی بات کا

کوئی خیال نہ کریں۔ہم آپ کے بڑے ممنون ہیں۔''

''مجھے افسوس ہے کہ آپ نے ابھی تک کچھ کھایا پیا نہیں۔اس لئے آپ سب اسی وقت ہمارے گھر چل کر ہمارے ساتھ کھانا کھائیں۔''اس کے بعد دونوں میاں بیوی کار میں بیٹھ کر چلے گئے۔

مسز کارل ڈک اپنے خاوند سے کہنے لگی:

''ہمیں چاہئے کہ ہم ان کے نقصان کی تلافی کریں۔میں توہم پرست نہیں ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ سب کچھ سنیاسی کی بددعا کا نتیجہ ہے۔''

''بیوقوف کہیں کی!''میجر چلایا۔''ہوسکتا ہے کہ سنیاسی ایک پہنچا ہوا فقیر ہو۔لیکن آخر وہ ایک معمولی انسان ہی تو ہے۔یہ سب اتفاق کی بات ہے۔''

میجر اس کی بیوی اور بیٹی کپتان سمتھ کی کوٹھی پہنچے۔سب کے سب کھانے کی میز پر بیٹھ گئے ملازم شوربے کی تین پلیٹیں لایا۔جو اس نے تینوں خواتین کے سامنے رکھ دیں۔پھر وہ دو پلیٹیں اور لایا۔ان میں سے ایک اس نے کپتان سمتھ کے آگے رکھ دی۔اور دوسری وہ میجر کے آگے رکھنے والا تھا کہ اسے ٹھوکر لگی اور سارا شوربا میجر کی گردن پر گر پڑا۔میجر درد سے بلبلا کر اٹھ بیٹھا۔ملازم سے دوسری غلطی یہ ہوئی کہ پلیٹ اس کے ہاتھ سے نکل کر میز پر گری اور ریزہ ریزہ ہوگئی۔

کپتان سمتھ نے فوراً میجر کی گردن پر کسی دوا کی مالش کی۔اس کے بعد وہ پھر کھانے کے لیے بیٹھ گئے۔اب ملازم ایک ڈھکی ہوئی طشتری لایا۔مسز کارل ڈک نے ڈھکنا اٹھایا تو کمرے میں ایک عجیب قسم کی بو پھیل گئی۔کپتان سمتھ اچھل کر کھڑا ہوگیا اور چلانے لگا:

''یہ کیا بکواس ہے؟''پھر طشتری میجر کی طرف بڑھا کر کہنے لگا:''میجر دیکھو تو اس میں کیا ہے؟''

میجر آگے بڑھا،خواتین بھی کھڑی ہوگئیں۔میجر کہنے لگا:''خوب۔اس میں تو درختوں کی چھال اور گھاس ہے۔''

باورچی کو بلا کر پوچھا گیا تو اس نے لاعلمی کا اظہار کیا وہ گزشتہ نو سال سے کپتان سمتھ کے ہاں ملازم تھا۔ اور اس سے کبھی کوئی قابل اعتراض حرکت سرزد نہ ہوئی تھی۔ اس لیے اس میں اس کا کوئی قصور نہ تھا۔ وہ کہنے لگا: ''میرا یا کسی دوسرے ملازم کا اس میں کوئی ہاتھ نہیں۔ میں نے یہ کھانا خود تیار کیا ہے۔''

یہ سن کر میجر چپ نہ رہ سکا اور اس نے اپنی اور سنیاسی کی ملاقات کا سارا حال کہہ سنایا۔ کپتان سمتھ کہنے لگا: ''لیکن اس سنیاسی کو یہ بات کس طرح معلوم ہوگئی کہ آپ سب ہمارے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں۔

''میں خود حیران ہوں کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جب تک ہم اس شہر میں رہیں گے ہمیں کھانے پینے کو کچھ نہ ملے گا۔ کپتان سمتھ اب ہم آپ کو مزید تکلیف دینا نہیں چاہتے۔

کپتان سمتھ اور اس کی بیوی میجر کی باتوں کو احمقانہ سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ میجر کو کھانا کھانے پر مجبور کرنے لگے۔ لیکن میجر نہ مانا اور اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ مکان سے باہر نکل گیا۔

دوسرے دن بھی ایک کھیلے تک اڑ کر ان کے منہ میں نہ گئی اور وہ بھوک سے بلکتے رہے وہ شرم کے مارے کسی سے اپنی بپتا نہ کہتے تھے۔ تاکہ وہ لوگوں کے مذاق کا نشانہ نہ بنیں۔۔ شام کو میجر اپنی بیوی اور بیٹی کے ہمراہ ریلوے اسٹیشن پہنچا۔ اسے یقین تھا کہ سٹیشن کے ہوٹل میں اسے عمدہ کھانا مل جائے گا۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ ہوٹل بند ہے۔ وہ سٹیشن ماسٹر کے پاس شکایت لے کر گیا۔ جس نے بتایا شہر میں پلیگ پھیل رہی ہے۔ اور ہوٹل کے ایک کمرے میں مردہ چوہا پایا گیا ہے اس لیے ہوٹل بند کر دیا گیا ہے تاکہ بیچارے مسافر اس وبا سے محفوظ رہیں۔ ہم نے اگلے سٹیشن پر ایک عارضی ہوٹل قائم کر دیا ہے آپ وہاں تشریف لے جائیں۔

بدقسمتی سے اس سٹیشن تک موٹر نہ جا سکتی تھی اگلی ٹرین اب دوسرے دن جانے والی

تھی۔ میجر اپنی بیوی اور بیٹی کے ہمراہ مجبوراً گھر لوٹ آیا۔ راستے میں انہوں نے ایک حلوائی کی دکان دیکھی۔ میجر نے کار روک لی۔ حلوائی کی دوکان سے اتر کر کار کی طرف دوڑا۔ میجر کہنے لگا۔ ایک اچھی سی مٹھائی لاؤ۔

حلوائی نے مٹھائی لا کر میجر کو دے دی۔ میجر نے مٹھائی کار کی نشست پر رکھ لی۔ جب وہ تھوڑی دور آگے ایک پیپل کے درخت کے پاس پہنچے تو میجر نے کار روکی اور میجر نے اپنی بیوی اور بیٹی کو مٹھائی دے کر کہا: ''لو مزے سے کھاؤ۔''

اس کی بیوی کہنے لگی: ''تم نے ہمیں کھانے کو کیا دیا ہے؟ اس میں سے تو مٹی کے تیل کی بو آتی ہے؟

میجر چونکا اور کہنے لگا: ''میں افسوس کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں پیاری۔''

اتنے میں میجر نے دیکھا کہ ایک سیاہ لٹوں والا لمبا تڑنگا فقیر موٹر کی طرف آ رہا ہے۔ میجر نے فوراً پہچان لیا یہ اس دن والا سنیاسی ہے۔ وہ قریب آ کر کہنے لگا۔ ''کیوں صاحب! امید ہے آپ خیریت سے ہیں۔''

''سلام بابا جی!'' میجر اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکا۔

''دیکھو صاحب۔ میں نے آپ سے کہہ دیا تھا کہ آپ اور آپ کا خاندان بھوک اور پیاس سے بلکنے لگے تو آپ کو میرے سوا اور کوئی کھانا نہ کھلا سکے گا۔ اب آپ یقین کریں گے کہ دنیا میں ایسے سنیاسی ہیں جو ایک ایسی طاقت کے مالک ہیں جو انسان کی عقل سے بالاتر ہے مجھے افسوس ہے صاحب کہ میری وجہ سے آپ اس مصیبت میں مبتلا ہوئے۔ لیکن میری بات مانیں اور اس شہر سے چلے جائیں۔ ورنہ آپ بھوکے ہی رہیں گے۔''

اس سے پہلے کہ حیران و ششدر میجر کوئی جواب دیتا سنیاسی پلٹ کر اپنی قریبی جھونپڑی میں گیا اور ململ کے رومال سے ڈھکی ہوئی پیتل کی ایک طشتری اٹھائے واپس آیا اس نے رومال ہٹا دیا اور طشتری میجر کی کار کی نشست پر رکھ کر کہنے لگا: ''کھانا حاضر ہے۔ شوق فرمائیں۔ اللہ آپ کو خوش رکھے!''

جونہی سنیاسی کے منہ سے یہ الفاظ نکلے۔ میجر، اس کی بیوی اور بیٹی کا سارا غم واندوہ جاتا رہا۔ میجر نے سنیاسی کا شکریہ ادا کیا اور طشتری بیوی اور بیٹی کی طرف بڑھا دی۔ کھانا نہایت لذیذ تھا۔ انہوں نے جی بھر کر کھایا۔ پھر دودھ پیا۔ سب حیران تھے کہ سنیاسی یہ ساری چیزیں کہاں سے لے آیا تھا۔

میجر سنیاسی کی محیر العقول طاقت کا دل سے قائل ہو چکا تھا اس لیے اس نے مزید کچھ دریافت نہ کیا۔ وہ سنیاسی کا شکریہ ادا کر کے کار میں بیٹھ گئے اور عارضی رہائش گاہ کو چل دیئے۔ دوسرے دن وہ بمبئی روانہ ہو گئے۔

جب اس واقعے کا چرچا عام ہوا تو لوگ سنیاسی کو تلاش کرنے لگے۔ تاکہ اس کی پراسرار طاقت کے اور کرشمے دیکھیں لیکن وہ شہر سے ایسا غائب ہوا کہ پھر کبھی نظر نہ آیا۔ (۴۲)

رو میں ہے رخشِ عمر!

(دوسرا خط)

میں چیخنا چاہتی مگر چیخ گلے میں اٹک جاتی میں تڑپنے لگتی...... باجی میرا کندھا ہلاتی...... میرے جسم کے گرد لپٹا ہوا جالا ٹوٹ جاتا...... مگر غم کا وہ جالا نہ ٹوٹتا جو گھر کی فضا پر چھایا ہوا تھا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جو خواب کی طرح دھندلے ہوتے ہیں، بے خیالی میں جب یادوں کے دیپ ٹمٹماتے ہیں تو بے اختیار آنکھیں موند لینے کو جی چاہتا ہے پر کہیں ایسا بھی ہوا کہ آنکھیں بند کرلیں اور تصورات کے پر کٹ جائیں! ایسے میں تو رخشِ تصور اور بے لگام ہو جاتا ہے لاکھ چاہو کہ تھم جائے مگر اس کاوش میں کون کامیاب ہوا ہے آج تک!

مجھے اچھی طرح یاد ہے وہ کمرہ جس میں ہم رہا کرتے تھے، جس کی چھت پرانے بوسیدہ ٹینوں کی تھی اور جو بارش کے دنوں میں ٹپکنے سے کبھی باز نہ آتی تھی، یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کے زیر سایہ کوئی اپنے بچوں کو لیے بیٹھا ہے۔ ہمارے کمرے کے سامنے قدرے کھلا صحن تھا۔ سڑک کی جانب صحن کے آخری کونے میں پردہ تانے ابا جان اپنے کسی فن اور تقدیر کو آزمایا کرتے تھے۔ فن کیسے نکھرتا ہے اور تقدیر کیسے سنورتی ہے؟ یہ کرشمے دیکھنے کی حسرت ہی رہی مجھے تو اتنا یاد ہے کہ جب دوپہر ڈھلتی اور کھانے کے لئے باجی دسترخوان بچھاتی تو میری آنکھوں میں اک شوق سا امڈ آتا کہ دیکھئے شاید آج روٹی کے ساتھ جو وہی کھانا ہے اس میں ملانے کے لئے نمک کی بجائے شکر سامنے آئے۔ پھر چند لمحات بعد مجھے حلق میں نوالہ اٹکتا ہوا محسوس ہوتا اور جب میں پہلے ہی نوالے کے بعد پانی گلاس کی طرف ہاتھ بڑھاتی تو اکثر باجی ٹوک دیتی...... اب پانی ہی پیوگی یا کچھ کھاؤ گی بھی!'' ایسے سمے میں میں کچھ نہ سمجھ پاتی کہ باجی کی آواز میں غصے کی لرزش ہے یا پیار کی آمیزش!

آج میرے ذہن میں اس لہجے کی یاد آتی ہے تو میرے لب یونہی مسکراہٹ سے پھیل جاتے ہیں اور میں خود سے کہتی ہوں۔ پگلی وہ نہ پیار تھا نہ غصہ۔ وہ تو حسرت بھری چیخ ہوا کرتی تھی جو باجی کے سینے سے اچھلا کرتی تھی۔ ہم اپنی امی کو باجی ہی کہا کرتے تھے اور آج بھی باجی ہی کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تو مجھے معلوم نہیں۔ فقط اتنا کہہ سکتی ہوں کہ جب کچھ بولنے اور سننے کے قابل ہوئی تھی تو آپی اور بھیا کو یہی لفظ بولتے سنا تھا اس لیے یقیناً جو پہلا مکمل لفظ میرے ہونٹوں سے نکلا وہ باجی ہی ہوگا۔

میں نے کبھی سوچا نہیں، اور نہ کبھی کسی سے پوچھنے کی کوشش کی ہے۔ کہ اس کمرے میں ہم کتنی مدت رہے۔ بس اتنا یاد ہے کہ جب ہم لاہور آنے کے لئے سامان باندھ رہے تھے تو مجھے اردگرد کی دیواریں، کمرے کی چھت اور سامنے سے گزرتی ہوئی سڑک پچھلے دنوں سے بہت واضح نظر آ رہی تھی۔ میرے انجان اور بھولے دل میں اک عجب دبی دبی سی خوشی تھی۔ وہ کمرہ ہم کیوں چھوڑ رہے ہیں ہم لاہور کیوں جا رہے ہیں؟ اور جب گاڑی نے الوداعی سیٹی دی تو پیار کرتے کرتے ابا جان کی آنکھیں نمناک کیوں ہو گئی تھیں؟ اور جب گاڑی رینگنے لگی تو سٹیشن پر کھڑے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے ابا جان کو دیکھ کر میں چیخ مار کر کیوں رونے لگی تھی؟ اور باجی کی آنکھوں کی طرف دیکھ کر میں یکدم خاموش کیوں ہو گئی تھی؟ مجھے آج تک معلوم نہ ہو سکا کہ باجی کی آنکھوں میں اپنے آنسو تھے یا میرے آنسوؤں کا عکس باجی کی صحت دن بہ دن گرتی جا رہی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ابا جان نے ہمیں لاہور بھیج دیا تھا۔ نانی جان اکثر باجی کو کسی ڈاکٹر ہاں لے کر جایا کرتی تھیں۔ آہستہ آہستہ باجی کی صحت سنبھلتی گئی۔ پھر ایک دن ہم کسی اور مکان میں اٹھ آئے اور رشتہ داروں سے الگ رہنے لگے۔ کبھی کبھی ابا جان کا خط آیا کرتا اور کچھ روپے پیسے بھی۔ میں سمجھتی تھی شاید شہر بدل جانے سے تقدیر بھی بدل جاتی ہے۔ کچھ عرصہ تو اس بات کا انتظار ہی رہا مگر نہ جانے وہ لمحات کہاں سے چلے آئے تھے جب مجھے یہ احساس ہوا کہ ہماری تقدیر واقعی بدل رہی ہے۔ مجھے ہر دم یوں لگتا جیسے میں ناکوں ناک پانی میں ڈوبی

رہتی ہوں۔ سانسیں اتنی بوجھل جیسے چاروں طرف دھواں ہی دھواں بکھرا ہو۔ سفینۂ حیات کا ناخدا آنکھیں پھیرنے لگا ہماری تقدیر مدت سے ایک متعین راستے پر چلتے چلتے اپنی راہ بدل رہی تھی۔ یہ وہ راہ تھی جس پر غموں اور دکھوں کے اندھیرے پر پھیلائے بیٹھے تھے اور ہمیں ان دیکھی آگ میں دھکیلنے کے لیے برقرار تھے۔

ابا جان کے خط آیا کرتے تھے۔ باجی جواب بھی دیا کرتی تھیں۔ نہ جانے ان خطوط میں کیا باتیں ہوا کرتی تھیں کہ جن کا اظہار کبھی باجی آنسوؤں کی زبانی کیا کرتی تھیں اور کبھی ہم میں سے کسی کو مار پیٹ کر۔ ان دنوں میں نے آپی کو بھی بارہا چھپ چھپ کر روتے دیکھا تھا اور بھیا بے حد گم صم رہا کرتے تھے۔ اک دن مجھے خود ہی احساس ہوا کہ ابا اور باجی کی لڑائی ہوگئی ہے؟ کیوں۔ کیوں؟...... میں ہر دم سوچا کرتی اور کمرے کے کسی کونے میں کھڑی بے خیالی میں دیوار پر انگلی سے آڑھی ترچھی لکیریں کھینچتی۔ نہ جانے میں کیا الفاظ لکھا کرتی تھی! آج سوچتی ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ الفاظ کچھ ایسے ہی تو ہوں گے جیسے۔ روٹی، ابا، پیسے، باجی، کپڑے...... مگر وہ انگلی سے لکھے ہوئے بے معنی الفاظ ہی تو تھے! میل سی دیوار پر کوئی کاتب تقدیر کے اشارے تو نہ تھے کہ بے سہارا زندگی کے یہ مسائل خود بخود حل ہو جاتے اور آنے والی مصیبتوں کی وہ گھٹائیں چھٹ جاتیں جو نہ چاہتے ہوئے بھی چھائے جا رہی تھیں...... میں سمجھا کرتی تھی، ابا جان کسی نہ کسی دن ہمارے پاس آجائیں گے اور ہماری یہ اداسی، یہ دکھ یہ غم مٹ جائیں گے اور کپڑے پیسے...... میں اپنے فراک کو سیتی رہتی جو ہر روز کسی نئی جگہ سے پھٹ جایا کرتا تھا۔ پھر ایک دن میرے ذہن پر کچھ نئے طرز کے اثرات تھے مجھے ہر دم ایسے لگتا جیسے کسی نے منوں مٹی میرے سینے میں بھر دی ہو۔ میں کمرے کے کونے میں کھڑی ایک نئے لفظ کو دہراتی رہتی جو میں نے پہلے کبھی نہ سنا تھا اور جس کا مطلب معلوم تھا نہ مفہوم۔ بس وہ لفظ میرے سینے کو ڈستا رہتا اور میری انگلی دیوار پر متحرک رہتی۔ وہ الفاظ کیا ہوا کرتے تھے؟ وہ نقش کیا تھے؟ وہ لکیریں کیا تھیں؟ مجھے کچھ یاد نہیں، قیاس ہے کہ وہ الفاظ کچھ ایسے ہی ہوں گے...... ابا، باجی، گھر، ہائے اللہ

ہم کدھر جائیں!

ابا نے ایک خط میں باجی کو طلاق لکھ بھیجی تھی۔ یہ طلاق ہی اک نیا لفظ تھا میرے لئے، عجیب اور نا قابل فہم۔

پانچ بچے، ایک باجی...... بھلا ابا جان نے یہ کیا کیا؟ کیوں کیا؟...... آج سوچنے پر مجبور ہوں! ابا جان نے ہمیں لاہور کیوں بھیج دیا؟ کیا اپنی زندگی کا راستہ جدا کرنے کے لئے؟ ابا جان نے ہمارے سروں سے دست شفقت کیوں اٹھالیا؟ کیا ہماری زندگی بار گراں تھی؟ نا قابل برداشت، کہ یوں گھبرا کے پرے پھینک دیا! اگر نصیبوں میں فاقے ہی تھے تو بھی آنکھیں کیوں پھیرلیں؟ جو دکھ سہتے اکٹھے سہتے۔ ہم بچے گوشت پوست کے ٹکڑے، کیا ہم ان کے جسم کے ٹکڑے نہ تھے؟ کیا ہمارے لئے ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا؟ کیا وہ بھی ہمارے نہ تھے؟

سوچتی ہوں تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی! بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں باجی کی طرف سے چشم پوشی کروں اور ان کے متعلق کچھ نہ سوچوں؟ کیا باجی کے تقاضے اتنے ہی زیادہ تھے جنہیں پورا کرنا ابا جان کی استطاعت سے باہر تھا؟ کیا باجی کے خطوط تلخیوں کے زہر سے آلودہ ہو گئے تھے جو ہماری تقدیر کی رگوں میں سرایت کر گیا تھا؟ کیا باجی کے ذہن میں ہمارا مستقبل نہ تھا؟ وہ قوت برداشت، وہ استقلال، وہ تعاون کے جذبات کیا وہ پانی بن کر بہہ گئے تھے...... قصور کس کا تھا؟ ابا جان کا یا باجی کا؟ اب سوچنے سے کیا حاصل! اب کسی سے شکوہ کیسا اور شکایت کیسی!

وقت کی سختیاں سہتے سہتے ہماری زندگی کا کارواں بڑھتا ہی رہا۔ بے کسی اور لاچاری ہماری محافظ تو تھیں ہی پھر زندگی کی راہوں پر ڈر کس کا تھا!

کچھ عرصے بعد ہم ایک نئے علاقے میں رہنے لگے۔ وہ پیلے رنگ کا بوسیدہ سا مکان تھا۔ یہاں سے زندگی کا وہ دور شروع ہوا جس میں اپنی اپنی زندگی کی خاطر تین سال کے بچے سے لے کر چھتیس سال کی ماں تک نے جدوجہد شروع کر دی۔

بھلا تین سال کا بچہ زندگی کی جدوجہد میں کیا حصہ لے سکتا ہے اس میں مبالغے کی کوئی بات نہیں۔ ذرا سوچئے تو کھانے کے بعد سالن کی رکابی اور میلی ہو جانے کے بعد اپنی قمیص اگر تین سال کا بچہ اپنے ہاتھوں سے دھوئے تو کیا یہ اس کے لئے ایک عظیم جدوجہد نہیں ہے؟ ہو سکتا ہے میرا وہ ننھا منا بھائی کمرے کے کسی کونے میں کھڑا کسی سوچ میں ڈوبا دیوار پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچتا رہا ہو۔ اور یہ الفاظ...... کھلونے، تصویریں، ٹافیاں ہمیں نظر نہ آتے ہوں۔

حالات کے ستائے ہوئے ہم مجبور انسان وقت کے تندو تیز دھاروں پر بہتے رہے۔ ہم سب ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے طوفانوں سے گزرتے رہے کہ حوادث کے تھپیڑوں میں بہیں تو ایک ساتھ اور کنارے پر لگیں تو ایک ساتھ۔ مگر ایک ایسی لہر آئی کہ بھیا ہمارا ساتھ چھوڑ گئے۔ وہ ابا جان کے پاس چلے گئے۔ ابا نے انہیں بلا لیا یا وہ حالات کے ہاتھوں شکست کھا کر چلے گئے؟ یقین سے کچھ کہہ نہیں سکتی۔ ان کے چلے جانے سے ہمیں کچھ خسارہ تو نہ ہوا مگر رونا تو اس بات پر آتا تھا کہ ایسی بے کسی کے عالم میں ہماری بے چین زندگی کو اپنوں کا سہارا نہ ہوا۔ خیر بھیا ہمارے پاس نہ رہے تو کیا فرق رہا۔ جب مانجھی ہی بھنور میں چھوڑ گیا تو تنکے سے کیا گلہ!

باجی کی ممتا ہم سب کی انگلیاں تھامے رہی! انہوں نے نرسنگ کی تربیت لینی شروع کر دی۔ آپی مڈل سکول میں پڑھتی تھی اور میں ابھی ابتدائی درجے میں تھی۔ ہم کبھی ایک دوسرے پر بوجھ نہ بنے تھے۔ ہر کوئی اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتا۔ اس عجیب اصول کے تحت گھر میں تعاون کی فضا ہر دم قائم رہتی۔ ہم نے کبھی کسی سے کچھ توقع نہ رکھی تھی۔ جو روکھی سوکھی میسر آتی شکر کرتے۔ سب سے چھوٹی بہن ہر صبح، اک نئی صبح کے لئے ننھے منے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتی۔ معصوم بچوں کی دعائیں قبول ہو جاتی ہیں! آج یہ خیال آتا ہے تو بے اختیار ہنسنے کو جی چاہتا ہے اور ان دنوں تو یہ احساس ہی چھن گیا تھا۔ گھر کی فضا پر اک سوگواری سی طاری رہتی تھی۔ سکول سے گھر آ کر، پیٹ کی آگ بجھا کر، تہہ کیے ہوئے بستروں کے ڈھیر پر میں لیٹ جاتی اور چھت کے اس کونے کو تکتی رہتی جس میں جالا تنا ہوا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ جالا میرے گرد پھیلتا جاتا۔ میری سانسیں گھٹنے لگتیں۔ میں چیخنا چاہتی مگر چیخ حلق ہی میں اٹکی رہتی۔ میں تڑپنے لگتی۔ پھر باجی میرا

کندھا ہلاتی، شام ڈھل رہی ہے شمو، دو لقمے کم کھایا کرو، ایسی بھی کیا خماری۔" میں گھبرا کر اٹھ بیٹھتی، میرے جسم کے گرد لپٹا ہوا جالا ٹوٹ جاتا مگر غم کا وہ جالا نہ ٹوٹتا تھا جو گھر کی فضا پر چھایا ہوا تھا۔

خدا سب کا رازق ہے۔ کوئی نہ کوئی دھکا لگتا ہی رہتا اور زندگی کی گاڑی رواں رہتی۔ باجی نہ جانے کیا کیا جتن کرتی تب کہیں ہمیں دو وقت کے لئے روکھا پھیکا کھانا میسر آتا۔ کھانے کی مقدار اور معیار کے متعلق تو میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ شاید دوسرے بہن بھائیوں کو کچھ خواہش ہوتی ہو مگر کیا فائدہ! اندھیرے میں انسان آنکھیں ضرور پھاڑتا ہے مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ زیادہ نظر آنے لگتا ہے۔ صبر اور قناعت کی جو چادر ہم نے اوڑھ رکھی تھی، رشتہ دار اس کی تعریف ضرور کرتے مگر یہ احساس کسی کو نہ ہوتا کہ جو بے نصیب اس چادر کو تانے بیٹھے ہیں آنے والے کل کو ان کا کیا بنے گا؟ یہ کیا کریں گے؟ آہستہ آہستہ باجی کا قیمتی سامان بکتا جا رہا تھا۔ یہ قیمتی سامان یقیناً خوشحال دنوں کی نشانی ہوگا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ابتدا میں ہمارے حالات بہت خوشگوار ہوں گے۔ حالات آہستہ آہستہ بگڑے یا یک لخت پلٹا کھا گئے۔ میں نے کسی سے پوچھا نہیں، اور نہ کبھی مجھے ایسی باتیں کریدنے کا شوق ہے۔ مجھے تو وہی دن یاد ہیں جو خواب کی طرح دھندلے ہوتے ہیں اور جب ہم اس کمرے میں رہا کرتے تھے جس کی چھت...... لیکن یہ بات تو پہلے ہو چکی!

تربیت کا زمانہ ختم ہوا تو باجی کی پوسٹنگ گجرات ہو گئی۔ ہم سب اسی شہر میں چلے آئے۔ یاس کی دبیز چادر کہیں کہیں سے پھٹنے لگی، اور آس کی کرنیں راستہ بنانے لگیں۔ وقت کا ہاتھ بڑی آہستگی سے ان راستوں کو وسیع تر کرتا رہا۔ اک مہیب سی خاموشی جو ہمارے ذہنوں پر چھائے رہتی تھی، اس میں اب ہلکا ہلکا سا، مدھر مدھر سا ارتعاش پیدا ہونے لگا۔ زندگی کے بے رونق اور بے نور چہرے پر کچھ نکھار سا آ گیا۔ کئی سال بیت گئے اور وہ دن بھی آ گیا جب میں نے میٹرک کا امتحان پاس کر لیا۔ آپی تو پہلے ہی ایک مڈل سکول میں ٹیچر لگی ہوئی تھیں۔ کچھ سوچ بچار کے بعد میں نے نرسنگ کا کورس پاس کرنے کے لئے لاہور داخلہ لے لیا۔ زندگی کی راہیں قدرے پرکشش اور سہل نظر آنے لگیں۔ اتنے بہت سے سال گذر چکے تھے مگر ابا جان نے

کبھی بھولے سے بھی ہمیں خط نہ لکھا تھا البتہ بھیا کا کبھی کبھی خط آتا تھا۔ ابا جان اب کیا کیا کچھ سوچتے ہوں گے! مجھے ان سے قدرے ہمدردی تو ہے مگر ان کے لیے میرے دل میں پیار کا ہلکا سا جذبہ بھی نہیں ہے! دیکھتے ہی دیکھتے تربیت کی مدت گزر گئی۔ میں نے نرسنگ کا ڈپلوما لے لیا۔ قسمت نے یاوری کی اور مجھے ملازمت مل گئی۔ میری تمنا تھی کہ میں لیڈی ڈاکٹر بنتی، چلو نہ سہی یہی کیا کم ہے جو مل گیا۔ اب چھوٹی بہن اور بھائی کو سہارا دینا ہی زندگی کا مقصد ہے۔ سوچتی ہوں ہم کچھ نہ بن سکے تو وہ ہی بن جائیں! ہم نے تو سسک سسک کر وقت گزارا، انہیں تو ایسا احساس نہ ہو! ہم ابھی تک ایک مقام پر جمع نہیں ہو سکے۔ کوئی کسی شہر میں ہے اور کوئی کسی شہر میں، مگر شکر خدا ابھی وہ ممتا، وہ مرکزی طاقت قائم ہے جو ہم سب کو اپنی طرف کھینچے ہوئے ہے۔ طبیعت تو بچپن ہی سے حساس تھی، بے خیالی میں سوچتے رہنا عادت سی بن گئی ہے۔ ہوسٹل میں تنہائی کا احساس جب ڈستا ہے تو بے اختیار رونے کو جی چاہتا ہے۔ اپنوں کی یاد ستاتی ہے تو گھٹ کے رہ جاتی ہوں۔ آخر مجبوری ہے۔ اس شہر میں میری پھوپھی رہتی ہیں۔ کبھی کبھی چھٹی کے روز ان کے ہاں چلی جاتی ہوں اور دل کو بہلا لاتی ہوں۔ میری روم میٹ کے مہمان آتے ہیں تو دل سے اک ہوک سی اٹھتی ہے کہ کوئی میرا بھی تو آئے! اجنبی شہر میں اجنبی راہوں کو تکتے تکتے آنکھوں میں نمی سی آجاتی ہے! اور میں سوچنے لگتی ہوں سوچتی ہوں! ...... نہ جانے کیا، کیا...... اور کیوں'' زندگی رواں داں ہے۔ ان دیکھی منزلوں کی طرف اور ان جانے راستوں پر!! (۲۳)

❁❁❁❁❁

ایک سوال......ایک حقیقت......ایک چیلنج

اعداد کی طلسماتی دنیا

(تیسرا خط)

قارئین! بعض چیزیں اگر آپ کو شریعت سے متصادم محسوس ہوں تو پہلے تحقیق پھر عمل یہاں یہ علوم صرف علم کی حد تک بیان کیے گئے ہیں۔ (بندہ محمد طارق محمود چغتائی عفی عنہ)

یہ بات ہے غالباً سال......سوا سال پہلے کی......؟

امریکی قصر صدارت وہائٹ ہاؤس کے بارے میں مسٹر کیمپبل ہائل کا ایک مضمون زیر مطالعہ تھا۔ اس مضمون میں انہوں نے علم نجوم وعلم الاعداد کی روشنی میں قصر صدارت سے متعلق بعض اہم انکشافات کیے تھے لیکن......جس انداز میں مضمون کو تشنہ چھوڑ دیا گیا تھا وہ علم نجوم اور علم الاعداد کے طلبہ کے لیے صرف پریشانی کا باعث ہوسکتا تھا۔ رہا سوال محققین کا......تو مسٹر ہائل کے اس مضمون کو اپنی علمی استعداد کے مطابق آگے بڑھانے کے بعد اب تک میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں......وہی محققین و ماہرین علم نجوم کا جواب ہے یعنی

وہ آخر ایسا کیوں......؟

بعض غیر ملکی ماہرین علم النجوم سے خط وکتابت بھی ہوئی لیکن دلچسپ ترین جواب ایک برطانوی منجم خاتون مس سائمن کی طرف سے ملا اور وہ یہ تھا کہ...... "محترم! آپ مزید غور فرمائیے، میں بھی غور کر رہی ہوں۔"

علم الاعداد سے میری دلچسپی کی عمر قلیل ہے۔ اسی اعتبار سے دسترس محدود، لیکن وہ جو بال سفید کر چکے ہیں، پریشان وہ بھی ہیں۔ بہرکیف اس تمہید کا مقصد صرف اتنا تھا کہ میں آئندہ سطور سے آپ کے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات کے بارے میں پہلے ہی کچھ عرض کر دوں......کہ اگر آپ علم الاعداد پر عبور رکھتے ہیں یا اس کے طالب علم ہیں تو میرے ساتھ امریکی و برطانوی ماہرین کی الجھن دور کرنے کی سعی فرمائیے، اور اگر آپ صرف قاری ہیں تو اس کی دلچسپیوں میں کھو جائیے......

نفس مضمون سے قبل مجھے چند باتوں کی اجازت دیجئے تاکہ آپ اس تحریر سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہوسکیں۔

ا۔ علم الاعداد کو علم النجوم کی شاخ کہا جاسکتا ہے۔ تاہم علم الاعداد کے ذریعہ حساب ماہرین میں متنازع فیہ امر ہے۔ بعض ماہر اسے سیاروں کی گردش سے لگائے جانے والے حساب اتنا ثقہ خیال کرتے ہیں اور بعض اسے ''سو فیصد درست'' تسلیم کرنے پر تیار نہیں تاہم اسے بالکل غلط بھی نہیں سمجھا گیا۔ مشرق کی ابجد اور مغرب کی ''نیومرالوجی'' میں حروف کے اعداد کے اعتبار سے فرق ہے مگر اتنا ہی جتنا دونوں طریق سے زائچہ کشی کا فرق۔

۲۔ مشرق کے علم الاعداد میں کسی حرف کا بڑے سے بڑا عدد ۱،۰۰۰ (ایک ہزار) ہے مگر مغرب کے علم الاعداد میں صرف ۹۔ تاہم اگر ایک ہی چیز کا حساب دونوں طریق سے کیا جائے تو نتیجہ قریباً ایک ہی برآمد ہوتا ہے۔ میری ذاتی تحقیق کے مطابق نیومرالوجی نہ صرف نسبتاً آسان ہے بلکہ بہتر اور واضح نتائج کی حامل بھی۔

۳۔ عظیم محقق کیرو نے آج تک جو کچھ لکھا، کوئی بڑے سے بڑا ماہر نجوم یا ماہر علم الاعداد اس کی نفی نہیں کر سکا اس مضمون میں کیرو کا انداز ہی اپنا رہا ہوں۔

۴۔ نیومرالوجی میں اعداد ایک سے نو تک ہیں۔ ہر عدد مختلف خواص کا حامل ہوتا ہے۔ ہر فرد کو اس کے نام کے مجموعی اعداد سے پرکھا جاسکتا ہے اور اس کے کردار کی وضاحت کی جاسکتی ہے کیونکہ ہر فرد اسی عدد کے خواص کے تابع ہوتا ہے۔

۵۔ علم الاعداد میں صوتی اعتبار سے معروف نام پر یا نصف نام پر تکیہ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ایک صاحب کا نام اشرف حسین زیدی ہے، زیدی ذات ہے اسے خارج کر دیجئے۔ نام ہے اشرف حسین، انہیں اشرف کے نام سے پکارا جاتا ہے لہٰذا آپ اشرف کے نام سے بھی اعداد نکال کر کسی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔

علم الاعداد کی رو سے مشرق و مغرب متفق ہیں کہ عدد ۶ کے اپنے اور اس کے زیر اثر افراد کے خواص (مختصراً) یہ ہیں:

''یہ لوگ نیک طینت، محبت کرنے والے، ہنس مکھ، ملنسار اور نہایت پر امن ہوتے ہیں۔ یہ تاریکیوں میں روشنی پھیلاتے ہیں اخلاق کا درس دیتے ہیں، لوگوں کے دلوں میں فوراً گھر کر لیتے ہیں۔ کچھ روحانیت کی طرف دلکش اور پائے کے مبلغ بھی ہوتے ہیں۔ یہ بے ضرر لوگ ہیں جو صلح و آشتی کے پیامبر ہوتے ہیں......''

دینا بھر کے بیشتر مذہبی مبلغ، مصلح اور امن و آشتی کے علمبرداروں کے اسما بھی بلاشبہ اسی عدد ۶ کے زیر اثر ہیں۔ لیکن آج ہم جس تذبذب میں ہیں وہ بڑا دلچسپ بھی ہے اور بوکھلا دینے والا بھی۔ افسوس کہ ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ آج جو اہم مسئلہ درپیش ہے۔ وہ یہ ہے کہ بہت سے عالمی سیاست دانوں، مذہبی رہنماؤں اور ملکی و غیر ملکی معروف شخصیات کے قاتل بھی اسی عدد کے حامل ہیں، آخر کیوں؟

میں عرض کر چکا ہوں کہ میں نے ہمیشہ مغربی طریق کار کو اپنایا ہے اور حقائق سے قریب تر پایا ہے، لہٰذا اسی بنیاد پر عدد ۶ کے متضاد و برعکس خواص کا عملی نمونہ پیش کرتا ہوں۔ بلاشبہ اس طریق کار کے تحت مشرقی ناموں کے ہجے کرتے ہوئے دشواری پیش آتی ہے۔ مگر جب مختلف ہجوں سے عدد نکالا گیا تب بھی ۶ نکلا......تو لیجئے سب سے پہلا نمبر نوٹ کر لیجئے۔

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹
A	B	C	D	E	F	G	H	I
J	K	L	M	N	O	P	Q	R
S	T	U	V	W	X	Y	Z	

یعنی ہر عدد کے نیچے جو حرف آتا ہے وہ یکساں عدد کا حامل ہے۔

۱۸۶۵ء میں صدر امریکہ، ابراہم لنکن ایک شخص جان ولکس بوتھ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ اب قاتل کا عدد دیکھئے۔

JOHN WILKES BOOTH

۱٦۸۵ ۵۹۳۲۵۱ ۲٦٦۲۸

۲۰=۲ ۲۵=۷ ۲۴=٦

۲ + ۷ + ٦ = ۱۵

۵ + ۱ = ٦

۱۹٦۱ء میں صدر گارفیلڈ بھی قتل کر دیئے گئے، ان کے قاتل کا نام تھا:

CHARLES GUITEAU

۳۸۱۹۳۵۱ ۷۳۹۲۵۱۳

۴۰ = ۳۰ ۳۰ = ۳

۳ + ۳ = ٦

۱۹۰۱ میں صدر مکنلے کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، قاتل تھا۔

GZOLGOSZ

۳ ۸ ٦ ۳ ۷ ٦ ۱ ۸

۴ ۲ = ٦

۱۹۳۳ میں صدر روز ویلٹ پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا مگر ان کی جگہ شکاگو کا میئر مارا گیا حملہ آور کا نام تھا۔

JOZEPH ZANGARA

۱٦۱۵۷۸ ۸۱۵۷۱۹۱

۲۸ = ۱۰ ۳۲ = ۵

۱ + ۵ = ٦

۱۹۵۰ میں صدر ٹرومین پر قاتلانہ حملہ کیا گیا، ان کی جگہ ان کا ایک محافظ مارا گیا، حملہ آوروں کا سرغنہ تھا۔

TORRESOLA

۲ ٦ ۹ ۹ ۵ ۱ ٦ ۳ ۱

۴۲ = ٦

صدر جان ایف کینیڈی کا قاتل بھی اسی عدد چھ سے ہے۔

LEE OSWALD

۳ ۵ ۵ ٦ ۱ ۵ ۱ ۳ ۴

۱۳ ۲۰

۴ + ۲ = ٦

اب میں اس کا ثبوت آپ کے ہی گھر میں دوں گا۔ مثلاً ڈاکٹر خان صاحب کا قاتل۔

ATTA MOHAMMAD

۱ ۲ ۲ ۱ ۴ ٦ ۸ ۱ ۴ ۴ ۴ ۵ ۴

٦ ۹

٦ + ۹ = ۱۵

۵ + ۱ = ٦

میں نے عرض کیا تھا کہ آپ معروف نام کے اعداد بھی لے سکتے ہیں اس اعتبار سے صرف عطا کے عدد بھی ٦ نکلتے ہیں۔

SAID AKBAR

۱ ۱ ۹ ۴ ۱ ۲ ۲ ۱ ۹

۱۵ = ٦ ۱۵ = ٦

میں ایک وضاحت کر دوں کہ اگر نام عطا محمد تھا تو اسے ہمیشہ عطا پکارا گیا یا عطا محمد۔ صرف محمد کے نام سے نہیں۔ لہٰذا معروف نام عطا ہوا یا عطا محمد......اسی طرح سید اکبر کو سید...... یا اکبر دونوں ناموں سے الگ الگ یا اکٹھا پکارا جاتا رہا کیونکہ سید اور اکبر دونوں

معروف ناموں میں آتے ہیں اس لیے دونوں کے عدد چھ چھ نکلتے ہیں۔ ویسے اگر آپ ہجے یوں کر لیں۔

SED

۱۱۴

۶

تب بھی عدد چھ ہی آتا ہے۔

اب لیجئے ہمسایہ ممالک، وزیر اعظم ایران حسن منصور کا سولہ سالہ قاتل:

MOHAMMAD BOKHARI

۴۶۸۱۴۱۴ ۲۶۲۸۱۹۹

۳۲ ۳۷

۳ + ۲ = ۵ ۳ + ۷ = ۱۰ = ۱

۵ + ۱ = ۶

بھارت کی طرف آیئے۔ مسٹر گاندھی کا قاتل تھا ناتھورا گاڑ سے۔ اس کی ذات گاڑ سے شامل کیجئے یا خارج کر دیجئے عدد وہی ۶

NATHU RAM GADSE

۵۱۲۸۳ ۹۱۴ ۷۱۴۱۵

۱۹ ۱۴ ۱۸

۱ + ۹ = ۱۰ ۱ + ۴ = ۵ ۱ + ۸ = ۹

۱ + ۵ + ۹ = ۱۵

۵ + ۱ = ۶

اگر آپ دلچسپی لیں تو میں کچھ مذہبی شخصیات کے قاتلوں کو بھی شامل کر لوں، مثلاً ابن ملجم......

IBNE MULJIM

۹۲۵۵ ۴۳۳۷۹۴

۲۱ ۳۰

۲ + ۱ = ۳ ۳۰ = ۳

۳ + ۳ = ۶

یزید جس پر قتل کی اتنی ہی ذمہ داری ہے جتنی ایک قاتل پر۔

YAZID

۷۵۸۹۴

۳۳

۳ + ۳ = ۶

لیجئے...... یہاں تک تو معاملہ تھا علم الاعداد میں عدد ۶ کا...... لیکن معروف محقق نجوم مسٹر ڈگلس ہنٹ ایم اے اور عالمی شہرت یافتہ مسٹر ایڈورڈ وہٹمین کی تحریروں کے دلچسپ پہلو بھی پیش خدمت ہیں...... مسٹر ایڈورڈ وہٹمین نے صدر امریکہ مسٹر کینیڈی کے قتل کی پیشگوئی کوئی سال بھر قبل کر دی تھی۔ وہ کہتے ہیں۔

۱۸۶۵ء میں صدر ابراہم لنکن قتل ہوئے اور جب ایک صدی گزری تو مسٹر کینیڈی قتل کر دیئے گئے اور لنکن اور کینیڈی کے بعد ہونے والے دونوں صدر ہم نام تھے۔ یعنی جانسن۔"

"صدر ابراہم لنکن اور صدر کینیڈی دونوں ہی ۶۰ (۶۰-۶ کے برابر ہے) میں منتخب ہوئے یعنی ۱۸۶۰ اور ۱۹۶۰ اور ۱۹۶۰ میں دونوں جمعہ کے روز قتل کئے گئے، دونوں کے جانشین جانسن ہوئے...... مزید یہ کہ دونوں کے قاتل عدد چھ سے تعلق رکھتے ہیں۔ دونوں قاتل سزا پانے یا عدالت تک پہنچنے سے قبل ہی قتل کر دیئے گئے۔

صدر لنکن اور صدر کینیڈی دونوں کے ناموں کے عدد ۷ تھے۔

دونوں صدر کے جانشین (جانسنز) کے حروف بھی ۷ ہیں۔

مسٹر ہنٹ نے آخر میں لکھا ہے:

''میں نے علم الاعداد کو اس درجہ درست اور حیرت انگیز کبھی نہ پایا تھا۔اسی لئے میں علم الاعداد کے مقابلے میں علم النجوم سے زیادہ متاثر تھا۔لیکن اب میرے پاس کوئی جواب نہیں۔''

اور پرامن عدد ٦ کے ''قاتل خواص'' کے بارے میں ابھی تک مسٹر ہنٹ یہی کہہ پائے ہیں۔

''میں شدید الجھن میں ہوں۔میرے پاس اس کا بھی کوئی جواب نہیں ہے۔''

بلاشبہ اس ٦ کے ''تضاد'' کو میں نے آگے بڑھایا لیکن حقیقت پوچھئے تو جواب میرے پاس بھی نہیں ہے کہ

٦ کا پرامن ہندسہ آمادۂ پیکار کیوں ہے؟

سورج خنک کیوں ہے؟

قمر شعلہ فشانی کیوں کر رہا ہے؟

٦ سے متعلق سیارہ وینس......امن کا دیوتا، محبت کا پیامبر......زہر میں بجھے تیر کیوں برسا رہا ہے۔

ممکن ہے کبھی اس کا درست اور تسلی بخش جواب مل سکے۔بہرکیف ہر صاحب علم کو دعوت ہے کہ وہ اس الجھن کو دور کرنے کی سعی کرے، کہا تو صرف یہی جاسکتا ہے کہ۔(۲۴)

خدا کی باتیں خدا ہی جانیں

۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹

اپنی قسمت کے مختلف اعداد معلوم کریں پھران کے خواص دیکھیں اس سوال کا جواب مل جائے گا۔

جاپانی علم الاعداد سالنامہ سیارہ ڈائجسٹ ۱۹۶۷ء میں ہم نے اسی عنوان کے تحت برطانیہ کے شہرآفاق منجم، دست شناس اور ماہر علم الاعداد کاؤنٹ کیرو کی انگریزی کتاب Book of Numbers کا ملخص پیش کر کے اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی تھی اور بتایا تھا کہ اعداد فی الواقع انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس مضمون میں ہم پھر اسی سوال کا جواب دے رہے ہیں لیکن اس دفعہ کاؤنٹ کیرو کے بجائے جاپانی ماہر علم الاعداد فوسایوشی تکاگی کی تصنیف ''جاپانی علم الاعداد'' کا خلاصہ پیش کرر ہے ہیں۔

فوسایوشی تکاگی کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے جاپانی علم الاعداد کا طریقہ ایجاد کرنے کے لئے پورے اٹھارہ برس محنت کی ہے اور ۳۰،۰۰۰ سے زیادہ لوگوں کے اعداد کا مطالعہ کر کے نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ انسان کی قسمت پر دو قسم کے اعداد اثر انداز ہوتے ہیں۔ خود اختیاری اور غیر اختیاری، اور جاپانی علم الاعداد کی رو سے دونوں قسم کے اعداد معلوم کر کے قسمت کا حال بتایا جاسکتا ہے۔

جاپانی علم الاعداد میں تاریخ پیدائش کی اہمیت پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اس لیے جو شخص اس علم سے کما حقہ فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اسے اپنی صحیح تاریخ پیدائش معلوم ہو۔ کیونکہ صحیح تاریخ پیدائش کے بغیر آپ اپنی قسمت کا حال معلوم نہ کر سکیں گے۔

برطانوی منجم کیرو کی طرح فوسایوسی تکاگی نے بھی یہی لکھا ہے کہ اعداد ۱ سے لے کر ۹ تک ہیں۔ ۱۰ کا عدد پھر ۱ کی تکرار ہے۔ صفر کوئی عدد نہیں ہے۔ اس لیے اگر کسی کا عدد ۹ سے زیادہ مثلاً ۱۱۔ ۲۲۔ ۲۶ یا ۳۱ وغیرہ آئے تو جاپانی علم الاعداد کی رو سے اسے ۲۔ ۴۔ ۸ اور ۴ شمار

کریں گے یعنی ہر عدد کا حاصل جمع معلوم کر کے اسے مفرد عدد میں تبدیل کر لیں گے جو بہر حال ۹ سے زیادہ نہیں آئے گا۔

عدد اصول کا خاکہ: جاپانی علم الاعداد میں پیدائش کی تاریخ، دن مہینے اور سال کے اعداد کو مفرد عدد میں تبدیل کر لیا جاتا ہے۔

اعداد دو قسم کے ہیں۔

(۱) طاق......۱۔۳۔۵۔۷ اور ۹۔ انہیں مثبت اعداد بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا نمائندہ ۱ ہے۔

(۲) جفت......۲۔۴۔۶۔۸۔ انہیں منفی اعداد بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا نمائندہ ۲ ہے۔

طاق یا مثبت اور جفت یا منفی اعداد معانی کے لحاظ سے ایک دوسرے کے یکسر مخالف ہیں مثلاً۔

طاق یا مثبت اعداد	جفت یا منفی اعداد
(۱۔۳۔۵۔۷۔۹)	(۲۔۴۔۶۔۸)
آسمان	زمین
روحانی	مادی
مابعد الطبیعاتی	طبیعاتی
آگے	پیچھے
فعال	جامد
متحرک	ساکن
باہر	اندر
اوپر	نیچے
شریف	رذیل

زندگی کا عدد: جاپانی علم الاعداد کے قواعد کو سمجھنے اور ان پر حاوی ہونے سے پہلے پہل مشکل کا سامنا ہوگا لیکن مشق سے یہ مشکل خود بخود دور ہو جائے گی پہلے زندگی کے عدد پر بحث کی جاتی ہے۔

زندگی کا عدد ایسا مفرد عدد ہے جو ایک شخص کی قسمت اور شخصیت پر دلالت کرتا ہے۔ یہ عدد کس طرح معلوم کیا جائے؟ اس کا طریقہ یہ ہے کہ پیدائش کے دن، مہینے اور سال کے اعداد کو جمع کر لیا جائے۔ مثال کے طور پر محمد اقبال خان ۱۱ دسمبر ۱۹۴۵ء کو پیدا ہوا تھا۔ اس کی زندگی کا عدد یوں معلوم کیا جائے گا۔

سال: ۱۹۴۵ء = ۱+۹+۴+۵ =۱۹

= ۱ + ۹ = ۱۰ = ۱

تاریخ پیدائش: ۱۱ = ۱ + ۱ = ۲

مہینہ: (دسمبر) ۱۲ = ۱ + ۲ = ۳

تاریخ پیدائش اور مہینے کے اعداد یعنی ۲ اور ۳ کو جمع کریں تو حاصل جمع ۵ آیا۔ اس عدد کو جاپانی مین گینسو (بنیادی عدد) کہتے ہیں۔

گینسو کو سال کے عدد (۱) میں جمع کریں۔ یعنی ۵+۱ = ۶، ۶ کا یہ عدد محمد اقبال خان کی زندگی کا عدد ہے۔ اسے جاپانی میں میسو کہتے ہیں۔ اسی طریقے کے مطابق اپنا یا اپنے کسی رشتے دار اور دوست کا عدد معلوم کر لیں۔

یہاں ہم یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر کسی شخص کی پیدائش کے دن مہینے اور سال کے اعداد میں صفر (۰) ہو تو اس صفر کو حذف کر دینا چاہئے۔ مثلاً ۱۰، ۳۰، ۱۰۰ کو۔ ا۔ ۳ اور ا شمار کیا جائے۔

زندگی کے عدد (میسو) کی کیا اہمیت ہے؟ اس کے لیے ذیل میں ا سے ۹ تک کے اعداد کی خصوصیات ملاحظہ کریں۔

خوبیاں: جن اشخاص کا میسو (زندگی کا عدد) ا ہوتا ہے وہ خود مختار ہوتے ہیں۔ اور ہر میدان اور معاشرے میں اپنی پسند کا کام کرنے میں کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ ان کے عقائد بڑے مضبوط ہوتے ہیں اور وہ دوسروں پر حکم چلانے اور غالب آنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ وہ از حد جاہ طلب ہوتے ہیں اور مل جل کر کام کرنا پسند نہیں کرتے۔ عام طور پر معقولیت پسند ہوتے ہیں اس لئے نئے اور انوکھی قسم کے منصوبوں کو پسند کرتے ہیں۔

نقائص: چونکہ ان کا رجحان حکم چلانے اور دوسروں کی سرگرمیوں میں حائل ہونے کی طرف ہوتا ہے اس لیے لوگ انہیں نکتہ چین سمجھتے ہیں۔ ان میں سے بعض بڑے حریص، خود پسند، تنہائی پسند اور تیز مزاج ہوتے ہیں۔ ان کا رویہ اپنے ماتحتوں، بیویوں اور بچوں کے لئے بڑا سخت ہوتا ہے وہ اپنی قابلیت کے متعلق شیخی بگھارتے ہیں اور خوشامد پسند ہوتے ہیں۔

نقائص: اس عدد والے لوگوں کو چاہئے کہ اپنے نقائص پر نگاہ رکھیں اور دوسروں سے [illegible] اور ہمدردی سے پیش آئیں۔

[illegible]یں: [illegible]ن اشخاص کا میسو (زندگی کا عدد) ۲ ہوتا ہے۔ وہ فطرتاً اطاعت شعار ہوتے ہیں اور دوسروں کی خدمت کر کے خوش ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ ایسے کاموں کے لیے از حد موزوں ہوتے ہیں جن میں باہمی تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان میں سے اکثر بڑے ملنسار ہوتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے میں مسرت محسوس کرتے ہیں۔ وہ کسی کام میں پہل نہیں کرتے لیکن اپنی ذاتی کوششوں اور اپنے افسروں کی مدد سے کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ وہ دوسروں کے ذاتی معاملات میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں وہ ٹوہ لگانے کے لئے نہیں بلکہ ان کی مدد کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ وہ بڑے خوش اخلاق اور خندہ جبیں ہوتے ہیں۔

نقائص: وہ ہمدرد ہوتے ہیں۔ اکثر اوقات اپنے مستقبل کے متعلق حد سے زیادہ حساس ہو جاتے ہیں۔ وہ ذرا سی کوشش اور کامیابی سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اس لئے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دینے کے قابل نہیں ہوتے۔ اکثر دوسروں پر بہت زیادہ

اعتماد کرتے ہیں اور مستقل مزاجی سے عاری ہوتے ہیں جلد باز ہوتے ہیں۔

خوبیاں: جن اشخاص کا میسو (زندگی کا عدد) ۳ ہوتا ہے۔ وہ اپنے کاموں اور مسائل کے بارے میں وہمی نہیں ہوتے۔ اس لئے انہیں بڑا زندہ دل اور رجائیت پسند سمجھا جاتا ہے۔ وہ خوشگوار ماحول میں رہنا پسند کرتے ہیں اور لوگوں سے تعلقات قائم کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ وہ بڑے ملنسار اور گفتگو کرنے کے شوقین ہوتے ہیں۔ ان میں بعض بڑے اچھے مقرر ثابت ہوتے ہیں۔ بعض میں فنکارانہ صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ اور ان کے چہرے کا اتار چڑھاؤ ان کی گفتگو کو مؤثر بناتا ہے۔ چونکہ وہ وہمی نہیں ہوتے اس لئے وہ شادی یا عشق و محبت میں ناکام رہنے سے بددل نہیں ہوتے۔ ان میں سے اکثریت کی کاروباری اور مالی حیثیت اچھی ہوتی ہے۔

نقائص: وہ مستقل مزاج نہیں ہوتے انہیں چاہیے کہ وہ تمام معاملات پر اچھی طرح غور و فکر کیا کریں اور صبر و استقلال کا ثبوت دیں۔

خوبیاں: جن اشخاص کا میسو (زندگی کا عدد) ۴ ہوتا ہے وہ مادی لحاظ سے خوش قسمت ہوتے ہیں۔ فطرتاً از حد حقیقت پسند ہوتے ہیں اور مسلسل ذاتی کوششوں کی بدولت کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف اطاعت پسند ہوتے ہیں بلکہ اپنے بڑوں کے وفادار بھی ہوتے ہیں۔ انہیں اپنے خاندان، گھریلو زندگی اور مادر وطن سے از حد محبت ہوتی ہے۔ وہ اپنے فرائض بڑی ذمے داری سے سرانجام دیتے ہیں اور جو کام انہیں کرنا ہوتا ہے بڑی وفاداری سے کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔

نقائص: وہ عام طور پر قدامت پسند ہوتے ہیں اس لیے وہ رسم و رواج کے سختی سے پابند ہوتے ہیں۔ اور عزت و وقار بحال رکھنے میں فرسودہ رجحانات کا اظہار کرتے ہیں۔ متعصب عقائد رکھتے ہیں، اس لئے اکھڑ ہوتے ہیں، شکی مزاج ہوتے ہیں اس لیے لوگوں سے تعلقات قائم کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

خوبیاں: جن اشخاص کا میسو (زندگی کا عدد) ۵ ہوتا ہے، وہ پابندی اور باقاعدگی سے نفرت کرتے ہیں۔ اور ہر وقت تبدیلیوں کے خواہشمند رہتے ہیں۔ عالی حوصلہ اور بلند

ہمت ہوتے ہیں۔ بڑے فہیم، ترقی پسند، متلون مزاج اور جذباتی ہوتے ہیں۔ انوکھی اور نرالی چیزوں کے شوقین ہوتے ہیں۔ ان کا طریق کار غیر معمولی ہوتا ہے اور اپنے کام میں غیر متوقع مدد حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اپنی آزادروی اور جدت پسندی کی وجہ سے وہ دفتری کام کے بجائے دوسرے کاموں کے لئے موزوں ہوتے ہیں۔ سیاست اور حریت پسندی کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ بڑے مصلحت بین، شاطر، ہوشیار اور بے تکلف ہوتے ہیں۔ ذمہ داریوں اور پابندیوں سے بھاگتے ہیں۔ کم وبیش لالچی ہوتے ہیں۔

نقائص: وہ نئے نئے کام کرنے کا رجحان رکھتے ہیں لیکن جلد ہی ان میں دلچسپی لینا ترک کر دیتے ہیں۔ ان کی عادتیں بڑی فضول ہوتی ہیں۔ ان کا پیشہ، گھر کا پتہ، ازدواجی حیثیت مسلسل تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ عام طور پر ان کی زندگی غیر مطمئن ہوتی ہے۔ وہ روزمرہ کے مقررہ کاموں میں بے صبر ہوتے ہیں اور پابندی سے بھاگتے ہیں۔

خوبیاں: جن اشخاص کا میسو (زندگی کا عدد) ۶ ہوتا ہے، وہ بڑے ذمہ دار قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اور دوسروں سے بڑے خوشگوار اور ہم آہنگ تعلقات قائم کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ اکثر شریف ہوتے ہیں اور بڑی ذمہ دارانہ حیثیت اختیار کرتے ہیں۔ وہ صلح جو اور امن پسند ہوتے ہیں۔ جھگڑوں اور تنازعوں سے گریز کرتے ہیں۔ روایات کے پابند اور قدامت پسندانہ رسم و رواج کے گرویدہ ہوتے ہیں بڑے ہمدرد ہوتے ہیں اور اچھے مشیر ثابت ہوتے ہیں۔ ان میں ثالث بننے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

نقائص: وہ اپنے رشتے داروں اور دوستوں کی ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے کندھو پر اٹھا لینے کا رجحان رکھتے ہیں اور حاشیہ برداروں اور خوشامدیوں کے دھوکے میں آجاتے ہیں۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے از حد پریشان ہو جاتے ہیں وہ خیالات میں غرق رہنے کے عادی ہوتے ہیں اور کسی شخص کی اندھی محبت میں گرفتار ہو جانے پر مائل ہوتے ہیں۔

خوبیاں: جن اشخاص کا میسو (زندگی کا عدد) ۷ ہوتا ہے، وہ بڑے زیرک اور منطقی ہوتے ہیں اور فرسودہ کاروباری سرگرمیوں کے بجائے سائنسی اور فنی تحقیق میں مشغول رہنا پسند کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ نئے علم کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ان میں ہر مسئلے کے ضروری گوشوں کو تیزی سے معلوم کرنے کی اہلیت ہوتی ہے اور ان کے متعلق جلد تحقیق کرنے لگتے ہیں۔

نقائص: وہ بہت جلد اداس اور ملول ہو جاتے ہیں۔ لوگوں سے کم ملتے جلتے ہیں۔ لوگ انہیں مخبوط الحواس سمجھنے لگتے ہیں۔ وہ شکی، زود حس اور بے اعتنا قسم کے ہوتے ہیں۔ عام طور پر ان کی اپنے رشتے داروں سے نہیں بنتی۔

خوبیاں: جن اشخاص کا میسو (زندگی کا عدد) ۸ ہوتا ہے وہ از حد مادہ پرست ہوتے ہیں اور کاروبار میں کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ وہ کاروبار کی جزئیات سے آگاہ ہوتے ہیں۔ اگر وہ جمع کردہ سرمایے پر کڑی نگرانی رکھیں تو وہ از حد کامیاب ثابت ہوتے ہیں۔ وہ مادی کامیابی حاصل کرنے کے مشتاق ہوتے ہیں اور ان میں اس کی صلاحیت ہوتی ہے وہ بڑے فراخ دل اور عملی فیصلے کرنے کے اہل ہوتے ہیں چونکہ وہ باعمل ہوتے ہیں اس لیے...... ان میں قیادت کی قابلیت موجود ہوتی ہے۔

نقائص: ان میں لاف زنی کا رجحان پایا جاتا ہے اس لیے حد سے زیادہ پر جوش ہوتے ہیں۔ ان میں بعض زر پرست اور فضول خرچ بھی ہوتے ہیں۔

خوبیاں: جن اشخاص کا میسو (زندگی کا عدد) ۹ ہوتا ہے وہ ایسے کاموں کے لیے موزوں ہوتے ہیں جن کے لیے وجدان کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے ان کے لیے لازمی ہے کہ وہ کوئی ایسا ذریعہ معاش اختیار کریں جس میں اپنے خیالات اور محسوسات کا اظہار کر سکیں۔ وہ عام طور پر دوسرے لوگوں اور معاشرے کی فلاح و بہبود میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کا رویہ ہمدردانہ ہوتا ہے وہ ہر معاملے کی صحیح اور موزوں تاویل کرتے ہیں۔ اس لیے ان میں بعض ایک فنکار کی حیثیت سے بڑے کامیاب ہوتے ہیں۔ وہ بڑے زیرک اور وجدانی کیفیت کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کا نقطہ نگاہ بڑا وسیع ہوتا ہے۔ وہ انتہا پسند ہوتے ہیں یا تو اپنی خارجی وجاہت کی جزئیات تک پر توجہ دیتے ہیں یا اپنے لباس تک کی پرواہ نہیں کرتے۔

ان میں سے اکثر کی روزمرہ کی زندگی بے قاعدہ ہوتی ہے۔ وہ بڑے جذباتی اور منفرد کردار کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ بے شمار باتوں میں دلچسپی لیتے ہیں۔ ان کا گھریلو پتہ اور ازدواجی مرتبہ بار بار تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ ان میں بعض اپنی خلوت پسندی کی

بدولت اپنے بہن بھائیوں سے بے تعلق رہتے ہیں۔

آپ پر واضح ہو گیا ہوگا کہ متذکرہ بالا طریقہ سے اپنا میسو (زندگی کا عدد) نکال کر اور اس عدد کی خوبیاں اور نقائص پڑھ کر آپ اپنی جبلت اور فطرت سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔

آپ اگر زیادہ تفصیلات کے خواہشمند ہیں تو اس کے لیے میسو کا ایک اور طریقہ بتایا جاتا ہے۔آپ نے میسو (زندگی کے عدد) میں اپنی تاریخ پیدائش کے مفرد عدد کو جمع کریں۔ حاصل جمع میں جو مفرد عدد آئے اس کی خوبیاں اور نقائص معلوم کریں۔اس طرح آپکے پاس دو میسو (زندگی کے عدد) ہو جائیں گے۔اور آپ اپنی جبلت کے متعلق مزید معلومات حاصل کرلیں گے۔

مہینہ: یاد رہے کہ جو اشخاص کسی مہینے کی ۹۔۱۸ یا ۲۷ تاریخ کو پیدا ہوئے ہوں وہ اس طریقے پر عمل نہ کریں۔ان کے لیے ایک میسو (زندگی کا عدد) کافی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنی تاریخ پیدائش کے مفرد عدد (۹) کو پہلے میسو میں جمع کریں گے تو حاصل جمع وہی آئے گا جو پہلے میسو کا آیا تھا۔مثلاً جلال انور کی تاریخ پیدائش ۹ نومبر ۱۹۶۷ء ہے۔ پہلے طریقے کے مطابق اس کا میسو یوں معلوم کریں گے۔

سال ۱۹۶۷ء = ۱+۹+۶+۷ = ۲۳ = ۵

تاریخ پیدائش ۹ = ۹

مہینہ (نومبر) ۱۱ = ۱+۱ = ۲

تاریخ میں مہینہ = ۹+۲ = ۱۱ =۲

میسو: $\frac{\text{سال}}{۵} + \frac{\text{تاریخ پیدائش و مہینہ}}{۲} = ۷$

اب اگر اس میسو (۷) میں دوسرے طریقے کے مطابق تاریخ پیدائش کا عدد یعنی ۹ پھر جمع کریں تو حاصل جمع ۱۶ (مفرد عدد ۷) ہی آئے گا۔

.... مشرقی اور مغربی ممالک کے منجم اس بات پر متفق ہیں کہ کسی شخص کی

قسمت کا حال بتانے کے لئے اس کی تاریخ پیدائش بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ لیکن جاپانی علم الاعداد میں تاریخ پیدائش کی اہمیت علم نجوم سے بھی زیادہ ہے کیونکہ اس کی بنیاد تاریخ پیدائش پر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص کے کردار کا اثر زندگی بھر اس پر رہتا ہے اور کسی شخص کے کردار کا علم تاریخ پیدائش کا عدد معلوم کرنے سے ہوسکتا ہے۔

ذیل میں مہینے کی یکم سے اکتیس تاریخ کی خصوصیات دی جاتی ہیں۔ آپ اپنی تاریخ پیدائش کے عدد کی خصوصیات کو اپنے میسو (زندگی کے عدد) کی خصوصیات کے ساتھ ملا کر دیکھیں۔ آپ کو پتہ چل جائے گا کہ آپ کی آئندہ زندگی کیسی گزرے گی۔

یکم: جو لوگ کسی مہینے کی یکم تاریخ کو پیدا ہوں، ان کی قوت ارادی بڑی مضبوط ہوتی ہے اور وہ خود مختار ہوتے ہیں۔ بڑے باعمل ہوتے ہیں لیکن بعض باتوں میں تصور کی دنیا میں رہتے ہیں وہ معاملات کو خیالات کی رو میں بہہ کر نہیں بلکہ معقولیت سے سنبھالتے ہیں وہ ہر کام کرنے کے مشتاق ہوتے ہیں لیکن ان کا اشتیاق خارجی طور پر ظاہر نہیں ہوتا وہ عام طور پر ایجادات اور نئی نئی باتوں کے گرویدہ ہوتے ہیں اور ان میں تخلیقی قوت ہوتی ہے۔ وہ ضدی، حریص اور مرضی کے مالک ہوتے ہیں۔

۲۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۲ تاریخ کو پیدا ہوں۔ وہ مضطرب اور شکی مزاج ہوتے ہیں۔ بڑے ملنسار ہوتے ہیں۔ ان کے احباب انہیں محبوب رکھتے ہیں۔ بڑے ہمدرد ہوتے ہیں اور ظلم و جور اور غم کا مقابلہ نہیں کر سکتے ان کے جذبات و احساسات شریفانہ ہوتے ہیں۔ وہ شاعر، موسیقار وغیرہ بننے کے اہل ہوتے ہیں۔

۳۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۳ تاریخ کو پیدا ہوں وہ بڑے زندہ دل ہوتے ہیں وہ ہمیشہ کسی نہ کسی کام میں مصروف دکھائی دیتے ہیں اور مختلف قسم کی باتوں میں دلچسپی لیتے ہیں۔ وہ اپنے خیالات کو یکا یک تبدیل کر دیتے ہیں۔ ان کا تخیل بلند ہوتا ہے۔ بڑے ملنسار ہوتے ہیں اور لوگوں سے بڑی اچھی طرح گھل مل جاتے ہیں۔ لوگ اکثر ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ گفتگو کرنے کے ماہر ہوتے ہیں۔

۴۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۴ تاریخ کو پیدا ہوں، ان میں سے اکثر ثابت قدم اور باسلیقہ ہوتے ہیں۔ قدامت پسند ہوتے ہیں۔ انہیں اپنے گھر اور خاندان سے محبت ہوتی ہے لیکن وہ زندگی یا کم تند مزاج ہوتے ہیں ان میں ایک بری عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی عادات کو دوسروں پر ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سارا سال محنت سے کام کرتے ہیں اور اپنی زندگی سستی کاہلی میں نہیں گزارتے۔

۵۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۵ تاریخ کو پیدا ہوں۔ ان کی خصوصیات پسندیدہ ہوتی ہیں۔ وہ ذرا تلون مزاج ہوتے ہیں اور بیکار بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔ جب وہ اپنی پسند کا کام کریں تو ضرورت سے زیادہ کوشش کرتے ہیں۔ اکثر ملنسار ہوتے ہیں۔ چونکہ لوگوں کے ساتھ تعلقات بڑھانے کے قابل ہوتے ہیں۔ اس لیے بیشتر لوگ ان کے دوست بن جاتے ہیں۔ اس تاریخ کو پیدا ہونے والے مردوں کو عورتوں کے ہاتھوں اکثر تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۶۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۶ تاریخ کو پیدا ہوں، وہ دیکھنے میں بڑے حلیم الطبع معلوم ہوتے ہیں لیکن دراصل بڑے مضبوط کردار کے مالک ہوتے ہیں۔ بڑے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ معاشرے کے چھوٹے سے دائرے میں رہتے ہیں لیکن ان کی دوستیاں بڑی پرخلوص ہوتی ہیں۔ اپنے خاندان سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ جذباتی ہوتے ہیں لیکن جذبات پر قابو رکھتے ہیں۔ غصے میں کبھی کبھار آتے ہیں لیکن جب آتے ہیں تو اسے ٹھنڈا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان میں لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے اور لوگ ان کی عزت کرتے ہیں مالی لحاظ سے خوش قسمت ہوتے ہیں۔ بچوں سے پیار کرتے ہیں لیکن خود اپنی اولاد سے انہیں مسرت حاصل نہیں ہوتی۔

۷۔ جو لوگ مہینے کی ۷ تاریخ کو پیدا ہوں۔ ان کی شخصیت بڑی مضبوط اور دماغ بڑا تیز ہوتا ہے۔ ہر بات کو منطق پر تولتے ہیں اور اپنا مقصد حاصل کرتے ہیں۔ ضدی ہوتے ہیں اور دوسروں کی رائے کی پرواہ نہیں کرتے جذباتی ہوتے ہیں لیکن روپے پیسے کے

معاملات میں بڑے ہوشیار ہوتے ہیں وہ سفر کے بڑے شوقین ہوتے ہیں۔ بے پرواہ ہوتے ہیں اور مادی مماثلت کی پرواہ نہیں کرتے۔

۸۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۸ تاریخ کو پیدا ہوں ان کا رجحان مادی سے زیادہ روحانی معاملات کی طرف ہوتا ہے وہ ثابت قدم ہوتے ہیں اور ان میں اپنے ارادوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ وہ کفایت شعاری اور روپے پیسے کے انتظام میں ماہر ہوتے ہیں اس لیے ان میں سے بیشتر مالی کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ ان میں کسی چیز کو تخلیق کرنے اور لوگوں پر اقتدار حاصل کرنے کا جوہر ہوتا ہے اس لیے وہ لوگوں اور گھر والوں کو مجبور کرتے ہیں کہ ان کی بات مانی جائے۔ انفرادیت پسند ہوتے ہیں، ان کی روزمرہ کی زندگی کے متعلق لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان کا کردار مضبوط ہوتا ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتے ہیں لیکن وہ اسے ظاہر نہیں کرتے وہ کمزوروں اور مظلوموں کی حمایت کرتے ہیں اور ان سے ہمدردانہ سلوک روا رکھتے ہیں۔

۹۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۹ تاریخ کو پیدا ہوں۔ وہ جذباتی لیکن مضبوط قوت ارادی کے مالک ہوتے ہیں۔ بعض بڑے تیز مزاج ہوتے ہیں کیونکہ وہ خود مختار اور مضبوط عزم کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ دوسروں پر حکم چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض دفعہ بے احتیاطی سے کام لیتے ہیں ان میں سے اکثر اس قابل نہیں ہوتے کہ اپنے والدین، بھائیوں، بہنوں اور دیگر رشتے داروں کے ساتھ جھگڑا مول لینے سے بچ سکیں۔

۱۰۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۱۰ تاریخ کو پیدا ہوں ان کا دل پرمسرت اور قوت ارادی مضبوط ہوتی ہے۔ اکثریت کی صحت بڑی عمدہ ہوتی ہے ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ روحانی جسمانی بیماری اور عارضے سے جلد صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ بیشتر ایسے ہوتے ہیں جن میں تخلیقی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ وہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں لیکن دوسرے ان کی مدد نہیں کرتے۔ گو لوگ ان سے مہربانی سے پیش آتے ہیں لیکن خود اپنے رشتے داروں کے معاملے میں صورت حال برعکس ہوتی ہے۔

ہیں۔ بڑے پریشان رہتے ہیں اور روحانی کمزوری کی وجہ سے آسانی سے جوش میں آجاتے ہیں۔ اکثر از حد جذباتی ہو جاتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر مغموم ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بددل ہو جاتے ہیں اور مستقبل کے متعلق اپنی خواہشات اور امیدوں کو تبدیل کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو چاہئے کہ اپنی ان کمزوریوں پر قابو پانے اور اپنی شخصیت کو مضبوط بنانے کی کوشش کریں۔

۱۲۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۱۲ تاریخ کو پیدا ہوں۔ وہ باعمل ہوتے ہیں۔ ان کا دماغ متوازن ہوتا ہے۔ لوگوں کے ساتھ ان کے تعلقات اصولی طور پر ہموار اور ہم آہنگ رہتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی وہ وہمی ہوتے ہیں اور اپنی اس بے اصولی کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ بڑی جلدی معمولی سی معمولی بات معلوم کر لیتے ہیں۔ عام طور پر ان کے خیالات بلند ہوتے ہیں اور اکثر میں فنکارانہ صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں بعض بڑے اچھے مقرر ہوتے ہیں۔

۱۳۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۱۳ تاریخ کو پیدا ہوں وہ سطحی لحاظ سے حلیم الطبع لگتے ہیں۔ لیکن دراصل ضدی ہوتے ہیں۔ ہمدرد ہوتے ہیں ان تک رسائی مشکل ہوتی ہے۔ ہر لحاظ سے وفادار ہوتے ہیں۔ وہ اپنا مافی الضمیر مشکل سے ظاہر کرتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ لڑائی جھگڑے سے دور بھاگتے ہیں۔

۱۴۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۱۴ تاریخ کو پیدا ہوں وہ بڑے محنتی اور جفاکش ہوتے ہیں۔ گفتگو اور کوئی کام کرتے وقت ان کا رویہ مثبت ہوتا ہے۔ بعض دلائل کے طالب ہوتے ہیں۔ بعض قمار بازی اور اسی قسم کے دیگر کھیلوں کے شیدا ہوتے ہیں۔ صورت شکل سے مغموم دکھائی دیتے ہیں لیکن درحقیقت بڑے مسرور ہوتے ہیں۔ کسی قدر قدامت پسند ہوتے ہیں، گو عام طور پر انوکھے اور انقلابی خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ پر فکر ہوتے ہیں۔ خاندان سے پیار کرتے ہیں لیکن بعض کی خانگی زندگی خوشگوار نہیں ہوتی۔ اکثر امراض کہنہ کے شکار رہتے ہیں۔ بعض کی زندگی میں بڑے نشیب و فراز آتے ہیں۔ کبھی دولت مند ہو

جاتے ہیں اور کبھی بدبختی کا سامنا کرتے ہیں۔

۱۵۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو پیدا ہوں، وہ بظاہر بڑے حلیم الطبع نظر آتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں کٹر قسم کے ہوتے ہیں، گو زندہ دل اور پر تکلف دکھائی دیتے ہیں لیکن باطن مغموم ہوتے ہیں اور ان کی زندگی میں مایوسی کا عنصر ہوتا ہے۔ پھر بھی وہ ہمدرد، مشفق اور فیاض ہوتے ہیں۔ وہ حریص نہیں ہوتے اور ملنسار ہوتے ہیں لیکن اگر وہ کسی سے قطع تعلق کر لیں تو پھر ان کی بحالی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کا عناد بڑا گہرا ہوتا ہے۔ ان کی قسمت میں دوسرے کے لیے قربانی دینا لکھا ہوتا ہے۔

۱۶۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۱۶ تاریخ کو پیدا ہوں، ان میں کوئی نمایاں خصوصیت نہیں ہوتی۔ وہ دیکھنے میں بڑے پرسکون معلوم ہوتے ہیں لیکن دراصل ان کے اندر ہلچل مچی رہتی ہے اور وہ بڑے تنک مزاج ہوتے ہیں۔ عام طور پر وہ اپنی پریشانی کا اظہار نہیں کرتے اور فیصلے دیر سے کرتے ہیں۔ انہیں اس بات سے نفرت ہے کہ دوسرے ان کے معاملات میں دخل اندازی کریں۔ وہ کسی کام میں پہل نہیں کرتے۔ اور درمیانی راستہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ اپنے گھر والوں سے بڑی محبت سے پیش آتے ہیں۔

۱۷۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۱۷ تاریخ کو پیدا ہوں وہ زبردست انفرادیت پسند ہوتے ہیں لیکن ظاہری وجاہت سے خود پسند معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں تھوڑا سا تلون موجود ہوتا ہے لیکن بڑے زیرک اور چالاک ہوتے ہیں جہاں تک جذبات کا تعلق ہے وہ مقابلۃً بڑے پرسکون ہوتے ہیں۔ کبھی تو وہ کسی کا قصور معاف کر دینے میں بڑے فراخ دل ہوتے ہیں لیکن کبھی سخت تنگدلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وسیع علم کے حصول کے شیدا ہوتے ہیں اور تفتیشی کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں۔ عام طور پر قدامت پسند ہوتے ہیں۔ لیکن اقتدار کے بھوکے ہوتے ہیں بڑے اچھے کلرک ثابت ہوتے ہیں۔

۱۸۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۱۸ تاریخ کو پیدا ہوں وہ علم دوست ہوتے ہیں اور املاک کا بڑا اچھا انتظام کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔ ذرا جذباتی ہوتے ہیں لیکن مغلوب ہونا نہیں جانتے۔ بحث کرنا پسند کرتے ہیں۔ بعض تو دوسروں کے جھگڑوں میں بڑی خوشی سے حصہ

لیتے ہیں۔ اپنے معاملات کو بڑی اچھی طرح قابو میں رکھتے ہیں۔ چونکہ خود مختار ہوتے ہیں اس لیے دوسروں کی تنبیہہ کو پسند نہیں کرتے۔

۱۹۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۱۹ تاریخ کو پیدا ہوں...... ان کا کردار پیچیدہ ہوتا ہے۔ ایک لحاظ سے تنہائی پسند ہوتے ہیں لیکن خود مختار ہوتے ہیں اسی لیے بیک وقت صابر اور ضدی ہوتے ہیں کسی سے تعاون نہیں کرتے۔ ان لوگوں کی قسمت میں اہم تبدیلیوں کا امکان ہوتا ہے اور یہی حال ان کے ساتھیوں کا بھی ہوتا ہے۔ ان کے لیے بہتر ہے کہ وہ کاروباری زندگی اختیار کرنے کے بجائے کوئی خاص کام کریں۔ ان میں اکثر ہر فن مولا ہوتے ہیں۔

۲۰۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۲۰ تاریخ کو پیدا ہوں۔ ان کے دل میں اپنے دوستوں کی بڑی محبت ہوتی ہے اور وہ ان کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ اپنے معاملات کو دانائی سے نمٹاتے ہیں اور ہر بات کی جزئیات تک پر نگاہ رکھتے ہیں۔ ان کے دل میں آزادی یا احمقانہ بہادری کی رغبت نہیں ہوتی۔ اس لیے ان میں قیادت کی اہلیت نہیں ہوتی لیکن دوسروں سے تعاون ضرور کرتے ہیں۔ ان میں بعض پختہ ارادے کے مالک ہوتے ہیں لیکن اسے ظاہر نہیں کرتے۔ وہ اچھے مقرر نہیں ہوتے لیکن اپنا مافی الضمیر لکھ کر بیان کر سکتے ہیں۔ اس لیے اچھے مصنف ہوتے ہیں۔

۲۱۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۲۱ تاریخ کو پیدا ہوں، وہ بڑے زندہ دل ہوتے ہیں۔ ان میں لوگوں کو آسانی سے دوست بنانے کی اہلیت ہوتی ہے۔ وہ بڑے خوددار لیکن ساتھ ہی بڑے شکی ہوتے ہیں وہ سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا پسند کرتے ہیں۔ عام طور پر بڑی اچھی گفتگو کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر اپنا کاروبار تبدیل کرتے رہتے ہیں۔

۲۲۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۲۲ تاریخ کو پیدا ہوں۔ وہ بڑے باوفا ہوتے ہیں اور لوگوں کی خدمت کرتے ہیں۔ بعض تنہائی پسند ہوتے ہیں۔ ان کا حلقہ احباب محدود ہوتا ہے اسی لئے ان کے قابل اعتماد دوستوں کی تعداد تھوڑی ہوتی ہے۔ قدامت پسند ہوتے ہیں اور جلد مغموم ہو جاتے ہیں۔ وہ تنازعات کی پرواہ نہیں کرتے۔

۲۳۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۲۳ تاریخ کو پیدا ہوں وہ عموماً فضول خرچ اور کسی قدر شکی

ہوتے ہیں۔ عام طور پر باعمل ہوتے ہیں۔ آزادی کے گرویدہ اور رسمیات سے متنفر ہوتے ہیں ان کی شہرت اچھی ہوتی ہے اور ان کی معاشرتی زندگی عمدہ ہوتی ہے ان میں اقتدار حاصل کرنے کی زبردست خواہش ہوتی ہے بڑی آسانی سے خوش ہوجاتے ہیں وہ اپنا کام نکالنے کے لئے لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ ان کی زندگی پرازواقعات ہوتی ہے بعض مرتبہ وہ اپنے کام ادھورے چھوڑ دیتے ہیں۔

۲۴۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۲۴ تاریخ کو پیدا ہوں، وہ بڑے محنتی اور جفاکش ہوتے ہین۔ وہ نجی اور سرکاری معاملات کے درمیان فرق کو اچھی طرح محسوس کرتے ہیں۔ بڑے باسلیقہ ہوتے ہیں لیکن اکثر خیالی دنیا میں رہتے ہیں۔ ان کی انا بڑی مضبوط ہوتی ہے بعض اپنی رائے کو دوسرں پر ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اپنی خوشیوں اور غموں کو شہرت دیتے ہیں اور بعض اوقات بڑے پریشان ہوجاتے ہیں۔

۲۵۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۲۵ تاریخ کو پیدا ہوں، وہ متلون مزاج اور کمزور کردار کے مالک ہوتے ہیں۔ لیکن بعض میں تخلیقی قوت ہوتی ہے اور وہ بڑے حساس ہوتے ہیں۔ ان میں ایک قسم کا وجدان ہوتا ہے جسے دوسرے بڑا پراسرار سمجھتے ہیں۔ ایک طرف تو وہ بڑے جلد باز ہوتے ہیں لیکن آسانی سے تذبذب میں پڑ جاتے ہیں۔ اس لیے انہیں چاہئے کہ جو کام بھی کریں سوچ سمجھ کر کریں۔

۲۶۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۲۶ تاریخ کو پیدا ہوں، بڑے صاف ستھرے اور خوش وضع ہوتے ہیں غم کے عادی ہوتے ہیں اپنے خاندان کے لوگوں کے لئے قدامت پرست لیکن دوسروں کے لیے فیاض اور آزاد خیال ہوتے ہیں۔ وسعت پسند نہیں ہوتے۔ اپنی ذات کے متعلق بڑے نازک طبع ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ جوانی میں شادی کر لیتے ہیں اور عشق و محبت کے میدان میں تکلیف اٹھاتے ہیں۔

۲۷۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۲۷ تاریخ کو پیدا ہوں، وہ خود اعتماد ہوتے ہیں اور مثبت کردار کے مالک ہوتے ہیں۔ آزادی اور اقتدار کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ بڑے جذباتی ہوتے ہیں اس لیے ان کے بعض کام سمجھ میں نہیں آتے۔ وہ عام طور پر کسی کے ماتحت رہ کر

کام کرنا پسند نہیں کرتے۔ ان میں بعض اپنے معاملات کو بڑی قابلیت سے سلجھاتے ہیں۔ ان کے اپنے مخصوص عقائد ہوتے ہیں۔

۲۸۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۲۸ تاریخ کو پیدا ہوں، وہ بڑے مثبت اور مضبوط کردار کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کی قوت ارادی بڑی مضبوط ہوتی ہے وہ کبھی مغلوب نہیں ہوتے۔ وہ سطحی طور پر بڑے پرسکون نظر آتے ہیں اور اپنی پوشیدہ طاقت ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ بعض لوگ انہیں غلطی سے سرد مہر سمجھتے ہیں کیونکہ وہ اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرتے۔ وہ اپنے کاموں کی تکمیل میں پس و پیش نہیں کرتے۔

۲۹۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۲۹ تاریخ کو پیدا ہوں۔ وہ آزاد اور باعمل ہوتے ہیں اور کئی باتوں میں محرک ثابت ہوتے ہیں۔ اکثر دولت مند ہوتے ہیں اس لیے دوسروں پر حکم چلاتے ہیں۔ ان کی زندگی میں بڑے واقعات رونما ہوتے ہیں اور دوسروں کی مدد کر کے وہ اکثر مشکلات میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اس تاریخ کو پیدا ہونے والی خواتین کی زندگی عام طور پر واقعات سے پر ہوتی ہے۔ بعض گھریلو زندگی میں مغموم رہتی ہیں۔

۳۰۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۳۰ تاریخ کو پیدا ہوں۔ ان کی شخصیت ایسی ہوتی ہے کہ ان پر انگشت نمائی نہیں ہو سکتی۔ وہ بڑے شریف مخلص لیکن قدرے غیر معروف ہوتے ہیں۔ ان کی منفی شخصیت کے پیچھے مثبت شخصیت پوشیدہ ہوتی ہے۔ وہ کئی لحاظ سے باعمل لیکن بے چین ہوتے ہیں۔ وہ مختلف کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں اور جب انہیں مشکلات کا سامنا ہو تو وہ ان پر قابو پا لیتے ہیں۔

۳۱۔ جو لوگ کسی مہینے کی ۳۱ تاریخ کو پیدا ہوں۔ وہ اپنے معاملات میں حقیقت پسند ہوتے ہیں ان کی قوت ارادی بڑی مضبوط ہوتی ہے اور وہ معقولیت پسند ہوتے ہیں۔ انہیں اوائل عمر میں ہی جنس لطیف کے ساتھ محبت کرنے کا تجربہ ہوتا ہے۔ وہ دوسروں پر بڑے مہربان ہوتے ہیں۔ اوروں کیلئے بڑے اچھے ثابت ہوتے ہیں لیکن رشتے داروں کے لیے معاملے میں اس کے برعکس ہوتے ہیں سفر کے دلدادہ ہوتے ہیں اور کفایت شعار نہیں ہوتے۔

یہ سال کیسا رہے گا: یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جاپانی علم الاعداد کی رو سے کسی شخص کا

گیسو (بنیادی عدد) اور میسو (زندگی کا عدد) کس طرح معلوم کیا جاتا ہے اور ان اعداد کی خصوصیات کیا ہیں۔ تاریخ پیدائش کی اہمیت کیا ہے اور ۱ تا ۳۱ کے اعداد کی کیا خصوصیات ہیں۔

اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ موجودہ سال کیسا رہے گا۔ اس کے دوران کیا واقعات رونما ہوں گے ایک شخص کی زندگی میں کیا تبدیلیاں آئیں گی تو جاپانی علم الاعداد میں اس کیلئے دو قسم کے اعداد سے مدد لی جاتی ہے۔

(۱) غیر اختیاری عدد: یہ عدد ان واقعات کی پیشگوئی کرتا ہے جو سال کے دوران غیر اختیاری طور پر رونما ہوتے ہیں اور انسان کے ان اعمال وافعال کی نشاندہی کرتا ہے جو ان واقعات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

(۲) خود اختیاری عدد: یہ عدد ان واقعات کی پیشگوئی کرتا ہے جو سال کے دوران کسی شخص کے اپنے اعمال وافعال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

یہ دونوں قسم کے اعداد بھی ۱ سے ۹ تک ہی ہوں گے اور ان میں بھی مفرد عدد ہی استعمال ہوگا مثلاً ۱۲ کو ۱۲ نہیں بلکہ ۱+۲=۳ سمجھا جائے گا۔

پہلے غیر اختیاری عدد معلوم کرنے کا طریقہ بتایا جاتا ہے۔ محمد اقبال خان جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ ۱۱ دسمبر ۱۹۴۵ء کو پیدا ہوا تھا۔ اس کی تاریخ پیدائش (۱۱) اور ماہ دسمبر (۱۲) کو جمع کر کے جو گیسو (بنیادی عدد) معلوم کیا گیا تھا۔ اس کا مفرد عدد ۵ آیا تھا یعنی ۱+۱+۲+۱=۵

اب اگر یہ معلوم کرنا چاہیں کہ محمد اقبال خان کے لیے ۱۹۶۸ء کیسا رہا ہے تو ہمیں اس کا غیر اختیاری عدد معلوم کرنا ہوگا جس کا طریقہ یہ ہے۔

محمد اقبال کا گیسو (بنیادی عدد) = ۵

۱۹۶۸ = ۱ + ۹ + ۶ + ۸ = ۲۴ = ۶

میزان = ۱۱ = ۲ مفرد عدد

لہٰذا محمد اقبال خان کا غیر اختیاری عدد ۲ ہے۔ ذیل میں ایک سے ۹ تک کے اعداد کی خصوصیات درج کی جاتی ہیں۔ ان میں سے ۲ کی خصوصیات دیکھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ محمد اقبال خان کیلئے ۱۹۶۸ء کیسا رہے گا۔ اسی طرح ہر سال کے متعلق معلوم کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ یہ ایسا سال ہے جس میں غیر اختیاری طور پر تبدیلیاں رونما ہوں گی آپ کی زندگی کے ہر پہلو میں نئی صورت حال پیدا ہوگی۔ آپ کے گردوپیش کی طبیعی اور مجرد اشیاء کو تبدیلیوں کا سامنا ہوگا۔ اسی سال آپ کے سامنے کوئی نئی بات آئے گی جس کا تجربہ آپ کو پہلے کبھی نہ ہوا ہوگا۔ آپ پرانے دوستوں کو کھو بیٹھیں گے اور نئے دوست اور نئی معاشرتی دلچسپیاں پیدا ہوں گی آپ چاہیں یا نہ چاہیں یہ واقعات رونما ہو کر رہیں گے اور آپ کو ان کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اگر آپ دفتر سے باہر کام کرتے ہیں تو آپ دفتر میں مختلف قسم کا کام کرنے لگیں گے یا آپ کی تقرری تجارتی مال کے انتظام کے لیے ہوگی۔ آپ کی گھریلو زندگی میں بھی تبدیلی ہوگی۔ یہ سال آپ کے لیے ''جدائیوں'' کا سال ہے۔ اس لیے آپ کو خبردار کیا جاتا ہے کہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں اپنے گردوپیش رہنے والے لوگوں سے الگ نہ رہیں۔

۲۔ یہ ایک ایسا سال ہے جس میں پچھلے سال میں بوئے جانے والے بیج اگنے لگیں گے۔ عام طور پر یہ سال اہم واقعات سے خالی ہو گا۔لیکن آپ کے گھر میں بڑی ''جدائیاں'' واقع ہوں گی۔ چونکہ ۲ کے عدد میں ایک خاتون کم حیثیت انسان اور گھر وغیرہ کا مفہوم موجود ہے۔ اس لیے ان سے متعلقہ مسائل سال بھر پیدا ہوتے رہیں گے اس سال کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ میں کسی سے شراکت کا رجحان پیدا ہوگا اور نتائج خوشگوار ہوں گے۔ اس سال آپ جذبات کی رو میں بہہ جائیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ فضول جلد بازی سے کام لے کر فیصلے کریں گے۔ اس لیے آپ کو چاہیے کہ کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ لیا کریں۔ اس سال آپ عورتوں سے تعلقات استوار کریں گے۔ اگر آپ مرد ہیں تو اس سے آپ کی راہ میں مشکلات آئیں گی۔ اس سال کوئی اہم واقعہ رونما نہیں ہوگا۔

۳۔ اس سال آپ نئے معاشرتی تعلقات قائم کریں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ نئے نئے دوست بنائیں گے اور آپ کی کاروباری سرگرمیوں میں ترقی ہوگی۔ اس سال آپ کو تبادلے، سفر، ترک وطن جیسے مسائل کا سامنا ہوگا۔ باعمل انسان کو ایسے مواقع نصیب ہوں گے جو اس کی آمدن میں اضافے کا موجب ہوں گے۔ آپ کو بڑا چوکنا رہنا چاہیے

کیونکہ آپ کے ذاتی اور کاروباری اخراجات بڑھ جائیں گے۔اس سال آپ کو فرصت کے اوقات بہت زیادہ ملیں گے اس لیے آگاہ رہیں کہ اپنی ذمہ داریوں کو فراموش نہ کریں۔انتہا پسند نہ بنیں کیونکہ کام کی زیادتی آپ کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔

۴۔اس سال ہر چیز تبدیل ہوگی۔یہ ایک ایسا سال ہے جس میں آپ کی زندگی میں انقلاب آنے کا احتمال ہے۔آپ کے گھر اور معاشرتی زندگی میں تبدیلیاں رونما ہوں گی۔ اگر آپ خوشحال ہیں تو آپ اپنے تئیں خسارے میں پائیں گے۔اگر آپ جدوجہد میں مصروف ہیں تو کامیابی آپکے قدم چومے گی۔چونکہ اس سال آپ کی زندگی میں تبدیلیاں واقع ہوں گی، اس لیے ان کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہیں۔مثلاً اگر آپ ایک کاروباری انسان ہیں تو آپ کو اپنی سرگرمیاں کم کرنی پڑیں گی، اس کے برعکس بھی ممکن ہے بچوں، دوستوں کی طرف سے زندگی میں انتشار پیدا ہونے کا امکان ہے۔

۵۔اس سال آپ کو کوئی معاشرتی مرتبہ حاصل ہوگا۔ یہ سال ظہور واقعات اور ''جدائیوں'' کی نشاندہی کرتا ہے۔تنخواہ دار ملازمین کا تبادلہ ہوگا چونکہ اس سال ''جدائی'' کا زیادہ امکان ہے۔اس لیے آپ کی زندگی کے ہر اسلوب میں تبدیلی رونما ہوگی۔۔اس بات کا بھی امکان ہے کہ آپ اپنے قریبی لوگوں سے جدا ہو جائیں۔اس سال واقعات کھلے بندوں رونما ہوں گے دوسروں سے جھگڑے ہوں گے اور شاید قانونی کارروائیاں بھی ہوں گی۔وہ لوگ جو ایمانداری سے کام کرتے ہیں اور جن کا رویہ مثالی ہے لیکن ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔اس سال دنیا ان کی قدر کرنے لگے گی۔اس سال روپیہ لگانے قمار بازی اور عشق و محبت میں مبتلا ہونے کا بھی امکان ہے۔

۶۔اس سال آپ کی زندگی میں زیادہ تبدیلی نہیں ہوگی۔یہ بڑا سست سال ہے۔اس کے دوران آپ کسی کام کا آغاز نہ کریں گے چونکہ یہ سال ''ہم آہنگی'' اور ''ذمہ داری'' کا سال ہے اس لیے آپ کو بڑے بوجھ اٹھانے ہوں گے۔آپ اپنے خاندان اور احباب کی خبر گیری کے لیے اہم ذمہ داری قبول کرنے پر مجبور ہوں گے۔آپ سارا سال لوگوں کا ایک دوسرے سے تعارف کرائیں گے اور تنازعات میں ثالثی کے فرائض سرانجام دیں گے۔اگر

آپ کی ثالثی کامیاب رہی تو اس کا صلہ آپ کو جلد یا بدیر ضرور ملے گا۔ اس سال آپ کے گھر میں بیماری کا امکان ہے۔ اس لئے خبردار ہیں اور اگر آپ یا آپ کے گھر کا کوئی رکن بیمار ہو تو چھوٹی سی چھوٹی بیماری کے باوجود ڈاکٹر سے مشورہ ضرور لیں۔

۷۔ یہ ایک ایسا سال ہے جس میں آپ کی دولت میں اتار چڑھاؤ کا امکان ہوگا۔ اس لیے خبردار ہیں۔ آپ کی دولت میں خاص اضافہ نہیں ہوگا۔ آپ کو بڑی مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن اگر آپ جدوجہد کریں تو سال کے نصف آخر میں آپ کو بہترین مواقع نصیب ہوں گا۔ اور یہ غیر متوقع ہوں گے۔ اس سال پرانے مسائل دوبارہ سر اٹھائیں گے یا آپ اپنے پرانے دوستوں سے ملیں گے بہت سی باتیں جن کا تعلق آپ کی بیوی یا ماتحتوں سے ہوگا۔ رونما ہوں گی۔ آپ کو غیر متوقع مالی فائدہ پہنچے گا۔

۸۔ اس سال آپ کو املاک وغیرہ کے مسائل کا سامنا ہوگا۔ بہت سے کارآمد مواقع پیدا ہوں گے۔ خاص طور پر کاروباری لوگوں کو بڑے بڑے کام اور میسر آئیں گے اس سال افسروں سے نئے تعلقات قائم ہوں گے اور آپ کو اعتماد میں لے لیں گے۔ آپ کا مستقبل شاندار ہوگا لیکن اس سال آپ اپنی ذمے داریاں وسیع نہ کریں۔ گو یہ سال آپ کے لئے بڑا خوش قسمت ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کاہل ہو جائیں۔ اس سال میسر آنے والے مواقع سے پورا پورا فائدہ حاصل کریں۔

۹۔ چونکہ یہ سال ''خاتمہ'' پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے وہ تمام مسائل جن کا تعلق خارج سے ہے رک جائیں گے یا ان کا تصفیہ ہونے لگے گا۔ اس سال آپ اپنے معاملات کا انتظام کریں اور جتنے بھی کام باقی ہیں ان کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیں۔ اس سال آپ کو مالی فائدہ نہ ہوگا لیکن روحانی طور پر یہ مفید رہے گا اور عوامی معاملات میں کامیابی ہوگی۔ اس سال کے دوران آپ کے خاندان کے رکن اور رشتے دار بہت سی مشکلات سے دوچار ہوں گے۔ اس لیے یہ سال آپ کے لئے غموں کا سال ہوگا۔

خود اختیاری عدد: غیر اختیاری عدد نکالنے کا طریقہ اور ۱ سے ۹ تک کے غیر اختیاری اعداد کے خواص آپ معلوم کر چکے ہیں۔ اب اختیاری عدد نکالنے اور ۱ سے ۹ تک

کے خود اختیاری اعداد کے خواص بتائے جاتے ہیں۔

محمد اقبال خان کا غیر اختیاری عدد ۹ تھا۔ اس کی تاریخ پیدائش ۱۱ (۱+۱=۲) تھی۔ اب تاریخ پیدائش کے مفرد عدد ۲ کو اس کے غیر اختیاری عدد میں جمع کر دیں یعنی ۲+۲=۴ یہ مفرد عدد ۴ محمد اقبال خان کا ۱۹۶۸ کے لئے خود اختیاری عدد ہوگا۔ اب آپ ا سے ۹ تک خود اختیاری اعداد کے خواص دیکھ کر معلوم کریں کہ محمد اقبال خان کے لئے ۱۹۶۸ کیسا رہے گا۔

اس سال آپ نئی قسم کا کام شروع کریں گے یا آپ کسی نئی فرم میں شریک ہوں گے۔ سکول میں داخلہ۔ شادی، نئی عمارت کی تعمیر، تبادلہ، سفر، یہ ساری باتیں آپ کی نجی زندگی تبدیل کریں گی۔ اس سال آپ پرانے لوگوں سے الگ ہوں گے اور نئے لوگوں سے ملیں گے۔ اس سال اہم تبدیلیاں رونما ہوں گی۔

اس سال آپ تن تنہا شاذ و نادر ہی کام کریں گے۔ بلکہ لوگوں کی شرکت میں کام کریں گے۔ اس لئے آپ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ آپ سال میں کسی کی شراکت میں کام کریں جہاں تک جذبات کا تعلق ہے۔ آپ بڑے ہوشیار ثابت ہوں گے۔ سال کے آغاز میں دوسرے لوگوں کے ساتھ آپ کے تعلقات انتہا پسندانہ ہوں گے۔ یا تو آپ ان کے اور قریب ہو جائیں گے یا ان سے تعلقات یکسر منقطع کر لیں گے۔

آپ کے لئے یہ سال بڑا پائیدار ہوگا۔ اس کے دوران آپ کی دولت میں نہ اضافہ ہوگا نہ کمی آپ کو چاہیے کہ اپنی سابقہ حیثیت کو بحال رکھنے کے لئے قدامت پسند رویہ اختیار کریں۔ چونکہ اخراجات بڑھ جانے کا احتمال ہے اس لیے فضول خرچی سے اجتناب کریں۔

اس سال آپ کو بڑا محتاط رہنا چاہیے۔ آپ کے افکار و اعمال میں تغیر واقع ہونے کا احتمال ہے۔ آپ مشکلات اور مصائب سے پریشان ہوں گے۔ اس سال ملازمت سے برطرفی، کاروبار میں نقصان یا بیماری کا امکان ہے۔ آپ کے بہت سے کام خوش اسلوبی سے نہ چلیں گے اس لئے آپ کو ایک ایک قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہئے۔ جلد بازی ہرگز نہ کریں۔ آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو ہر بات میں محتاط رہنا چاہیے خصوصاً صحت کے بارے میں۔ بہتر ہوا گر آپ اس سال کے دوران ذاتی طور پر تمام معاملات کو سنوارنے کی

کوشش کریں۔

یہ سال ایسا ہے جس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ چھلانک لگانے سے پہلے سوچ سمجھ لو۔ ہر کام کرنے سے پہلے اس کے مختلف امکانات پر غور کریں۔ اس سال سفر، تبادلے اور مکان کی تبدیل کا امکان ہے۔ اس سال آپ بہت سے لوگوں سے تعلقات قائم کریں گے۔ آپ سال کے دوران تنازعات اور بحث مباحثوں سے اجتناب کریں۔ یہ آپ کے لیے مضر ثابت ہوں گے۔

اس سال آپ بیماری سے بچنے کی کوشش کریں۔ اپنی صحت کی حفاظت کریں۔ اس سال آپ دوسروں کے لیے ثالثی کے فرائض سرانجام دیں گے۔ آپ اپنا بیشتر وقت گھر والوں کے ساتھ گزاریں گے اور اس سے محفوظ ہوں گے۔ اس سال زوجین کے درمیان محبت بڑھے گی۔ اور غیر شادی شدہ لوگ جنس لطیف سے تعلقات بڑھائیں گے۔ اس سال آپ اپنے مستقبل کے متعلق ضرور سوچیں۔ اس طرح آپ کئی نئے منصوبے بنانے میں کامیاب ہوں گے۔

اس سال آپ اپنا اثر ورسوخ استعمال کرنے سے اجتناب کریں۔ اس سال آپ اپنی توجہ ماضی کے کارناموں پر مرکوز رکھیں اور اپنی سرگرمیوں کا از سر نو جائزہ لیں۔ مختصر یہ کہ اس سال آپ آرام کریں اپنی ذہنی اور مالی سطح کو بلند کرنے کی کوشش کریں۔ ہر معاملے میں صابر رہیں اور مناسب موقعے کا انتظار کریں۔ اس سال کے آخری ۳/۱ حصے میں بہترین مواقع نصیب ہوں گے اور خوش قسمتی میسر ہوگی۔ لیکن آپ کو صبر اور خود اعتمادی سے کام لینا ہوگا۔ بیماری کا احتمال ہے اس لیے محتاط ہیں۔ اس سال آپ کے دوست اس جہان سے رخصت ہوں گے۔

یہ سال آپ کے لئے حیرت انگیز ثابت ہوگا۔ اس لئے آپ ہر کام میں مثبت رویہ اختیار کریں۔ اگر آپ کاروباری انسان ہیں تو اپنا اثر ورسوخ بڑھائیں۔ تنخواہ دار ملازم ہیں تو آپ کی تنخواہ بڑھے گی۔ اور ترقی حاصل ہوگی۔ اس سال آپ کو عزت حاصل ہوگی۔ اس لیے جو مواقع آپ کو نصیب ہوں ان سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔ اگر آپ تن آسانی سے

کام لیں گے تو آپ خوش قسمتی اور دولت سے محروم رہ جائیں گے۔

آپ کی زندگی میں اس سال تبدیلیاں واقع ہوں گی اور آپ بڑے مستعد ہوں گے۔ چونکہ ۹ کا عدد آخری مفرد عدد ہے اس لیے جہاں تک دولت کا تعلق ہے آپ کا خرچ آمدنی سے بڑھ جائے گا۔ آپ بڑے بے آرام ہوں گے اور بار بار ہوں گے۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ دوسروں کے ساتھ آپ کا جھگڑا ہو۔ اس لیے محتاط رہیں۔

اگر آپ غیر اختیاری اور خود اختیاری اعداد کی خصوصیات کو یکجا کر کے دیکھیں تو آپ پر اس سال میں پیش آنے والے واقعات کی مزید وضاحت ہو جائے گی۔

اہم ترین سال: (ا) خود اختیاری اور غیر اختیاری اعداد والے سال جن میں اہم تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ وہ ہیں جن کے اوپر چھوٹا سا گول دائرہ بنا ہے۔

۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

(ب) جن کا خود اختیاری مفرد عدد ۷ ہے اس شخص کی قسمت کا عروج سال کے آخری نصف حصے میں ہوگا۔ جس کا خود اختیاری عدد ۸ ہوگا۔ وہ سارا سال خوش قسمتی کا حامل ہوگا جس کا خود اختیاری عدد ۹ ہوگا اس کا پہلا نصف دور بہترین ہوگا۔

(ج) جن سالوں میں کسی شخص کی قسمت کی سطح پست ہوتی ہے وہ سال ہوتے ہیں جن کے خود اختیاری اعداد ۴ اور ۶ ہوں گے۔

فوسایوشی تکاگی کے ایجاد کردہ جاپانی علم الاعداد کی رو سے آپ کو اپنا بنیادی عدد (گینسو) زندگی کے عدد (میسو) غیر اختیاری عدد اور خود اختیاری عدد معلوم کرنے کا طریقہ بتا دیا گیا ہے اور ان اعداد کی خصوصیات بھی بیان کر دی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں تاریخ پیدائش کے اعداد اور ان کی تشریح بیان کر دی گئی ہے۔ یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ موجودہ سال کیسا رہے گا اور زندگی کا اہم ترین سال کون سا ہوگا۔ اسی علم کی رو سے یہ بھی معلوم کیا جاتا ہے کہ آپ کی زندگی کا ہر مہینہ اور ہر دن کس طرح گزرے گا۔ (۲۵)

کیا اعداد انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں؟

اپنی تاریخ پیدائش کے مطابق اپنا عدد معلوم کریں پھر اس عدد کے خواص دیکھیں، اس سوال کا جواب مل جائے گا۔

مؤلف: کا مضمون نگار سے متفق ہونا ضروری نہیں

کاؤنٹ کیرو کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ مصر حاضر کا عظیم الشان منجم، دست شناس اور ماہر علم الاعداد تھا۔ ایک مرتبہ لندن کے ایک امیر کبیر شخص نے اسے بلا کر کہا: ''مسٹر کیرو میرا ایک معزز دوست آپ کو اپنا ہاتھ دکھانا چاہتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ آپ محض ہاتھ دیکھنے پر اکتفا کریں اس کی شکل و شباہت دیکھنے کا تقاضا نہ کریں۔ کیرو کہنے لگا: ''مجھے یہ شرط منظور ہے۔'' چنانچہ ایک دن کیرو نے اس پس پردہ شخص کا ہاتھ دیکھا اور دیکھتے ہی کہنے لگا: ''باقی باتیں تو بعد میں بتاؤں گا، سب سے پہلے میں یہ بتادوں کہ یہ ہاتھ کسی بادشاہ کا ہے۔''

یہ سنتے ہی پس پردہ شخص باہر نکل آیا، وہ انگلستان کا بادشاہ ایڈورڈ ہفتم تھا۔ وہ کیرو سے کہنے لگے: ''میں تمہارے علم کا قائل ہوگیا ہوں میں اور کچھ پوچھنا نہیں چاہتا، صرف اتنا بتا دو کہ میں کس سن میں فوت ہوں گا۔'' کیرو نے اس کے نام کے اعداد نکالے اور حساب لگا کر بتادیا کہ آپ ۱۹۱۰ میں وفات پائیں گے چنانچہ ایڈورڈ ہفتم اسی سن میں ہی فوت ہوا۔

کیرو کی مہارت فن کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں شاہ ایڈورڈ، لارڈ کچنر کی وفات، روس کے آخری زار کے قتل، یہودیوں کی سلطنت اسرائیل کے قیام اور جاپانیوں کے برطانوی، ہند پر حملے کے متعلق جتنی پیشین گوئیاں کیں وہ سب حرف بہ حرف پوری ہوئیں۔ کیرو نے یہ مہارت کالدانیوں، مصریوں، عربوں اور ہندوؤں کی قدیم کتب نجوم و علم الاعداد کے پچاس سالہ گہرے مطالعے اور تجربے کے بعد حاصل کی

تھی۔اس نے ان علوم پر انگریزی میں متعدد کتابیں تصنیف کیں،علم الاعداد کے متعلق اس کی مشہور کتاب کا نام Book of Number......(کتاب الاعداد) یہ مضمون اسی کتاب پر مبنی مختصر سا خلاصہ ہے۔

منطقہ البروج سیارگان اور اعداد

کیرو نے علم الاعداد کے گہرے مطالعے کے بعد ثابت کیا ہے کہ یہ انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔وہ کہتا ہے کہ منطقہ البروج Zodiac کے برجوں کی تعداد بارہ ہے۔ اعداد مفرد بھی ہیں اور مرکب بھی،مفرد اعداد ا سے ۹ تک ہیں۔۱۰ کا عدد پھر ا کی تکرار ہے۔ صفر کوئی عدد نہیں۔جس طرح اعداد نو ہیں اسی طرح نظام شمسی کے سیارگان کی تعداد بھی نو ہے۔ہر سیارے کا اپنا مخصوص عدد ہے جو انسان کی قسمت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ذیل میں قارئین کی سہولت کے پیش نظر منطقہ البروج کے برجوں کے نام،سیارگان کے نام،ان کی علامات اور ان سے متعلقہ اعداد دیئے جا رہے ہیں۔

مفرد اعداد سے انسان کی وہ حیثیت نمایاں ہوتی ہے جو اس کی،لوگوں کی نگاہ میں ہوتی ہے۔لیکن مرکب اعداد ان پوشیدہ اور پراسرار طاقتوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔جو ایک شخص کے کردار کا پس منظر ہوا کرتی ہیں۔

کیرو نے مفرد اور مرکب اعداد پر سیر حاصل بحث کر کے بتایا ہے کہ ہر عدد کی کیا خصوصیت ہے۔کونسا عدد مبارک ہے اور کون سا منحوس۔ایک خاص عدد کس طرح مبارک تاریخ،مبارک دن،اہم سال،منحوس ماہ تعلقات،رنگ،نگینہ،حرز،امراض اور ادویات کی نشاندہی کرتا ہے۔

مفرد اعداد: جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے،مفرد اعداد ا سے ۹ تک ہیں۔اب ان مفرد اعداد کی خصوصیات بتائی جاتی ہیں۔آپ اپنی تاریخ پیدائش کا عدد نکالیں اور پھر اس عدد کی خصوصیات دیکھیں۔مثلاً آپ کی تاریخ پیدائش ۲۹ ہے۔علم الاعداد

نمبر شمار	نام برج				عدد	نام سیارہ
	عربی	سنسکرت	یونانی	علامت		
۱	حمل	میکھ	Aries	مینڈھا	۹	مریخ
۲	ثور	برکھ	Taurus	بیل	۶	زہرہ
۳	جوزا	متھن	Gemini	جڑواں	۵	عطارد
۴	سرطان	کرک	Cancer	کیکڑا	۲۔۷	قمر
۵	اسد	سنگھ	Leo	شیر	۱۔۴	شمس
۶	سنبلہ	کنیا	Virgo	دوشیزہ	۵	عطارد
۷	میزان	تلا	Libra	ترازو	۶	زہرہ
۸	عقرب	برسچک	Scorpio	بچھو	۹	مریخ
۹	قوس	دھن	Sagittarius	کمان	۳	مشتری
۱۰	جدی	مکر	Capricorn	بکری	۸	زحل
۱۱	دلو	کنبھ	Aquarius	مشکیزہ آب	۸	زحل
۱۲	حوت	مین	Pisces	دو مچھلیاں	۳	مشتری

مفرد اعداد سے انسان کی وہ حیثیت نمایاں ہوتی ہے جو اس کی لوگوں کی نگاہ میں ہوتی ہے۔ لیکن مرکب اعداد ان پوشیدہ اور پراسرار طاقتوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ جو ایک شخص کے کردار کا پس منظر ہوا کرتی ہیں۔

کیرو نے مفرد اور مرکب اعداد پر سیر حاصل بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ ہر عدد کی کیا خصوصیت ہے۔ کونسا عدد مبارک ہے اور کونسا منحوس۔ ایک خاص عدد کس طرح مبارک تاریخ، مبارک دن اہم سال، منحوس ماہ، تعلقات، رنگ، نگینہ، جرز، امراض، اور ادویات کی نشاندہی کرتا ہے۔

مفرد اعداد

جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے۔ مفرد اعداد، ا سے ۹ تک ہیں۔ اب ان مفرد اعداد کی خصوصیات بتائی جاتی ہیں۔ آپ اپنی تاریخ پیدائش کا عدد نکالیں اور پھر اس عدد کی خصوصیات دیکھیں۔ مثلاً آپ کی تاریخ پیدائش ۲۹ ہے۔ علم الاعداد ۲۹ عدد ۲ شمار کیا جائے گا کیونکہ ۲ اور ۹ کو اگر جمع کیا جائے تو حاصل جمع ۱۱ ہوگا۔ ایک اور ایک کو پھر جمع کیا جائے تو حاصل جمع ۲ ہوگا۔ اس لیے آپ ۲ کے عدد کی خصوصیات دیکھیں گے۔ کیونکہ آپ کا عدد ۲ ہے۔ اسی طرح اگر آپ کی تاریخ پیدائش ۲۴ ہے۔ تو آپ کا عدد ۶ ہوگا۔ اگر ۳۱ ہے تو عدد ۴ ہوگا۔ وقس علی ہذا۔

مفرد اعداد کی خصوصیات یہ ہیں۔

۱۔ صفات: جو اشخاص کسی مہینے کی ۱، ۱۰، ۱۹ یا ۲۶ کو پیدا ہوئے ہوں۔ ان کا عدد ا ہے کیونکہ ان میں سے ہر عدد کا حاصل جمع ا ہے۔ ایسے اشخاص عالی ہمت ہوتے ہیں۔ بالخصوص اگر وہ ۲۸ جولائی اور ۲۸، اگست کے درمیانی عرصے میں پیدا ہوں۔ وہ پابندی سے بھاگتے ہیں۔ وہ کوئی کاروبار یا پیشہ اختیار کریں اس میں ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں اور ترقی کرتے ہیں۔ اگر وہ کسی شعبے کے ناظم ہوں تو ہمیشہ اپنا وقار قائم رکھتے ہیں۔ ان کے ماتحت ان کی قدر کرتے ہیں۔

۲۔ مبارک تاریخ: ایسے لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے اہم کام مہینے کی یکم، دس، انیس اور ۲۸ تاریخ کو سرانجام دیں۔ کیونکہ یہ تاریخیں ان کے لیے مبارک ہیں۔

۳۔ مبارک دن: اتوار اور پیر خصوصاً جب یہ دن یکم، ۱۰، ۱۹ یا ۲۸ تاریخ کو یا ۲، ۴، ۷، ۸، ۱۱، ۱۳، ۱۶، ۲۰، ۲۲، ۲۵، ۲۹ اور ۳۱ تاریخ کو آئیں۔

۴۔ اہم سال: ۱۹واں۔ ۲۸واں۔ ۲۷واں، ۵۵واں

۵۔ منحوس ماہ: اکتوبر، دسمبر اور جنوری۔ ان مہینوں میں اپنی صحت کا خاص خیال رکھیں۔

۶۔ تعلقات: جن اشخاص کا عدد ۲، ۴ اور ۷ ہوگا۔ ان کے ساتھ ایک عدد والے اشخاص کے تعلقات نہایت خوشگوار ہوں گے۔

۷۔ رنگ: سنہرا، بادامی اور زرد۔ ایک عدد والوں کو ہمیشہ اس رنگ کا لباس پہننا چاہیے۔

۸۔ نگینہ: سنیلا، کہربا، زرد ہیرا یا انہی رنگوں کے دیگر جواہر۔

۹۔ حرز: کہربا

۱۰۔ امراض: امراض قلب، اختلاج قلب، دوران خون کی خرابی، بڑی عمر میں بلڈ پریشر، امراض چشم، انہیں بینائی کا معائنہ کراتے رہنا چاہیے۔

۱۱۔ ادویات: منقیٰ، بابونہ، زعفران، لونگ، جائفل، لیموں، خرما، سنگترہ، ادرک، جو، شہد کا استعمال ضرور کریں۔

۲

۱۔ صفات: جو اشخاص کسی مہینے کی ۲/۱۱، ۲۰ اور ۲۹ کو پیدا ہوں، ان کا عدد ۲ ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر عدد کا حاصل جمع ۲ ہے۔ ایسے اشخاص فطرتاً شریف، پرفکر، فنکار اور رومان پسند ہوتے ہیں۔ ان میں موجد بننے کی اہلیت ہوتی ہے۔ لیکن اپنے خیالات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ ان کی خصوصیات طبعی سے زیادہ ذہنی ہوتی ہیں۔ ایسے لوگوں کو چاہئے کہ وہ بے آرام اور بے چین نہ رہیں۔ اپنی ذات پر بد اعتمادی نہ کریں، اپنے عزائم میں پختہ رہیں۔ یہ لوگ اگر خوشگوار ماحول میں نہ ہوں تو بہت جلد مغموم اور حساس ہو جاتے ہیں۔

۲۔مبارک تاریخ: ایسے لوگوں کو چاہئے کہ وہ جو کام بھی کریں مہینے کی ۲، ۱۱، ۲۰ اور ۲۹ تاریخ کو کریں کیونکہ یہ تاریخیں ان کے لیے مبارک ہیں۔

۳۔مبارک دن: اتوار، پیر اور جمعہ خصوصاً جب یہ دن ۲۔۱۱، ۲۰ اور ۲۹ تاریخ کو یا ۱، ۴، ۷، ۱۰، ۱۳، ۱۶، ۱۹، ۲۲، ۲۵، ۲۸ اور ۳۱ تاریخ کو آئیں۔

۴۔اہم سال: ۲۰ واں، ۲۵ واں، ۲۹ واں، ۴۳ واں، ۴۷ واں، ۵۲ واں، اور ۶۵ واں

۵۔منحوس ماہ: جنوری، فروری اور جولائی۔ان مہینوں میں اپنی صحت کا خیال رکھیں۔

۶۔تعلقات: جن اشخاص کا عدد ۱، ۴ اور ۷ ہوگا۔ان کے ساتھ ۲ عدد والے اشخاص کے تعلقات خوشگوار ہوں گے۔

۷۔رنگ: سبز، سفید اور موتیا، ۲ عدد والوں کو ہمیشہ ان رنگوں کا لباس پہننا چاہئے۔سیاہ قرمزی، سرخ اور گہرے رنگوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔

۸۔نگینہ: موتی چندر گانٹھ...... یا زرد سبز پتھر۔

۹۔حرز: سنگ یشب

۱۰۔امراض: امراض معدہ، بدہضمی، عفونتی زہر، بادی تکالیف، انتڑیوں کا ورم، رسولی۔

۱۱۔ادویات: کاہو کا ساگ، کرم کلہ، شلغم، کھیرا، خربوزہ، کاسنی، سرسوں، السی، سردہ

۱۔صفات: جو اشخاص کسی مہینے کی ۳، ۱۲، ۲۱ اور ۳۰ کو...... ہوئے ہوں ان کا عدد ۳ ہے۔کیونکہ ان میں سے ہر عدد کا حاصل جمع ۳ ہے۔ایسے اشخاص بڑے عالی ہمت ہوتے ہیں اور کم حیثیت پر قناعت نہیں کرتے وہ ہمیشہ بلند مرتبہ حاصل کرنے کے متمنی رہتے ہیں اور دوسروں پر

حکومت کرنا چاہتے ہیں وہ ہر معاملے میں ضابطے اور اصول کے پابند رہتے ہیں وہ احکام کی اطاعت کرتے ہیں لیکن اپنا حکم منوانے پر مصر رہتے ہیں۔ایسے اشخاص ہر کاروبار اور پیشے میں ترقی کرتے ہیں وہ اکثر بری یا بحری فوج یا دوسری سرکاری ملازمت کے خواہشمند ہوتے ہیں اور اعلیٰ مقام حاصل کرتے ہیں وہ اپنے آمرانہ رویے کی بدولت بہت سے دشمن پیدا کر لیتے ہیں۔وہ اکثر مغرور اور خود مختار ہوتے ہیں۔

۲۔مبارک تاریخ:ایسے لوگوں کو چاہیے کہ جو کام بھی کریں، مہینے کی ۳،۱۲،۲۱ اور ۳۰ تاریخ کو کریں کیونکہ یہ تاریخیں ان کے لیے مبارک ہیں۔

۳۔مبارک دن: منگل ،جمعرات اور جمعہ (جمعرات بڑا اہم دن ہے) خصوصاً جب یہ دن ۳،۱۲،۲۱ اور ۳۰ تاریخ کو یا ۶،۹،۱۰،۱۸،۲۴ اور ۲۷ تاریخ کو آئیں۔

۴۔اہم سال: ۱۲واں۔۲۱واں، ۲۹واں، ۴۸واں اور ۵۷واں

۵۔منحوس ماہ: فروری، جون، ستمبر اور دسمبر،ان مہینوں میں صحت کا خیال رکھیں۔

۶۔تعلقات: جن اشخاص کا عدد ۶، ۹ ہوگا ان کے ساتھ ۳ عدد والے اشخاص کے تعلقات خوشگوار ہوں گے۔

۷۔رنگ: بنفشی، قرمزی، نیلا، گلابی ۳ عدد والوں کو ہمیشہ رنگوں کا لباس پہننا چاہئے۔

۸۔نگینہ: کٹیلا

۹۔حرز: کٹیلا

۱۰۔امراض: شدید ورم اعصاب،عرق النساء، جلدی امراض

۱۱۔ادویات: چقندر، کاسنی، شہدانہ، آلو بالو، شابری، سیب، شہتوت، آڑو، زیتون، ریوند چینی، لگرونداا، انار، اناس، انگور، پودینہ، زعفران،

جائفل، لونگ، ناز بو، بادام، انجیر۔

۴

ا۔صفات: جو اشخاص کسی مہینے کی ۴، ۱۳، ۲۲ اور ۳۱ تاریخ کو پیدا ہوئے ہوں ان کا عدد ۴ ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر عدد کا حاصل جمع ۴ ہے۔ ایسے اشخاص ہر چیز کو دوسروں سے مختلف زاویہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور دوسروں سے ہمیشہ اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کی نیت خواہ کسی سے جھگڑا مول لینے کی نہ بھی ہو، پھر بھی ان کے کئی خفیہ دشمن بن جاتے ہیں۔ وہ خانگی اور کاروباری زندگی میں ہمیشہ خود مختار اور خودسر ہوتے ہیں۔ معاشرتی اور اصلاحی کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ ان کی انفرادیت بڑی نمایاں ہوتی ہے۔ ناکامی کی صورت میں بڑے مغموم ہو جاتے ہیں آسانی سے کسی کو دوست نہیں بناتے۔ عام طور پر آئین پسند نہیں ہوتے۔

۲۔مبارک تاریخ: ایسے لوگوں کو چاہئے کہ جو کام بھی کریں مہینے کی ۴، ۳، ۲۲ اور ۳۱ تاریخ کو کریں کیونکہ تاریخیں ان کے لئے مبارک ہیں۔

۳۔مبارک دن: ہفتہ، اتوار اور پیر خصوصاً جب یہ دن ۴، ۱۳، ۲۳ اور ۳۱ تاریخ کو یا یکم ۲، ۷، ۱۰، ۱۱، ۱۶، ۱۹، ۲۰، ۲۵، ۲۸ اور ۲۹ تاریخ کو آئیں۔

۴۔اہم سال: ۱۳واں۔ ۲۲واں۔ ۳۱واں۔ ۴۰واں، ۴۹واں اور ۵۸واں۔

۵۔منحوس ماہ: جنوری، فروری، جولائی، اگست، ستمبر، ان مہینوں میں صحت کا خیال رکھیں۔

۶۔تعلقات: جن اشخاص کا عدد ۱، ۲، ۷ اور ۸ ہو ان کے ساتھ ۴ عدد والے اشخاص کے تعلقات خوشگوار ہوں گے۔

۷۔رنگ: ہلکے رنگ، نیلا خصوصاً سفید، ۴ عدد والوں کو ہمیشہ ان رنگوں کا لباس

پہننا چاہئے۔
۸۔نگینہ: ہلکے یا گہرے رنگ کا نیلم۔
۹۔حرز: نیلم
۱۰۔امراض: پراسرار عوارضات جن کی تشخیص مشکل ہو، ذہنی تکالیف، مالیخولیا، قلت خون، سر، پشت، مثانے اور گردوں میں درد۔
۱۱۔ادویات: ایسے اشخاص کو مسالے دار غذاؤں سے پرہیز کرنا چاہئے۔

۵

ا۔صفات: جو اشخاص کسی مہینے کی ۵، ۱۴ اور ۲۳ کو پیدا ہوئے ہوں ان کا عدد ۵ ہے کیونکہ ان میں سے ہر عدد کا حاصل جمع ۵ ہے۔ ایسے اشخاص ذہنی طور پر حد سے زیادہ حساس ہوتے ہیں اور جوش میں آجاتے ہیں۔ وہ جلد سوچتے اور جلد ہی فیصلے کر لیتے ہیں۔ وہ محنت مشقت کے کاموں سے نفرت کرتے ہیں اور روپیہ کمانے کے لئے ہر حربہ استعمال کرتے ہیں۔ وہ ایجادات اور نئے نئے خیالات کی بدولت روپیہ کمانا چاہتے ہیں۔ وہ پیدائشی منصوبے ساز ہوتے ہیں اور عام طور پر ہر کام کیلئے خطرہ مول لینے لگتے ہیں۔ وہ عجیب کردار کے مالک ہوتے ہیں اور سخت سے سخت صدمہ برداشت کر لیتے ہیں۔ اگر وہ طبعاً نیک ہوں تو ہمیشہ نیک رہتے ہیں لیکن اگر بد ہوں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں نیک نہیں بنا سکتی۔ وہ بہت جلد اپنی اعصابی قوت کھو دیتے ہیں۔
۲۔مبارک تاریخ: ایسے لوگوں کو چاہئے کہ جو کام بھی کریں مہینے کی ۵، ۱۴ اور ۲۳ تاریخ کو کریں۔ کیونکہ یہ تاریخیں ان کے لیے مبارک ہیں۔
۳۔مبارک دن: بدھ اور جمعہ، خصوصاً جب یہ دن ۵، ۱۴ اور ۲۳ تاریخ کو آئیں۔

۴۔ اہم سال: ۱۴واں، ۲۳واں، ۴۱واں اور ۵۰واں۔

۵۔ منحوس ماہ: جون، ستمبر اور دسمبر ان مہینوں میں صحت کا خیال رکھیں۔

۶۔ تعلقات: جن اشخاص کا عدد ۵ ہو صرف ان کے ساتھ ایسے اشخاص کے تعلقات خوشگوار ہوں گے۔

۷۔ رنگ: ہلکا سفید، سفید اور چمکدار ہلکے، رنگ ۵ عدد والوں کو ہمیشہ ان رنگوں کا لباس پہننا چاہیے۔

۸۔ نگینہ: ہیرا، تمام چمکدار جواہرات، پلاٹینم، چاندی

۹۔ حرز: ہیرا جو پلاٹینم میں جڑا ہو۔

۱۰۔ امراض: اعصابی خرابی، ورم اعصاب۔

۱۱۔ ادویات: گاجر، ناز بو، زیرہ، خشک میوے۔

۶

۱۔ صفات: جو اشخاص کسی مہینے کی ۶، ۱۵ اور ۲۴ کو پیدا ہوئے ہوں ان کا عدد ۶ ہے کیونکہ ان میں سے ہر عدد کا حاصل جمع ۶ ہے۔ ایسے اشخاص بڑے پر کشش ہوتے ہیں۔ لوگ ان سے پیار کرتے ہیں۔ وہ اپنے عزائم میں پختہ ہوتے ہیں۔ مغلوب ہونے کا نام نہیں لیتے۔ لیکن جہاں ان کی اپنی دلچسپی ہو وہ غلام بے دام بن جاتے ہیں۔ وہ رومان پسند ہوتے ہیں۔ حسین چیزوں کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ موسیقی اور تصاویر کے شوقین ہوتے ہیں۔ گھر کی آرائش و زیبائش میں دلچسپی لیتے ہیں۔ بدگمانی برداشت نہیں کرتے۔ غصے میں آ کر مر جانا پسند کرتے ہیں۔ ان میں زیادہ سے زیادہ دوست بنانے کی اہلیت ہوتی ہے۔

۲۔ مبارک تاریخ: ایسے لوگوں کو چاہئے کہ جو کام بھی کریں مہینے کی ۶، ۱۵ اور ۲۴ تاریخ کو کریں کیونکہ یہ تاریخیں ان کے لیے مبارک ہیں۔

۳۔ مبارک دن: منگل، جمعرات اور جمعہ خصوصاً جب یہ دن ۶، ۱۵ اور ۲۴ تاریخ کو یا ۳، ۹، ۱۲، ۱۸، ۲۱، ۲۷ اور ۳۰ تاریخ کو آئیں۔

۴۔ اہم سال: ۱۵واں، ۲۴واں، ۴۲واں، ۵۱واں اور ۶۰واں

۵۔ منحوس ماہ: مئی، اکتوبر اور نومبر، ان مہینوں میں صحت کا خیال رکھیں۔

۶۔ تعلقات: جن اشخاص کا عدد ۳، ۶، ۱۶ اور ۹ ہو، ان کے ساتھ ایسے اشخاص کے تعلقات خوشگوار ہوتے ہیں لیکن ۵ عدد والوں کے ساتھ خوشگوار نہیں ہوتے۔

۷۔ رنگ: ہر قسم کا نیلا، گلابی، پیازی، ۶ عدد والوں کو ہمیشہ ان رنگوں کا لباس پہننا چاہئے۔ انہیں سیاہ اور گہرے قرمزی رنگ سے قطعی پرہیز کرنا چاہئے۔

۸۔ نگینہ: فیروزہ اور زمرد

۹۔ حرز: فیروزہ

۱۰۔ امراض: گلے اور ناک کی بیماریاں، پھیپھڑوں کے اوپر کے حصے کے عوارضات انہیں کھلی ہوا میں رہنا چاہئے۔

۱۱۔ ادویات: لوبیا، پھلیاں، پالک، خربوزہ، تربوز، مغزیات، پودینہ، انار، سیب، آڑو، خوبانی، انجیر، بنفشہ، گلاب، مشک

۷

۱۔ صفات: جو اشخاص کسی مہینے کی ۷، ۱۶ اور ۲۵ کو پیدا ہوئے ہوں ان کا عدد ۷ ہے کیونکہ ان میں سے ہر عدد کا حاصل جمع ۷ ہے۔ ایسے اشخاص خود مختار اور انفرادی حیثیت کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ سفر اور ماحول کی تبدیلی کے گرویدہ ہوتے ہیں۔ وہ سفر اور ماحول کی تبدیلی کے گرویدہ ہوتے ہیں۔ طبعاً بے چین رہتے ہیں۔ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے غیر ممالک میں جانے کے دلدادہ ہوتے ہیں اور سفر نامہ مرتب کرنا پسند کرتے ہیں۔ یہ اکثر اچھے مصنف، شاعر یا مصور ہوتے

ہیں۔فلسفیانہ ذہنیت رکھتے ہیں۔وہ اپنے منصوبوں کی بدولت امیر کبیر بن جاتے ہیں۔مذہب کے متعلق اپنا خاص نظریہ رکھتے ہیں۔ فرسودہ باتوں کو پسند نہیں کرتے۔اپنا مخصوص عقیدہ رکھتے ہیں۔جادو ٹونوں کی طرف رجحان رکھتے ہیں۔صاحب بصیرت ہوتے ہیں۔ ان میں ایسی جاذبیت ہوتی ہے جس سے دوسرے متاثر ہوتے ہیں۔ درآمد برآمد میں دلچسپی لیتے ہیں۔تاجر ہوتے ہیں۔

۲۔مبارک تاریخ: ایسے لوگوں کو چاہئے کہ جو کام بھی کریں مہینے کی ۷، ۱۶اور ۲۵ تاریخ کو کریں۔کیونکہ یہ تاریخیں ان کے لیے مبارک ہیں۔

۳۔مبارک دن: اتوار اور پیر خصوصاً جب یہ دن ۷، ۱۶اور ۲۵ تاریخ کو یا یکم ۲،۴، ۱۰، ۱۱، ۱۳، ۱۹، ۲۰، ۲۲، ۲۸، ۲۹،اور ۳۱ تاریخ کو آئیں۔

۴۔اہم سال: ۷واں، ۱۶واں، ۲۵واں، ۳۴واں، ۵۲واں،اور ۶۱واں

۵۔منحوس ماہ: جنوری، فروری، جولائی اور اگست،ان مہینوں میں صحت کا خیال رکھیں۔

۶۔تعلقات: جن اشخاص کا عدد ۲، ۱۱، ۲۰اور ۲۹ ہو۔ان کے ساتھ ایسے اشخاص کے تعلقات خوشگوار ہوتے ہیں۔

۷۔رنگ: سبز، زرد، سفید اور گلابی ۷عدد والوں کو ہمیشہ ان رنگوں کا لباس پہننا چاہئے۔انہیں گہرے رنگوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔

۸۔نگینہ: چندر گانٹھ،لہسنیا،موتی

۹۔حرز: چندر گانٹھ۔

۱۰۔امراض: جلدی امراض، چھوڑے پھنسیاں، پسینے کی زیادتی ہاضمے کی خرابی۔

۱۱۔ادویات: کاہو کا ساگ، کرم کلہ، کھیرا، کھنب، انگور، پھلوں کا رس، کاسنی،السی

۸

ا۔ تعلقات: جو اشخاص کسی مہینے کی ۸، ۱۷اور ۲۶ کو پیدا ہوئے ہوں ان کا عدد ۸ ہے کیونکہ ان میں سے ہر عدد کا حاصل جمع ۸ ہے۔ ایسے اشخاص کو جن کا عدد ۸ ہو، عام طور پر بڑا غلط سمجھا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ دل میں اپنے آپ کو بالکل تنہا سمجھتے ہیں ان میں بڑی انفرادیت ہوتی ہے۔ وہ سٹیج پر اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ لیکن ان کے لئے اکثر مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ وہ مذہب کے معاملے میں سخت متعصب ہوتے ہیں۔ وہ کوئی کام کریں۔ اس میں ہر قیمت پر کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ خواہ ان کی شدید مخالفت ہی کیوں نہ کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ ان کے بدترین دشمن بن جاتے ہیں۔ وہ بظاہر سرد مہر نظر آتے ہیں۔ مگر مظلوم کی حمایت کرتے ہیں لیکن چونکہ وہ اپنے دلی جذبات پوشیدہ رکھتے ہیں اسی لئے لوگ ان کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں۔ ایسے اشخاص یا تو زندگی میں از حد کامیاب ہوتے ہیں۔ یا یکسر ناکام رہتے ہیں۔ وہ زیادہ تر سرکاری ملازمت اور پبلک زندگی میں ذمہ دارانہ حیثیت کے طلسم ہوتے ہیں۔ دنیاوی زاویہ نگاہ سے یہ عدد مبارک نہیں بلکہ منحوس ہے۔ جن لوگوں کا عدد ۸ ہو وہ اکثر غم، نقصان اور ذلت کا شکار ہوتے ہیں۔

۲۔ مبارک تاریخ: ایسے لوگوں کو چاہئے کہ جو کام بھی کریں مہینے کی ۸، ۱۷اور ۲۶ تاریخ کو کریں۔ کیونکہ یہ تاریخیں ان کے لیے مبارک ہیں۔

۳۔ مبارک دن: ہفتہ، اتوار اور پیر خصوصاً جب یہ دن ۸، ۱۷اور ۲۶ تاریخ کو یا ۴، ۱۳، ۲۲اور ۳۱ تاریخ کو آئیں۔

۴۔ اہم سال: ۱۷واں۔ ۲۶واں، ۳۵واں، ۴۴واں، ۵۳واں، ۶۲واں۔

۵۔ منحوس ماہ: دسمبر، جنوری، فروری اور جولائی، ان مہینوں میں صحت کا خیال

رکھیں۔

۶۔ تعلقات: جن اشخاص کا عدد ۴ ہو ان کے ساتھ ایسے اشخاص کے تعلقات خوشگوار ہوتے ہیں۔

۷۔ رنگ: گہرا خاکی۔ سیاہ گہرا نیلا اور قرمزی۔ انہیں ہلکے رنگوں کا لباس نہ پہننا چاہیے۔

۸۔ نگینہ: کٹیلا، گہرے رنگ کا نیلم، سیاہ موتی، سیاہ ہیرا

۹۔ حرز: نیلم، کٹیلا، سیاہ ہیرا، سیاہ موتی

۱۰۔ امراض: امراض جگر، انتڑیوں کی خرابی، صفراوی امراض،۔ سر درد، گنٹھیا، خرابی خون

۱۱۔ ادویات: پالک، بتول، سنبل خطائی، گاجر، اسپغول، سمندر سوکھ ما میراں خورد، نرائی، اجمود

۹

۱۔ صفات: جو اشخاص کسی مہینے کی ۹، ۱۸ اور ۲۷ تاریخ کو پیدا ہوئے ہوں، ان کا عدد ۹ ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر عدد کا حاصل جمع ۹ ہے۔ ایسے اشخاص اوائل عمر میں ہی مشکلات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ لیکن آخر اپنے مضبوط ارادے کی بدولت کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہ خود مختار اور اپنی مرضی کے مالک ہوتے ہیں۔ بڑے جنگجو ہوتے ہیں اور عموماً جنگ میں مارے جاتے ہیں۔ ان میں عمدہ سپاہی یا قائد بننے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ وہ اپنی گفتار اور کردار کی وجہ سے خطرے میں گھر جاتے ہیں۔ انہیں آگ یا بم سے خطرہ ہوتا ہے۔ عموماً ان کا آپریشن ہوتا ہے۔ وہ خانگی زندگی میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ اعتراضات سے بھاگتے ہیں۔ انہیں بہت جلد بیوقوف بنایا جاسکتا

ہے اگر چاہیں تو منتظم ثابت ہوتے ہیں ورنہ غیر منتظم۔ یہ عدد بڑا مبارک ہے۔ بشرطیکہ صاحب عدد پرسکون رہے اور دشمن نہ بنائے۔

۲۔ مبارک تاریخ: ایسے لوگوں کو چاہئے کہ جو کام بھی کریں مہینے کی ۹، ۱۸اور ۲۷ تاریخ کو کریں کیونکہ یہ تاریخیں ان کے لیے مبارک ہیں۔

۳۔ مبارک دن: منگل، جمعرات، جمعہ خاص کر منگل) خصوصاً جب ۹، ۱۸ اور ۲۷ تاریخ کو یا ۳، ۶، ۱۲، ۱۰، ۲۱، اور ۳۰ تاریخ کو آئیں۔

۴۔ اہم سال: ۹واں، ۱۸واں، ۲۷واں، ۳۶واں، ۲۵واں، اور ۶۳واں

۵۔ منحوس ماہ: اپریل، مئی، اکتوبر اور نومبر ان مہینوں میں صحت کا خیال رکھیں۔

۶۔ تعلقات: جن اشخاص کا عدد ۳، ۶، ۹ ہو ان کے ساتھ ایسے اشخاص کے تعلقات خوشگوار ہوتے ہیں۔

۷۔ رنگ: قرمزی، سرخ، گلابی، پیازی ۹ عدد والوں کو ان رنگوں کا لباس پہننا چاہئے۔

۸۔ نگینہ: یاقوت، تامڑہ، حجر الدم

۹۔ حرز: یاقوت، تامڑ، حجر الدم

۱۰۔ امراض: ہر قسم کا بخار خصوصاً لال بخار، چیچک، خسرہ، ان لوگوں کو مرغن غذاؤں اور شراب نوشی سے پرہیز کرنا چاہئے۔

۱۱۔ ادویات: پیاز، لہسن، ریوند چینی، ادرک، مرچ

مرکب اعداد

جس طرح ۱ سے ۹ کے مفرد اعداد کی اپنی خصوصیات ہیں۔ اسی طرح ۱ سے لے کر ۵۲ تک کے مرتکب اعداد کی بھی ہیں جو ذیل میں درج ہیں۔

۱۰: اس عدد کو قسمت کا چکر کہتے ہیں۔ یہ عزت و توقیر، ایمان و خود اعتمادی اور عروج و زوال کا عدد ہے۔ اگر کسی شخص کا یہ عدد ہو تو اس کی خواہش کے مطابق اس کی نیکی اور بدی کی

شہرت ہو گی۔ یہ عدد اس لیے بھی مبارک ہے کہ جس شخص کو یہ عدد ہو اس کے سارے منصوبے پورے ہو جاتے ہیں۔

۱۱: داناؤں کے نزدیک یہ عدد منحوس ہے۔ یہ پوشیدہ خطرات، مصائب اور غداریوں سے متنبہ کرتا ہے۔ یہ عدد اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سخت مشکلات کے خلاف آزما ہونا پڑے گا۔

۱۲۔ یہ عدد تکالیف اور ذہنی انتشار کی علامت ہے۔ جس شخص کا عدد ہو وہ دوسروں کی سازشوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

۱۳۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ ۱۳ کا عدد منحوس ہے لیکن یہ منحوس ہرگز نہیں۔ یہ عدد منصوبوں اور مقامات کے تغیر کی نشاندہی کرتا ہے بعض قدیم نوشتوں میں لکھا ہے کہ جو شخص ۱۳ کے عدد کے رموز کر جاتا ہے اسے حکومت و طاقت عطا کی جائے گی۔ ہاں اگر اسے لفظ طریق سے استعمال کیا جائے تو تباہی لاتا ہے۔

۱۴: یہ عدد حرکت، اشخاص اور اشیاء کے اختلاط اور فطری طاقتوں کی طرف سے خطرے کی علامت ہے۔ مثلاً طوفان، سیلاب، آگ وغیرہ۔ یہ روپے کے کاروبار پر دلالت کرتا ہے۔ منصوبوں اور کاروبار کی تبدیلی کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہمیشہ خطرہ اور مصیبت وابستہ ہوتی ہے لیکن یہ خطرہ اکثر دوسروں کی حماقت کے نتیجے کے طور پر پیش آتا ہے اگر یہ عدد مستقبل کے واقعات کے سلسلے میں نکلے تو احتیاط اور پیش بندی سے کام لینا چاہئے۔

۱۵: یہ عدد سحر اور اسرار کا حامل ہے۔ لیکن اس میں بلندی کا پہلو نہیں ہوتا جس شخص کا یہ عدد ہو وہ اپنی مقصد برآری کے لیے ہر قسم کے سحر سے کام لے گا۔ اگر یہ عدد کسی مبارک مفرد عدد کے ساتھ ملا ہوا ہو تو بہت مبارک اور طاقت ور ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ کسی خاص عدد مثلاً ۴ یا ۸ سے وابستہ ہو تو وہ اپنی مقصد برآری کے لیے جادو وغیرہ سے بھی کام لیتا ہے۔ یہ عدد بالخصوص اچھی گفتگو کرنے والوں سے وابستہ ہے۔ جن میں شیریں کلامی موسیقی آرٹ ڈرامائی انداز اور عیاشی کا رجحان ہوتا ہے۔ یہ عدد حصول دولت وتحائف اور نوازشات کے لیے بڑا مبارک ہے۔

۱۶: یہ عدد ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہ عجیب و غریب ہلاکت سے خبردار کرتا ہے۔ یہ حادثات کے خطرات اور منصوبوں کی ناکامی پر دلالت کرتا ہے۔ اگر یہ عدد مستقبل کے کسی کام کے لیے بطور مرکب عدد نکالے تو یہ خطرے کا اشارہ ہوگا۔ اس لیے اس پر غور کرنا چاہئے اور خطرے سے بچاؤ کا پہلے ہی بندوبست کر لینا چاہئے۔

۱۷: جس شخص کا یہ عدد ہو وہ زندگی کی مشکلات اور مصائب میں روحانی طور پر بلند رہتا ہے۔ اسے ''حیات ابدی'' کا عدد بھی کہتے ہیں جو اس بات کی علامت ہے کہ اس عدد والے انسان کا نام اس بات کی علامت ہے کہ اس عدد والے انسان کا نام اس کے بعد بھی زندہ رہے گا۔ مستقبل کے لیے یہ عدد بہت مبارک ہے۔ بشرطیکہ یہ ۸ کے مفرد عدد سے ملا ہوا نہ ہو۔

۱۸: اس عدد کی عام خصوصیت یہ ہے کہ انسان کو تلخ مصائب، خانگی و معاشی تنازعات اور انقلابات سے دوچار کرتا ہے۔ بعض دفعہ یہ دولت اور مرتبے کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ اسی طرح یہ غداری، دھوکے، طوفان، غرقابی، آگ، بم سے موت اور عناصر کی طرف سے خطرات کی بھی نشاندہی کرتا ہے۔ اگر اسے مستقبل کی تاریخیں معلوم کرنے کے لئے استعمال کیا جائے تو اس تاریخ کو بڑی احتیاط سے منتخب کرنا چاہئے۔

۱۹: یہ بڑا مبارک عدد ہے۔ یہ مسرت، کامیابی، عزت و عظمت کا حامل ہے اور مستقبل کے منصوبوں میں کامیابی کا علمبردار ہے۔

۲۰: یہ عدد خاص خصوصیت کا حامل ہے۔ مثلاً نئے نئے منصوبے نئے مقاصد، نئی خواہشات، نئے اعمال، مادی طور پر یہ عدد مبارک نہیں، اس لیے مادی کامیابی میں مدد نہیں دیتا۔ اگر اسے مستقبل کے لیے استعمال کیا جائے تو یہ رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ اس لیے اس پر قابو صرف روحانی طور پر پایا جا سکتا ہے۔

۲۱: یہ ترقی، عزت اور کامیابی کا عدد ہے۔ مستقبل کے لیے نکلے تو بہت مبارک عدد ہے۔

۲۲: یہ عدد اس شخص کو جو خیالی پلاؤ پکانے اور خوابوں کے محل میں رہنے کا عادی ہو، دھوکے اور فریب کے متعلق تنبیہ کرتا ہے اس عدد والا شخص خطرات میں گھر کر ہی خبردار ہوتا ہے۔ یہ عدد نشاندہی کرتا ہے کہ اس کا حامل دوسروں سے متاثر ہو کر غلط فیصلے کرے گا۔ اگر یہ

مستقبل کے لیے نکلے تو چوکس رہنا چاہیے۔

۲۳: یہ کامیابی کی عدد ہے۔ اس عدد والوں کو اپنے افسروں سے مدد ملتی ہے اور وہ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ مستقبل کے لیے یہ بڑا مبارک اور کامیاب عدد ہے۔

۲۴: یہ بھی مبارک عدد ہے۔ باعزم اشخاص کو اس سے مدد ملتی ہے۔ جنس مخالف کی طرف سے محبت پر دلالت کرتا ہے۔ مستقبل کے لیے مبارک ہے۔

۲۵: یہ زیادہ مبارک نہیں سمجھا جاتا۔ اس عدد والے کو کامیابی مخالفتوں اور آزمائشوں کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ مستقبل کے لیے مبارک ہے۔

۲۶: یہ مستقبل کے اہم خطرات سے آگاہ کرتا ہے اور ان تباہیوں کی نشاندہی کرتا ہے جو دوسروں کے ساتھ میل ملاپ بڑھانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ مستقبل کے لیے نکلے تو انسان کو سوچ سمجھ کر چلنا چاہیے۔

۲۷: یہ مبارک عدد ہے اور قوت واختیار کا حامل ہے اور بتاتا ہے کہ انسان کی تخلیقی توانائی سے فائدہ پہنچے گا۔ جب یہ عدد نکلے تو چاہیے کہ اپنے ارادے ضرور پورے کریں۔ مستقبل کے لیے مبارک ہے۔

۲۸: یہ عدد اختلافات کی علامت ہے اور بتاتا ہے کہ اس کے حامل شخص کے لیے بڑے امکانات موجود ہوتے ہیں۔ لیکن اگر وہ احتیاط سے کام نہ لے تو اس کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس عدد والے کو دوسروں پر اعتماد کرنے سے نقصان کا خطرہ ہوتا ہے۔ تجارت میں مخالفت، مقابلے اور قانونی طور نقصان کا خطرہ ہوتا ہے۔ مستقبل کے لیے یہ عدد مبارک نہیں ہے۔

۲۹: یہ عدد بے اعتمادی، غداری اور دغابازی کی علامت ہے اور آزمائش، مصائب، غیر متوقع خطرات، نالائق دوستوں کی طرف سے دھوکے کی نشاندہی کرتا ہے، جنس مخالف کی مخالفت، مستقبل کے خطرات سے آگاہ کرتا ہے۔

۳۰: اس عدد والے مادی چیزوں پر توجہ نہیں دیتے لیکن انہیں ایسا نہ کرنا چاہیے۔ اس لیے یہ عدد نہ مبارک ہے نہ منحوس کیونکہ ان دونوں کا انحصار متعلقہ شخص کے رجحان پر ہے۔

۳۱: اس کی خاصیت بھی ۳۰ کی طرح ہے۔ اس عدد والا شخص تنہائی پسند ہوتا ہے اور

دوستوں سے الگ تھلگ رہتا ہے۔

۳۲: اس عدد میں مفرد عدد ۵ کی طرح ایک مسحور کن طاقت موجود ہے، یہ عام طور پر افراد اور اقوام سے وابستہ ہوتا ہے۔ اس عدد والا اگر اپنے فیصلے پر پوری طرح عمل کرے تو نتیجہ بہتر ہوگا۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو اس کے منصوبے دوسروں کی حماقت سے تباہ ہو جائیں گے۔ مستقبل کے لیے مبارک ہے۔

۳۳: ۶ اور ۲۴ کے اعداد کے مطابق

۳۴: ۲۵ کے مطابق

۳۵: ۲۶ کے مطابق

۳۶: ۲۷ کے مطابق

۳۷: اس کی اپنی نمایاں طاقت ہے۔ دوستی اور شراکت کے لیے مبارک ہے۔ مستقبل کے لیے بھی مبارک ہے۔

۳۸: ۲۹ کے مطابق

۳۹: ۳۰ کے مطابق

۴۰: ۳۱ کے مطابق

۴۱: ۳۲ کے مطابق

۴۲: ۲۴ کے مطابق

۴۳: یہ عدد منحوس اور انقلاب، مصائب، ناکامی اور آزمائش کی نشاندہی کرتا ہے۔ مستقبل کے لیے بھی منحوس ہے۔

۴۴: ۲۶ کے مطابق

۴۵: ۲۷ کے مطابق

۴۶: ۳۷ کے مطابق

۴۷: ۲۹ کے مطابق

۴۹: ۳۱ کے مطابق

۵۰: ۳۲ کے مطابق

۵۱: بڑا طاقتور عدد ہے۔ اس کی خاصیت جنگجویانہ ہے، یہ فوری ترقی کی نشاندہی کرتا ہے۔ جو لوگ لیڈر ہوں یا بری یا بحریہ میں ملازم ہوں، ان کے لیے بڑا مبارک ہے۔ دشمن، خطرات اور قاتل اس سے بھاگتے ہیں

۵۲: ۴۳ کے مطابق

حروف اعداد

جس طرح برجوں اور سیاروں کے ساتھ اعداد کا تعلق ہے اسی طرح حروف کے ساتھ بھی ہے۔ ذیل میں انگریزی حروف تہجی (اور عربی حروف ابجد) اور ان کے اعداد درج کیے جاتے ہیں۔

A	B	C	D	E	F	G
1	2	3	4	5	8	3
H	I	J	K	L	M	N
5	1	1	2	3	4	5
O	P	Q	R	S	T	U
1	8	1	2	3	4	6
V	W	X	Y	Z		
6	6	5	1	7		

ابجد	ہوز	حطی	کلمن
ا ب ج د	ہ و ز	ح ط ی	ک ل م ن
۱ ۲ ۳ ۴	۵ ۶ ۷	۸ ۹ ۱۰	۲۰ ۳۰ ۴۰ ۵۰
سعفص	قرشت	ثخذ	ضظغ
س ع ف ص	ق ر ش ت	ث خ ذ	ض ظ غ
۶۰ ۷۰ ۸۰ ۹۰	۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰ ۴۰۰	۵۰۰ ۶۰۰ ۷۰۰	۸۰۰ ۹۰۰ ۱۰۰۰

ہیں۔ان میں سے چندایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

تاریخ پیدائش (ا): اپنی تاریخ معلوم کریں۔مثال کے طور پر آپ کی تاریخ پیدائش اگر ۲ ہے تو آپ کا عدد۲ ہے۔ اگر ۲۷ ہے تو آپ کا عدد ۷+۲=۹ ہے۔ پس آپ ان اعداد کی خصوصیات ملاحظہ فرمائیں۔آپ کو اس عدد کے اثرات معلوم ہو جائیں گے۔

(ب) اگر آپ کسی نوزائیدہ بچے کا نام رکھنا چاہتے ہیں تو ایسا نام رکھیں جس کے حروف میں سے اس کی تاریخ پیدائش عدد نکل آئے۔مثلاً آپ کا بچہ کسی مہینے کی ۳ تاریخ کو پیدا ہوا ہے آپ مختلف نام رکھ کر اس کے حروف کے اعداد نکال کر جمع کرتے جائیں۔جس نام کے اعداد کی حاصل جمع ۳ نکلے۔وہ نام بڑا مبارک ہوگا۔جیسے

RIAZ AHMED

11 = 2117 15454 = 11

11 ÷ 19 = 30 = 3

اگر بچہ مہینے کی ۸ تاریخ کو پیدا ہوا ہو۔تو ایسے حروف والا نام رکھیں جس کے اعداد کی حاصل جمع ۸ نہ ہو۔ کیونکہ ۸ بڑا منحوس عدد ہے۔آپ تاریخ پیدائش کا عدد تبدیل کر دیں۔

مبارک تاریخ: فرض کریں۔آپ کی تاریخ پیدائش ۲۵ ہے، آپ کو کوئی کام کرنا چاہتے ہیں اور معلوم کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کام کس تاریخ کو کیا جائے۔اس کے معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے۔

نام کے اعداد............ ۲۵ = ۷

جس تاریخ کو کام کرنا چاہتے ہیں ۲۶ = ۸

میزان =۵۱+۱۵=۶۶=۲۱

اس عدد کے مندرجہ ذیل خواص معلوم کریں۔اگر یہ مبارک نہ ہوں تو تاریخ بدل دیں اور جس تاریخ کا عدد مبارک ہو اس تاریخ کو کام کریں۔کامیابی حاصل ہوگی۔

ہدایات: (۱) علم الاعداد تاریخ پیدائش بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اسی کا عدد معلوم کر کے اپنی شخصیت کا اندازہ لگانا چاہیئے۔

(۲) اگر کسی شخص کے نام کے اعداد معلوم کرنا ہوں تو ہمیشہ اس نام کے اعداد معلوم کریں جس سے وہ شخص عموماً پکارا جاتا ہے اگر لوگ اس کے نام کے ساتھ "مسٹر یا صاحب" بھی استعمال کرتے ہیں تو ان کے بھی اعداد نکالیں جائیں۔ اگر نہ کرتے ہوں تو صرف نام کے اعداد نکالیں۔

(۳) اگر کسی نام کے اعداد مبارک معلوم نہ ہوں تو اس کے ہجوں میں کوئی حرف گھٹا دیں یا تبدیل کر دیں۔ مثلاً Riaz کے بجائے Ryaz

(۴) مفرد عدد انسان کی اس حیثیت کی نشاندہی کرتا ہے جو اس کی لوگوں کی نظروں میں ہوتی ہے اور مرکب اعداد ان پوشیدہ اور پراسرار طاقتوں کی جو انسان کے کردار کا پس منظر ہوتی ہیں۔

مفرد اور مرکب اعداد کو استعمال کرنے کے اور طریقے بھی ہیں لیکن اس مختصر سے مضمون میں اتنی گنجائش نہیں کہ ان پر بحث کی جائے۔

کیرو نے علم الاعداد کو جدید سائنسی خطوط پر مرتب کر کے تجربات کیئے اور ثابت کیا کہ اعداد فی الواقع ہماری زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ (۲۶)

دست شناسی اور اسلام

مولف کا مضمون کی رائے سے متفق ہونا لازم نہیں کیونکہ اصل قرآن اور حدیث ہے۔

(بندہ محمد طارق محمود عفی عنہ)

حکایت شمارہ جنوری ۱۹۸۷ء میں...... ''دست شناسی اور اسلام'' ...... پڑھا تو بھولی بسری ایک کہانی یاد آ گئی۔ چین کے کسی بادشاہ کا اونٹ کھل گیا۔ بادشاہ کے سپاہی اونٹ کی تلاش میں نکل گئے۔ انہیں راستے میں درخت کے نیچے بیٹھا ہوا ایک آدمی ملا۔ ایک سپاہی نے اس سے دریافت کیا کہ اس نے ادھر سے کسی اونٹ کو گذرتے دیکھا ہے؟ اس شخص نے پوچھا، کیا تم اس اونٹ کو ڈھونڈ رہے ہو جو لنگڑا ہے؟ سپاہی نے کہا کہ وہ اسی اونٹ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ اس شخص نے کہا، میں نے وہ اونٹ نہیں دیکھا۔

دوسرے سپاہی نے پوچھا، پھر تجھے کیسے معلوم وہ اونٹ لنگڑا ہے؟ اس شخص نے کہا، مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ اونٹ دائیں آنکھ سے اندھا ہے، بائیں جبڑے کے دو دانت ٹوٹے ہوئے ہیں، اس کی دم کٹی ہوئی ہے، اس پر شہد لدا ہوا ہے اور اس کی مہار کالے رنگ کے اون کو بل دے کر بنائی گئی ہے لیکن میں نے اس اونٹ کو نہیں دیکھا۔

''یہ کیسے ممکن ہے؟'' ...... سپاہیوں کے افسر نے کہا۔ ''تیری بتائی ہوئی تمام نشانیاں، بالکل درست ہیں۔ اگر تو نے اس اونٹ کو نہیں دیکھا تو بتا یہ تمام نشانیاں تجھے کیسے معلوم ہوئیں۔''

''اپنے علم سے!'' ...... اس نے جواب دیا۔

''ہرگز نہیں'' ...... افسر نے کہا ...... ''تو جادوگر ہے یا پھر چور ہے۔''

اس شخص نے بہت کہا کہ ان دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہے اور وہ جھوٹ نہیں بولتا اور یہ سچ ہے کہ اس نے اونٹ کو نہیں دیکھا۔

سپاہیوں نے اسے بادشاہ کے دربار میں بادشاہ کے روبرو کھڑا کر دیا اور تمام باتیں

بادشاہ کو سنائیں۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا کیا تو ان سب باتوں کے باوجود کہتا ہے تو نے اس اونٹ کو نہیں دیکھا؟ ہم کیسے یقین کرلیں؟ اپنی صفائی بیان کر۔

نوجوان نے عرض کیا:

''بادشاہ سلامت!''......اس شخص نے جواب دیا......''میں نے زمین پر اونٹ کے پیروں کے نشان دیکھے تھے۔ تین نمایاں اور اگلے دائیں پیر کا نشان مدھم تھا۔ میں سمجھ گیا کہ اونٹ اگلے دائیں پیر سے لنگڑا ہے۔ راستے کے دائیں طرف کی گھاس تو جوں کی توں موجود تھی۔ بائیں طرف والی گھاس اونٹ نے چری ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اونٹ دائیں آنکھ سے اندھا ہے۔ بائیں طرف جابجا اونٹ کے منہ سے گھاس گری ہوئی تھی۔ صاف ظاہر ہے بائیں طرف کے دو دانت ٹوٹے ہوئے ہیں۔ راستے پر شہد کے تازہ قطرے گرے ہوئے تھے اور ان پر چیونٹیاں ابھی نہیں آئی تھیں۔ مطلب صاف تھا۔ اونٹ پر شہد لدا ہوا ہے اور ادھر سے اونٹ کو گذرے بہت تھوڑا وقت گزرا ہے۔ اونٹ کا گوبر ثابت گولوں کی شکل میں موجود تھا۔ یہ اس کا ثبوت ہے کہ اونٹ کی دم نہیں ہے۔ چونکہ راستے پر رسی کے گھسیٹنے کے نشان تھے اور رسی کا یہ کالا ٹکڑا جس کے سرے پر شہد لگا ہوا ہے مجھے راستے سے ملا تھا، اس اونٹ کی مہار کا ہی حصہ ہوسکتا ہے جو کسی وجہ سے ٹوٹ گیا ہے۔ یہ تمام باتیں مجھے علم کی روشنی سے معلوم ہوئیں ہیں اور یہ سچ ہے کہ میں نے اونٹ کو نہیں دیکھا۔''

اس بات میں کوئی ہیر پھیر نہیں، البتہ اپنی اپنی سوچ اور سمجھ کا ہیر پھیر ہے۔ بعض واقعات اور حالات سے نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں گویا زبان حال سے باوجود خاموشی کے ایک علم رکھنے والا پہچان لیتا ہے۔ واقعات کیا نشان دہی کررہے ہیں؟......اس کا درست فیصلہ صرف وہ شخص کرسکتا ہے جو اس بارے میں تجربہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے، ہم نے نشانیاں رکھ دی ہیں تمہارے لئے زمین میں اور آسمانوں میں پھر تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ تم غور کیوں نہیں کرتے؟ اس نے گنتی ٹھہرادی ہے ہر چیز پر معلوم گنتی۔

مرغی کا انڈہ ہو بطخ کا ہو، ہنس راج کا ہو یا شترمرغ کا بچہ نکلنے کا وقت علیحدہ علیحدہ ہے۔

حمل عورت کا ہو، بھینس کا یا مادہ خرگوش کا ہو، مدت حمل مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عورت عموماً نو ماہ دس دن، بھینس دس ماہ گیارہ دن اور خرگوش کی مادہ تو صرف ایک چاند میں کئی کئی بچے جن دیتی ہے۔

اگر کسی شخص کو کسی خاص علم پر دسترس ہے ہے تو اس علم کو شیاطین کی امداد بتا دینا، ایسی حالت میں جب کہ اپنے آپ کو اس علم سے واقفیت ہی نہ ہو، کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ کسی حدیث کے حوالے سے بات کرنا صرف اسی حالت میں راسخ ہوسکتا ہے جب ہم یہ جان لیں کہ تمام حوالہ جات بیان کردہ حدیث کے تحت پورے اترتے ہیں یہ کہہ دینا کہ آگ تو صرف جلاتی ہے درست ہے لیکن جلانے کے انداز اور اندازے اگر یکساں نہ ہوں تو پھر مختلف اشکال اور معانی بیان ہوتے ہیں۔ مثلاً آگ جلاتی ہے، آگ پکاتی ہے آگ حرارت پہنچاتی ہے وغیرہ وغیرہ تمیل اس اجمال کی اس طرح ہے...... ''اور جب ہدہد نے سلیمانؑ کے دربار میں ملکہ سبا اور اس کے ملک کا حال بیان کیا تب سلیمانؑ نے درباریوں پر نظر دڑوائی۔ ایک عفریت بولا...... ''اے بادشاہ! اگر تو حکم دے تو تیرے دربار برخاست کرنے سے پہلے میں ملکہ سبا کو دربار میں حاضر کردوں...... سلیمانؑ نے نظر دوسری طرف ڈالی تو ایک شخص نے ادب سے کہا۔ ''اے سلیمانؑ! اگر تو چاہے تو میں پلک جھپکنے سے بھی پہلے سبا اور اس کے تخت کو تیرے دربار میں حاضر کرتا ہوں...... اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں، وہ شخص اہل کتاب سے تھا اور اس کے پاس کتاب کا علم تھا۔''

ایسی صورت میں ہمیں یہ معلوم ہوا کہ کوئی ایسا علم بھی ہے اور ایسے قاعدے کی کوئی کتاب بھی۔ اہل کتاب فرما کر کتاب کے علم کی طرف اشارہ تو صرف علم کی طرف اشارہ ہے۔ شیاطین کے ساتھ کسی رابطے یا آپس میں کانا پھوسی کی طرف تو یہ احوال نہیں جاتے اور نہ ہی کسی میں ایسی جرأت ہے کہ وہ اپنی طرف سے کوئی مذموم حرکت اس بات کو جھٹلانے کے لئے کرے۔ البتہ ہمیں معلوم ہوا کہ کوئی قاعدہ ہے جو کتاب میں ہے وہ ایک طرح سے علم ہے اور علوم تو بہت سے ہیں۔ ہر ہنر مہارت کا محتاج ہے۔ بڑھئی لکڑی کے ریشے کو پہچانتا

ہے۔لوہا، عام لوہے اور فولاد میں یا آبدار لوہے اور ریتی کے لوہے میں جو فرق ہے اسے جانتا ہے۔ایک ماہر طبیعات زمین کی اوپر کی سطح پر کیکر کے درخت کو دیکھ کر بتادے گا کہ اس زمین میں لوہا اور فولاد موجود ہے۔ وہ کلر کو جو زمین کی سطح پر ہوتا ہے۔ دیکھ کر یا تجزیہ کر کے بتا سکتا ہے کہ یہاں کس قسم کا سوڈیم یا جپسم زمین کے اندر موجود ہے۔

یہ بھی تو نشانیاں ہیں زمین کی سطح پر جو ایک خاص مطلب رکھتی ہیں۔صرف ریسرچ کرنے والا ماہر طبیعات ہی ان کو پہچان سکتا ہے۔یقین جانیئے اس میں شیاطین کا مطلق کوئی اشارہ نہیں۔ یہ سب کا سب تو فہم وفراست اور علم کا تجزیہ ہے۔ چاند، سورج، مدار، زمین، گردش، ان سب کا تجزیہ کرنے کے بعد پل، گھڑی، پہر، دن، رات اور ماہ وسال کو اپنی اپنی حد میں باندھا گیا۔قمر کی چڑھتی تاریخیں، عورت، چاند اور سمندر کا بھید، عید، بقرعید، حج، روزہ، نماز کے اوقات، چاند نکلنے کا دن، سوج گرہن اور چاند گرہن، اماوس کی سیاہ رات، یہ سارا نظام کیسے متعین ہوا؟

فقط علم سیارگان یا آپ یوں سمجھ لیجئے کہ ان سب کا حساب کتاب نکالنے والا صرف اور صرف ستارہ شناس، دوسرے لفظوں میں نجومی تھا۔نجومی وہ شخص ہوتا ہے جو ستاروں کی رفتار، اوج، شرف، تربیع، مقابلہ، قرن، شلث، تسلسل سے نجومی علم رکھتا ہو۔

ایسے ہی شخص کا تشکیل دیا ہوا وہ چارٹ ہے جو ہر مسجد میں ملے گا۔آپ نمازوں کے اوقات، رمضان کے افطار سحر، سورج کا طلوع وغروب اس چارٹ پر دیکھتے ہیں۔ یہ اس کی محنت سے تیار کیا ہوا چارٹ ہے اور آپ نے کبھی نہ سوچا کہیں یہ بھی شیاطین کی طرف سے آمدہ کوئی خبر نہ ہو۔

اور بھی کئی علوم ہیں۔نیچر، سٹڈی اور جغرافیہ دانی تو بہت پہلے سے چلے آرہے ہیں۔ آج کے دور میں کمپیوٹر سسٹم، ٹیلی کاسٹ، ریڈیو، ٹی وی، وائرلیس وغیرہ کو دیکھ لیجئے۔آپ ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ابھی یہ بات پرانی نہیں ہوئی کہ ریڈیو اور بعد میں ٹی وی کے خلاف فتوے بھی صادر فرمادیے گئے تھے۔آج ریڈیو پرانہی فتوے دینے والوں کی آواز میں

سننے اور ٹی وی پر ان کے چہرے دیکھنے کو اکثر و بیشتر ملتے ہیں۔

سن تو سہی جہاں میں ہے تیر افسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا

جس طرح نیم حکیم خطرۂ جان ہو سکتا ہے اسی طرح علوم سے واقفیت نہ رکھنے والے بھی ہیں۔ آگ، پانی، مٹی اور ہوا، عنصر کیا بلا ہے؟ گیس کسے کہتے ہیں؟ تابکاری چہ معنی دارد؟ پانی تو پھر پانی ہے ہم جانتے ہیں۔ یہ ندی نالوں میں بہتا ہے یہ Evaporation کس چڑیا کا نام ہے؟ کون سی دو گیسوں کا مجموعہ پانی ہے؟ ہائیڈروجن گیس اور آکسیجن کیا ہیں؟

علم کیمیا، فلسفہ، صرف ونحو، کیمیاوی تجزیہ، حکمت، علم ہندسہ، حروف ابجد جیسے علوم کا سرا مسلمانوں کے ہی سر رہا۔ کیا وہ مسلمان نہ تھے؟ اسلام کے دائرے سے خارج تھے؟ شیاطین کی کسی جماعت سے ان کا گٹھ جوڑ تھا؟...... دنیا کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے اور آپ کہاں کھڑے ہیں!

ہر چیز اپنے اپنے دائرہ اختیار میں اپنا علیحدہ حکم اور تاثیر کے ساتھ ساتھ قسمت رکھتی ہے اگر خوراک جسم کو توانائی بخشنے کا ذریعہ ہے اور فرحت طاقت آسودگی اور زندگی کا حکم رکھتی ہے تو دوسری طرف اس کی زیادتی، اعتدال سے گذر جانا، بے دریغ استعمال سے جان تلف بھی ہو سکتی ہے، بیماری پیدا کر سکتی ہے، طاقت کی بجائے پیٹ میں کیڑے متلی، قے، سدے بھی پیدا کر دیتی ہے، یعنی زندگی بخشنے والی چیز وقت سے پہلے جان سے مار بھی سکتی ہے۔ کوئی فارمولا ہو کوئی نظریہ ہو، کوئی فرض کیا ہوا ہو یا عقیدے کے تحت ہو، اپنی نوعیت کھو دیتا ہے جب اپنے دائرے اختیار سے تجاوز کر جاتا ہے۔

آسمان سے آگ کے گولے ضرور مارے جاتے ہیں۔ ان کا درست نام شہاب ہے۔ ستارے نہیں۔ آج تک کوئی ستارہ نہیں ٹوٹا۔ ٹوٹنے والے صرف شہاب ہیں جو مثل آگ کے گولے کے جلتے ہیں اور زمین کے مدار میں داخل ہونے سے پہلے ہی راکھ ہو جاتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہر بات مکمل کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہے مسلمان تو مسلمان قرآن

کریم کی شان یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے مفکر بھی اس میں کسی کمی کی نشاندہی نہیں کرسکتے۔ کسی سے یہ ثابت نہ ہوسکا کہ کوئی ایک بھی آیت ہے جو وہ معنی نہ رکھتی ہو۔ یہ اپنی اپنی عقل کا پھیر ہے۔ یہ ہمارا شعور ہے اور جو کچھ ہم سمجھتے ہیں، ضروری نہیں قرآن مجید کا مفہوم وہی ہو۔ البتہ اگر ہم عقل اور ایمان کی گرمی رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور کریں......اور تم کو کیا ہو گیا ہے تم قرآن پر غور کیوں نہیں کرتے؟

حضرت یوسفؑ کا واقعہ، خواب کا علم، سات موٹی گائیوں کو سات دبلی گائیوں کا نگل جانا۔ انگور کا خوشہ نچوڑ کر بادشاہ کو پلانا، سر پر ٹوکرا اٹھائے ہوئے ہونا کہ چیل اور کوے جھپٹ رہے ہوں۔ ان سب کی تعبیر ذریعہ تھا ایک علم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا۔ پھر موسیٰؑ اسے اس کی قوم کا دریافت کرنا قاتل کے بارے میں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان پھر اس گائے میں شبہ پڑنا تب تفصیل معلوم ہونا کہ زرد رنگت ہو، نہ دودھ دیتی ہو نہ بوجھ اٹھاتی ہو، اس پر ایک طریقہ بتانا، ذبح کے بعد اس کا ٹکڑا مقتول پر کیا احوال لایا یہی کہ مردے نے بتا دیا کس نے قتل کیا ہے۔

بات تو قاتل کی دریافت تھی۔ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے۔ جانتا ہے جو کچھ گزر گیا، جو کچھ گزر رہا ہے اور جو کچھ گزرنے والا ہے، موجود ہے اس کے پاس ہر چیز کی گنتی اور نہیں ہے کچھ ڈھکا ہوا یا چھپا ہوا کہ اس کو علم نہ ہو اور یوں بیان کیا گیا قرآن کریم میں کھول کھول کر یوں بھی تو ہوسکتا تھا کہ حضرت موسیٰؑ کے دریافت کرنے پر اللہ تعالیٰ قاتل کا نام بتا دیتے۔ اللہ تعالیٰ دانا بینا اور ہر بھید پر قادر مطلق ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں اس میں کیا راز تھا؟

سند کوئی حیثیت نہیں رکھتی جب تک اہلیت مستند نہ ہو۔ اس پر پورا پورا شعور نہ ہو اور یہ کہ اس کی حدود سے شناسائی نہ ہو۔ ہر چیز اپنے دائرے میں ایک حکم رکھتی ہے۔ حد سے باہر وہ حکم بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ وہ حلال، حرام میں سے ہو، وہ فرض کر دیا گیا ہو، اس کے کرنے کا حکم یا چھوڑ دینے کا حکم بعض حالتوں میں بدل جایا کرتا ہے۔ مجذوب سے فرض ہٹا لئے جاتے ہیں۔ مفلس کو زکوٰۃ اور قربانی کے ساتھ حج کے فریضہ سے بھی خارج کر دیا جاتا

ہے بغیر حلال کیے مچھلی اور ٹڈی کھائی جاسکتی ہے۔ اسلام کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا نہ کسی کو مجبور کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ لہولعب، باطل گمان اور گمراہی کو پسند نہیں فرماتا۔ وہ لاشریک ہے۔ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہنے والا ہے۔ ہر شخص سوائے دہریئے کے ایک اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ ہم مسلمان ہیں۔ دین اسلام کے ہر رکن کی ہمیں خبر ہونی چاہئے۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ غیبت کو پسند نہیں کرتا۔ وہ ارشاد فرماتا ہے...... تو کہہ میں پناہ میں آیا صبح کے رب کی۔ اور وہ خود فرماتا ہے والعصر یعنی اترتے دن کے وقت عصر کی قسم سوچئے کیا بزرگی ہے اترتے دن میں اور کیا عافیت ہے صبح کے وقت میں؟ اور کیا بھید ہے کہ فرمادیا...... اور تم ڈھونڈ واسے شب قدر رمضان کے آخری عشرے میں اور یہ کہ وہ تین ہیں اور چوتھا ان کا کتایا وہ چار ہیں اور پانچواں ان کا کتا...... ''اصحاب کہف'' اور پھر کیا قدر اور قدرت دکھانی مقصود تھی بعد ایک مدت کے ان کو جگادیا اور ایک ضروریات خوراک لانے گیا بازار میں۔

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اس کے بھید نرالے ہیں۔

ہم دست شناس اور ستارہ شناس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں۔ عجیب اتفاق ہے اور عجیب بے چارگی، کسی نے نہ کہا کہ ان سائنسدانوں کے پاس بھی شیاطین آتے ہیں ایٹم بم کے فارمولے لے کر نہ کسی کی مجال ہے۔ سیاست دان پر انگلی اٹھائے کہتا کیا ہے اور کرتا کیا ہے۔

ایک ستارہ شناس دیکھا۔ فٹ پاتھ پر پھٹی پرانی دری بچھائے بیٹھا تھا۔ دو چار بوسیدہ کتابیں، مسکین صورت نیم فاقہ کشی کی حالت، عکس پنجہ بھی موجود تھا۔ ضرور یہی ہے وہ دست شناس جس کے پاس شیاطین آتے ہوں گے اور اِدھر اُدھر کی خبر دے جاتے ہوں گے۔ بھری دوپہر میں سنسان گلیوں میں جب گرم لو چل رہی ہوتی ہے، ہم نے دیکھا ہے وہ شخص میلا کچیلا تھیلہ کندھے سے لٹکائے فال، رمل، دلیل کی صدا لگاتا ہمارے گھر کے دروازے سے گزر جاتا ہے۔ قسمت کا حال، آنے والے واقعات، شادی، نوکری، مقدمے میں کامیابی، محبت اور روزگار میں فتح سب بتلاتا ہوگا۔ جادو، ٹونہ ٹوٹکہ بھی کرتا ہوگا۔ کالے علم کا

ماہر ہنومان کا جاپ بھی کرتا ہوگا۔

ہم نے کہا یہی ہے رمال، جوتشی، جادوگر، کالے علم کا ماہر، پھر ہم سوچ بھی کیا سکتے تھے۔ ہم خودشناخت سے صفر جو ہوئے۔ اس نے کہا دست شناس۔ ہم نے فوراً ہاتھ پھیلا دیا۔ اس نے کہا ستارہ شناس یعنی نجومی۔ ہم نے جھٹ سے اپنا زائچہ طلب فرمالیا۔ چکنی چپڑی باتیں، سنہرے خواب، دفینہ ملنے کی امید، محبت میں کامیابی کا مژدہ، درحقیقت ہماری کمزوریاں ہیں۔ ہم دیکھ رہے تھے مگر اندھے تھے ہم سن رہے تھے مگر عقل کے بہرے تھے۔

ہونا تو وہی تھا جو ایسی بے ہودہ باتوں کا نتیجہ نکلا کرتا ہے۔ بھلا سوچو تو ایک طرف ہم مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ دوسری طرف اپنا کام نکلوانے کا جادو کا سہارا لینا چاہتے ہیں۔ شیطان نے ہمیں بہکایا تھا اور ہم بہک گئے تھے پھر ہمیں خدا یاد نہ رہا بس کالا علم یاد رہ گیا اور ہم سہارے ڈھونڈتے ڈھونڈتے اتنی دور نکل آئے کہ خدا کی بستی تو بہت پیچھے رہ گئی۔ اور ہم اپنے آپ کو مسلمان ہی سمجھتے رہ گئے۔

میرا مطلب کسی کی دل آزاری نہیں بلکہ علم اور اس کی ماہیئت کے علاوہ جھوٹ، غلط حکمت عملی اور عام طور پر اسلام سے ناواقفیت کا ایک رخ اجاگر کرنا ہے، ورنہ نہ تو وہ شخص نجومی تھا نہ فال رمل دلیل بیان کرنے والا۔ نہ ہی دست شناس یا جادوگر اور نہ ہی اس شخص کے پاس ایسا کوئی علم ہے جو آپ کی مشکلات کا حل بتا سکے یا آپ کو آپ کی پریشانیوں سے نجات دلا سکے۔ اگر وہ قصوروار ہے تو اتنا کہ بحالت مجبوری اور فاقہ کشی پیٹ پالنے کے لئے کوئی اور راستہ نہ مل سکا تو یہ راہ اختیار کرلی۔ قابل معافی آپ بھی نہیں بلکہ دراصل آپ ہیں جو تمام برائی کی جڑ ہیں۔ آپ کی بزدلی اور بے ہمتی نے آپ کو مجبور کر دیا تھا۔ آپ کے پاس چار پیسے تھے، آپ نے شاٹ کٹ مارنے کی کوشش میں بے سوچے سمجھے اس شخص پر اعتماد کرلیا اور اس کی جسارت بڑھائی کہ وہ اسی ڈگر پر چلتا رہے اور سادہ لوح انسانوں کا خون چوستا رہے۔

ستاروں کا علم محض ایک علم ہے اور دست شناسی ایک فن ہے۔ ان دونوں کی حقیقتوں کو

حالات، پیداواری صورتیں، زمین کے حالات، ہواؤں کا رخ، فصلوں پر بیماریاں، انسان، حیوان، نباتات اور جمادات پر مختلف زاویوں سے پڑنے والے اثرات مثلاً بارش، آندھی، طوفان، زلزلہ، قحط اور اس قسم کے دیگر اثرات سمت اور پوزیشن، قرن، مقابلہ، تربیع، اوج اور شرف کی حالتوں سے بالکل صاف، درست اور قابل یقین گارنٹی کے ساتھ معلوم کیے جا سکتے ہیں، یہ ایک قدرتی ذریعہ ہے ایک علم ہے۔ البتہ مشق نگاہ سمجھ اور شعور کے ساتھ ساتھ حساب کی اشد ضرورت ہے۔ اس میں شیاطین کی کسی فوج کا دخل نہیں ہے۔ فقط ایک علم ہے اور اس کا ایک الگ انداز ہے۔ کسی مذہب پر اس کی زد نہیں پڑتی اور جمع، ضرب، تفریق اور تقسیم کی درست تنظیم پر جو بھی جواب آئے گا وہ فنی حیثیت اور معلوماتی قدروں کے ساتھ حقیقت پر مبنی ہوگا۔

اس طرح دست شناس بھی حکیم حاذق کی طرح جو نبض پر ہاتھ رکھ کر بتا دیتا ہے کہ اس کے گردے خراب ہیں وہ آدمی ضعف معدہ کا مریض ہے، اس آدمی کے پیٹ میں کیڑے ہیں وغیرہ، اور وہ صحیح تشخیص کر ڈالتا ہے، ایسا ہی دست شناس ہوتا ہے شرط یہ ہے کہ وہ اپنے علم و فن کا ماہر ہو، اگر کسی شخص کی ہتھیلی گہری اور پسینہ لاتی ہے تو یہ جگر کی خرابی کی علامت ہے۔ کسی شخص کے ہاتھ میں گہرے نقطے ہوں تو اس کا دل کمزور ہوگا۔ کسی کے ناخن کھردرے اور ان پر سفید نشان ہیں تو بدن میں ریشہ بہت ہوگا۔ یہ علامتیں کسی سبب کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

کسی درخت کے تنے کو کاٹ دیا جائے تو اس پر گول گول دائرے لکیروں کے سبب سے بنے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ماہرین جو لکڑی کے بارے میں وسیع تجربہ رکھتے ہیں، ان دائروں کو پڑھ کر اور گن کر اس درخت کی صحیح عمر بتا دیتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ ہاتھ پر لکیریں اس وجہ سے پڑ جاتی ہیں کہ ہاتھ فولڈ ہوتا ہے۔ درخت کا تنا تو فولڈ نہیں ہوتا۔ اس پر لکیریں کیسے پڑ گئیں؟ پتھر کے ٹکڑے کو توڑ ڈالئے۔ آپ کو اس میں بھی لکیریں دکھائی دیں

گی۔ ان لکیروں میں کوئی راز پوشیدہ نہیں۔

تجربہ کار لوگ ستارے دیکھ کر سمت کا تعین کرتے ہیں۔ ہیئت دان ستارے کی ماہیت، اس کے مقام زمین سے دوری اور بروج کی مناسبت سے اس کے اثرات کو جان لیتا ہے۔ سمندر میں مدوجزر کی چاند کی تاریخوں کے مطابق آتا ہے۔ چڑھتے چاند میں سمندر کناروں پر چڑھتا ہے۔ مچھلیاں پانی میں سمٹ جاتی ہیں اور چاند کی اترتی تاریخوں میں سمندر سمٹ کر کنارے سے ہٹتا جاتا ہے اور مچھلیاں کم گہرے پانی میں آجاتی ہیں۔

عورت کے بائیں پیر کے انگوٹھے کی جڑ چاند کی آخری تاریخ کو پھڑکتی رہتی ہے اور چاند جب نکل آتا ہے، یعنی چاند رات کو تو یہ بھڑک دائیں پیر میں اس وقت منتقل ہو جاتی ہے جب چاند ہو جاتا ہے اور پھر ہر روز دائیں طرف ایک ایک تاریخ کو یہ نبض کی پھڑکن بڑھتی جاتی ہے۔ مثلاً دو تاریخ کو دائیں پاؤں کے محراب پر تین کو ٹخنے میں چار کو پنڈلی اور اسی طرح پندرہ تاریخ کو ابرو پر ہوتی ہے۔ یہ بتدریج ہر تاریخ پر اسی طرح بائیں طرف اترنا شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ چاند کی آخری تاریخ جو بھی ہو بائیں پیر کے انگوٹھے کی جڑ پر ہوتی ہے۔

نیم بے ہوشی کے دورے، مرگی، پاگل پن اور اختلاج کے دورے چاندنی کے مختلف زاویوں کے بڑھنے کے باعث جو بھی زد میں آجائے، پڑنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ان کا علاج کسی ڈاکٹر یا حکیم کے بس کی بات نہیں۔ صرف وہی شخص علاج پر دسترس رکھتا ہے جو ان زاویوں کا توڑ جانتا ہے اور وہ صرف ایک تجربہ کار بروج شناس ہی ہو سکتا ہے۔

ستاروں کے تمام بروج میں دورانیہ، مخصوص راستہ، قیام اور اثرات پر عرصۂ دراز سے تحقیق جاری ہے۔ چاندنی اور سایہ کے علاوہ دھوپ کا ڈھلنا، سایہ کی جسامت کا گھٹنا بڑھنا اور ان کے مسبب اور غیر مسبب اثرات اب کوئی پوشیدہ نہیں رہے۔ دنیا کا نظام ان کی حرکات طلوع اور غروب سے وابستہ ہے۔ وہ لوگ جو ان علوم میں مہارت رکھتے ہیں یا ان جیسے دیگر علوم میں واقفیت رکھتے ہیں، عام طور پر دوسروں سے ہٹ کر اپنی زندگی گزارتے

ہیں۔ یہ لوگ وقت کی قدر جانتے ہیں اور اپنے حسابات اور تجربات میں منہمک رہتے ہیں۔ وہ بہت حساس اور لطیف جذبات کے ساتھ ساتھ پاکیزہ خیالات اور کم گو لوگ ہوتے ہیں۔ ان کا تجربہ وسیع اور حساب درست ہوتا ہے۔ شیاطین اور برائی کے کاموں سے ان کا واسطہ نہیں ہوتا۔ دراصل یہ علوم اتنے پراسرار ہیں کہ ان پر تجربے کے لیے ایک عمر درکار ہے۔ ان لوگوں کے لئے کام بہت اور وقت بہت تھوڑا ہوتا ہے۔

میں مانتا ہوں کہ زمانۂ جہالت میں جب ابھی اسلام طلوع نہیں ہوا تھا، اسی زمانے کے کاہنوں، راہبوں اور بعض خودغرض لوگوں نے دنیاوی لالچ اور لوگوں کو اپنا غلام بنانے کے لئے اپنے لئے ایسے ہی کچھ نام رکھ لئے تھے۔ وہ لوگ عام طور پر شرپسند، بددیانت اور مکار تھے۔ اپنے گندے اور شہوت پرست خیالات کے زیراثر اپنا دبدبہ قائم رکھنے اور اپنے آپ کو دیگر انسانوں سے برگزیدہ جتانے کے لئے ایسے ناموں کا سہارا لیتے تھے۔ قرآن حکیم میں اشارہ بھی ان جیسے لوگوں کی ہی طرف ہے۔ یہ فتنہ پرور لوگ اپنی ہوس میں اندھے، ہر وہ برے سے برا کام کرلیا کرتے تھے جو انسانیت کے شایان شان نہیں۔

آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں۔ وہ نہ تو ستارہ شناس ہیں نہ علم ہندسہ کا تجربہ رکھتے ہیں۔ دست شناسی کے اصول بھی معلوم نہیں مگر یہ کہ وہ ہاتھ کی لکیر دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ محبت کی شادی ہوگی، امتحان میں کامیابی ملے گی، دولت بہت ہاتھ لگے گی وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام باتیں بے بنیاد اور لغو ہیں۔ صرف سائل کا دل خوش کرنے اور چند سکے اس کی جیب سے جھاڑنے کا ایک ذریعہ ہے۔ ہاتھ کی لکیریں پڑھ کر یہ بتایا جاسکتا ہے کہ اس کو کیا بیماری ہے، اس کے جسم میں خون کی کمی ہے، یہ شخص دلیر اور بہادر ہے یا یہ شخص آرام طلب ہے یا محنتی ضدی طبیعت یا نرم طبیعت رکھتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

دست شناس ہو یا ستارہ شناس آج دنیا میں کوئی سا بھی شعبہ ایسا نہیں ہے جہاں زیادہ تر نقل نہیں ملتی۔ حکیم، ڈاکٹر، پیر، فقیر، کس کس کا نام گنو گے، دنیا بھری پڑی ہے ایسے لوگوں سے۔ بازار کے چوک پر، میلے ٹھیلے میں یا کسی فٹ پاتھ پر ایسا جو شخص آپ کو ملے گا اس کی ایک آدھ بات کا سچ ہو جانا کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ اگر دس باتوں میں سے کوئی ایک دو بھی

سچ ثابت ہوجاتی ہیں تو یہ محض ایک اتفاق ہے۔ یہ تو کوئی دلیل نہیں کہ ستارہ شناسی اور دست شناسی کوئی فن ہی نہیں۔ یہ کوئی علم ہی نہیں۔

کیا آپ نے نہیں دیکھا جنتری جو سال کے شروع سے بہت پہلے چھپ کر بازار میں پہنچ جاتی ہے اس میں چھ سات ماہ بعد ہونے والا سورج گرہن یا چاند گرہن کا وقت کتنا صحیح دیا ہوا ہوتا ہے؟ فلاں دن کتنے گھنٹے اور منٹ پر شروع ہوگا اور کتنی دیر تک رہے گا۔ یہ پہلے ہی بتا دیا جاتا ہے کہ چاند کب انتیس کا ہوگا اور کب تیس پورے ہوں گے ایک ماہر ستارہ شناس کا حساب غلطیوں سے پاک ہوتا ہے۔ وہ ستارہ شناس مسلمان ہوسکتا ہے ستارہ پرست نہیں کہ آپ اسے اسلام سے خارج کردیں۔ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ وہی شخص جان سکتا ہے جو بہت حد تک ان سے آشنا ہو اور علم رکھتا ہو نہ کہ وہ شخص جو ان علوم کی الف ب سے بھی واقف نہ ہو۔

جو علم انسانیت کی فلاح اور بہبود کے لئے ہے نیک ہے اگر جائز حدود کے اندر اس طرح رہے کہ نہ تو کسی کی حق تلفی ہو نہ ہی کسی کے لئے باعث تکلیف روحانی طور پر یا جسمانی اور ذہنی طور پر ہو یقیناً وہ انسانیت کی خدمت کی طرف نیک قدم ہے۔ صرف اتنا مقصود ہے کہ وہ خدا ہے واحد ہے، لاشریک ہے نہ کوئی ساتھی ہے اس کا نہ شریک نہ کسی سے جنا گیا نہ ہی کسی کو اس نے جنا۔ وہی تو ہے سب جہانوں کا رب اور جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں ہے۔ تمام حمد و ثنا اسی کے لئے ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاتم النبیینؐ اور یہ کہ توفیق بخشی مجھے اپنی رحمت سے کہ آگاہی پائی میں نے اس علم پر کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے مقرر کردیں منزلیں چاند، سورج اور ستارے لگے ہوئے اپنے اپنے راستوں پر اور رکھ دیں ان میں نشانیاں، تو دیکھ ایک پل کی بھی دیر نہیں کرتا طلوع میں اور غروب میں اور بنائے اللہ تعالیٰ نے برج آسمانوں میں اور گنتی ٹھہرا دی منزلوں میں اس طرح کہ نکالا رات میں سے سحر کا اجالا۔ دن اور اور رات اور جوڑا بنایا۔ بے شک وہی تو ہے لائق عبادت اور نہیں ہے کوئی معبود اس کے سوا۔ پس پاکی بول اور حمد و ثنا جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اپنے علم سے جتنا چاہتا ہے۔

باقی کوئی ستارہ پرست ہے یا بت پرست کوئی کاہن ہے یا راہب ہے ہر شخص اپنی اپنی نیت کے حساب سے داخل ہوگا اپنے جیسے گروہ میں اور میں سمجھتا ہوں وہ کیا ہیں، کیوں ہیں، یہ ان کا ذاتی فعل ہے۔ جس کے لئے وہ خود جوابدہ ہوں گے۔

ایک کسان جانتا ہے گیہوں کب بونی چاہئے کتنے پانی دینے چاہئیں۔ ایک حکیم جانتا ہے بیمار کی حالت کیا ہے، کیوں ہے، ٹھیک ہو جائے گا یا نہیں، قابل علاج ہے یا لا علاج، ایک تجربہ کار شکاری جانتا ہے ہوا کے مخالف سمت سے اگر جنگل میں داخل ہو گا تو شکار مل سکے گا لیکن ہوا کے رخ پر جنگل میں داخل ہوگا تو اس سے بہت پہلے اس کے بدن کی بو جنگل میں پھیل جائے گی جسے شکار کی سونگھنے کی حس محسوس کرتے شکار کو بھگا دے گی۔ وغیرہ وغیرہ ناک کے دونتھنوں سے سانس جاری اس طرح رہتی ہے کہ ڈھائی گھڑی ایک طرف سے پانچ منٹ دونوں طرف سے پھر ڈھائی گھڑی دوسری طرف سے۔ دائیں سے سانس چلے تو سرگرم ہے۔ ایسے میں بخار چڑھا تو سر کو چڑھے گا۔ دونوں نتھنے ایک ساتھ چل رہے ہوں تب بخار چڑھا تو اس بخار سے مر جائے گا۔ بائیں نتھنے سے سانس چل رہا ہے تو بلڈ پریشر دل کا دورہ، دایاں گرم اور بایاں ٹھنڈا ہے۔ دونوں کو ششمنہ کہتے ہیں۔ انسان کی ناک کے یہ دو نتھنے تنتر دیدہ کا ایک علم ہے۔ بے شمار اشارے چار انگل سے سولہ انگل بنتے ہیں جن میں سے ایک بھی غلط ثابت نہیں کیا جا سکتا، نہ ہی ان پر کوئی شک ہو سکتا ہے۔ اگر ان کو سمجھ کر اس سے مطابق کوئی بات کہہ دی جائے تو وہ سو فیصد درست جواب ہوگا اور قریبی مدت میں وہی شکل ظاہر ہوگی۔ بلا مبالغہ یہ علم الغیب نہیں ہے حالانکہ جو کچھ وقوع پذیر ہونے والا ہے اور جس پر واقعہ گزرنے والا ہے وہ بھی نہیں جانتا مگر اس علم کا جاننے والا بڑی آسانی سے قبل از وقت اطلاع دے سکتا ہے۔

ایسے ہی علم العدد کی بھی علیحدہ شاخ ہے۔ علم الجفر اس علم کا ایک حصہ ہے۔ قدرت نے ہمیں لاشریک سے اکائی عطا فرما دی پھر ہم کو بتایا گیا جوڑا۔ اس کو پا کر ہم نے گنتی بڑھائی یہاں تک کہ دہائی پر پہنچ گئے۔ پھر سینکڑہ ہزار، لاکھ اور کروڑ بن گئے۔ علم العدد میں

جوڑ السبت اور دوسرا کشاد بنایا۔ ایک طرح بندش پر اور دوسری بڑھوتی پر۔ گویا بست موت ہوئی اور کشاد زندگی بنی۔ اس بنا پر آغاز اور انجام کی شکل سامنے آگئی۔ جب بست نہ تھی کشاد بھی نہ تھی تو صرف عدد تھا۔ اکائی سی تھا تب کہیں گے صرف اللہ اکیلا موجود رہا۔ اس بنا پر کہا جاسکتا ہے دنیا میں کوئی مذہب نہیں ہے جو خدا کو اکیلا، واحد لاشریک نہیں جانتا۔

جہاں تک لفظ شناس کا مفہوم ہے اس کا مطلب ہے شناسا یعنی پہچان والا لیکن ستارے کو یا ہاتھ کو تو ہر کوئی دیکھ کر پہچان لے گا یہ ہاتھ ہے وہ ستارہ ہے لیکن ستارہ شناس سے مطلب ہے جو ستاروں کے بارے میں کلی معلومات رکھتا ہو اور دست شناس سے مراد وہ شخص ہے جو ہاتھ کے علم سے واقفیت اور تجربہ رکھتا ہو۔ قرآن پڑھئے پھر غور فرمایئے اگر سمجھ میں آجائے۔ خوابوں کی تعبیر، موسمی پیشنگوییاں، چاند اور ستاروں کی طرف پرواز ان کی تصاویر اور دیگر سائنسی معلومات اب کوئی داستان الف لیلہ سے یا قصہ طلسم ہوشربا سے نہیں رہا۔ دنیا کہاں سے کہاں چلی گئی اور ہم کہاں کھڑے ہیں! یہ وقت ہے کام کرنے کا مباحثہ کا نہیں۔ شیاطین کا اگر کہیں رابطہ ہے اور کوئی لوگ ہیں ان سے معلومات حاصل کر کے کچھ بتاتے ہیں تو ستارہ شناسی اور دست شناسی کا اس میں کیا قصور۔ اگر کوئی شخص ایسا کوئی چغہ پہن کر شیطانی معلومات یا اپنی طرف سے کچھ بڑھا کر بیان کر رہا ہے تو یہ اس کا اپنا ضمیر ہے اپنا کردار ہے۔ البتہ ایسے نقل کرداروں سے اصلیت بظاہر مجروح ہو رہی ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ علم اپنی جگہ صرف علم ہے اور ایسا علم جس کی بنیاد شر پر نہ رکھی گئی ہو بلکہ انسانیت کی خدمت کرنا اس کا مفہوم ہو وہ مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا جب تک وہ کسی طرف سے مجروح نہیں کرتا۔ علم کی جستجو اب کس کو رہ گئی ہے! ڈگریاں علم اور معلومات سے زیادہ قیمتی ہیں۔ بھاری ہیں اگرچہ وزنی نہیں ہیں۔ یہ انسان ہے دونوں راستے آج بھی اس کے آگے کھلے ہوئے ہیں۔ سزا اور جزا آج بھی موجود ہے۔ قانون وہ ہے جو شرع ہے۔ وہی قاضی کے لئے وہی چور کے لئے فیصلہ وہ ہے جو حق اور انصاف کے تقاضے پورا کرتا ہو نہ کہ وہ جو نام نہاد کے فرض اصولوں پر لاگو کر دیا جائے۔ فیصلوں پر نگرانی کا حق صرف اس کے پاس ہونا

چاہئے جو اصولی طور پر بھی اور ذاتی طور پر بھی ان فیصلوں پر کاربند ہو۔اس کے ساتھ ساتھ اسے پوری طرح باخبر ہونا چاہئے ان تمام احوالوں سے اور ان کی نیت سے تاکہ ناسمجھی اور جلد بازی میں کہیں ایسا نہ ہو کہ غلط فیصلہ صادر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ جانتا اور دیکھتا ہے۔اور ایک دن جب یوم یقوم الحساب ہوگا۔ذرہ برابر نیکی اور ذرہ برابر بدی عیاں کر دی جائے گی۔اس دن کسی کے ساتھ ظلم روا نہ رہنے دیا جائے گا...... اور قریب ہے وہ دن جس کا وعدہ دیا گیا ہے۔بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اس دن فقط تجھ سے تیرے اعمال کے بارے میں استفسار ہوگا جو کچھ تو کرتا تھا۔(۲۷)

۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰ ۱۱ ۱۲

۸ ۹ ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱

مولف کا مضمون نگار سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ (بندہ محمد طارق محمود عفی عنہ)

سیارہ ڈائجسٹ ۱۹۶۸ء میں ہم نے اسی عنوان کے تحت جاپانی، ماہر علم الاعداد فوسایوشی تکاگی کی کتاب ''جاپانی علم الاعداد'' کا ملخص پیش کر کے بتایا تھا کہ کسی شخص کا بنیادی عدد (گینسو) زندگی کا عدد (میسو) غیر اختیاری عدد اور خود اختیاری عدد کس طرح معلوم کیا جاتا ہے۔ ان کہ فوسایوشی تکاگی کے نظریے کے مطابق آپ کی زندگی کا ہر مہینہ کس انداز سے میسر ہوگا۔ لوگوں کے ساتھ تعلقات کیسے رہیں گے۔ شادی کے مبارک اوقات کیا ہوں گے صحت کس طرح بحال رہے گی۔ آپ کی زندگی کا خوش حال سال مہینہ کون سا ہوگا۔ منحوس دن کون سا ہوگا اور آپ کو کیا احتیاط کرنی ہوگی۔

فوسایوشی تکاگی کے نظریے کے مطابق کسی شخص کی ماہانہ قسمت کا غیر اختیاری عدد معلوم کرنے کے لئے اس کی قسمت کا سالانہ غیر اختیاری عدد بنیادی اصول کا کام دیتا ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ مہینے کے عدد میں اس شخص کا سالانہ غیر اختیاری عدد جمع کر دیں۔

مثال کے طور پر ایک شخص محمد انور سیٹھی جو ۲۳ نومبر ۱۹۱۷ کو پیدا ہوا تھا، کی سالانہ قسمت کا غیر اختیاری عدد ۹ ہے۔ اس لئے سال کے ہر مہینے کے لئے اس کی قسمت کا غیر اختیاری عدد یہ ہوگا۔

مہینہ	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	سالانہ قسمت کا
ماہانہ قسمت کا غیر اختیاری عدد	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱	۲	۳	غیر اختیاری عدد ۹

☆ پی وطار کا دوسرا ۱۰ اس کے نیچے یہ نشان ہے۔ ۱ کو بڑے عدد ... میں ... کر کے حاصل کیا گیا ہے۔ اس میں سالانہ غیر اختیاری عدد ۹ جمع کیا گیا ہے یعنی ۹ + ۱ = ۱۰ = ۱۔ اسی طرح یہی عمل کر کے نومبر اور دسمبر کے لیے بالترتیب ۲ اور ۳ حاصل کیے گئے ہیں۔

اگر اس زائچے کے آخری تین مہینوں کا غیر اختیاری عدد، سالانہ غیر اختیاری عدد میں پھر جمع کر دیا جائے تو ان تین مہینوں کے متعلق صحیح صحیح پیشگوئی کی جاسکتی ہے۔ اس لئے اکتوبر، نومبر اور دسمبر میں اگر سالانہ غیر اختیاری عدد جمع کیا جائے تو زائچہ یوں ہوگا۔

سالانہ قسمت کا غیر اختیاری عدد = ۱

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	مہینہ
۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱	۲	۳	۴	ماہانہ قسمت کا
									۳	۴	۵	غیر اختیاری عدد

اس طرح آخری تین مہینوں کی قسمت کے غیر اختیاری اعداد بالترتیب ۳، ۴ اور ۵ ہوں گے۔ یہاں یہ بات ضرور ذہن نشین کر لیں کہ جب اکتوبر، نومبر اور دسمبر کے مہینوں کے ہر دن کی قسمت کے اعداد معلوم کرنے ہوں گے (طریقہ آگے آئے گا) تو ماہانہ قسمت کے غیر اختیاری بنیادی اعداد وہ ہوں گے جو پہلے طریقے سے حاصل کیے جائیں گے یعنی ماہانہ قسمت کے غیر اختیاری عدد کو ہر مہینے کے عدد میں جمع کیا جائے گا۔

ماہانہ قسمت کے اتار چڑھاؤ کے نو زائچے

مندرجہ ذیل ۹ زائچے قسمت کے ماہانہ اتار چڑھاؤ کو ظاہر کرتے ہیں۔

انہی زائچوں کی رو سے ماہانہ اتار چڑھاؤ کا فیصلہ کیا جائے گا۔

(ا) سالانہ قسمت کا غیر اختیاری عدد = ۱

مہینہ	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
ماہانہ قسمت کا	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱	۲	۳	۴
غیر اختیاری عدد										۳	۴	۵

(ب) سالانہ قسمت کا غیر اختیاری عدد = ۲

مہینہ	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
ماہانہ قسمت کا	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱	۲	۳	۴	۵
غیر اختیاری عدد										۵	۶	۷

(ج) سالانہ قسمت کا غیر اختیاری عدد = ۳

مہینہ	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
ماہانہ قسمت کا	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱	۲	۳	۴	۵	۶
غیر اختیاری عدد										۷	۸	۹

(د) سالانہ قسمت کا غیر اختیاری عدد = ۴

مہینہ	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
ماہانہ قسمت کا	۵	۶	۷	۸	۹	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
غیر اختیاری عدد										۹	۱	۲

(ہ) سالانہ قسمت کا غیر اختیاری عدد = ۵

مہینہ	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
ماہانہ قسمت کا	۶	۷	۸	۹	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
غیر اختیاری عدد										۲	۳	۴

(و) سالانہ قسمت کا غیر اختیاری عدد = ۶

مہینہ	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
ماہانہ قسمت کا	۷	۸	۹	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹
غیر اختیاری عدد										۴	۵	۶

(ز) سالانہ قسمت کا غیر اختیاری عدد = ۷

مہینہ	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
ماہانہ قسمت کا	۸	۹	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱
غیر اختیاری عدد										۶	۷	۸

(ح) سالانہ قسمت کا غیر اختیاری عدد = ۸

مہینہ	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
ماہانہ قسمت کا	۹	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱	۲
غیر اختیاری عدد										۸	۹	۱

(ط) سالانہ قسمت کا غیر اختیاری عدد = ۹

مہینہ	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
ماہانہ قسمت کا	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱	۲	۳
غیر اختیاری عدد										۱	۲	۳

نو علامات کی تشریح

وہ نو علامات، جن کا اب ذکر کیا جائے گا۔ ان زائچوں کے اوپر لکھی جاتی ہیں تا کہ ایک عدد کا دوسرے عدد کے مقابل رکھتے وقت ان کے سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری نہ ہو۔ یہ علامات اس وقت استعمال کی جاتی ہیں جب سالانہ قسمت کے اعداد اور مہینوں کے اعداد کو مقابل رکھا جائے۔ ان علامات کے معانی کا اطلاق صرف اس وقت کیا جا سکتا ہے جب سالانہ قسمت کے غیر اختیاری اعداد کے مقابل مہینوں کے اعداد رکھے جائیں۔ یہ علامات ماہانہ جذباتی کیفیات، خیالات، اعمال پر دلالت کرتی ہیں۔ تین حالتوں میں یہ علامات استعمال کی جاتی ہیں۔ (۱) ایک تو اعداد بتاتی ہے (۲) ایک علامت دو مہینوں کے اعداد کے اوپر لگائی جاتی ہے (۳) ایک علامت تین مہینوں کے اعداد کے اوپر لگائی جاتی ہے۔

ابھی چونکہ آپ ان علامات کے استعمال کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ اس لیے فی الحال آپ کے لئے ان کی اہمیت کا جاننا ہی کافی ہوگا۔ جب آپ ماہانہ زائچوں کا بغور مطالعہ کریں گے تو آپ ان علامات کا استعمال کرنا سیکھ لیں گے۔ نو علامات یہ ہیں۔

(۱) اس علامت کا اطلاق دو مہینوں کی مدت پر ہوتا ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پہلے دو مہینوں میں آپ کی جذباتی کیفیت غیر متوازن رہے گی۔ اور آپ کی بیرونی سرگرمیاں بڑی مؤثر ہوں گی۔ آپ اکثر سفر کریں گے۔ دوسرے مہینے کے دوران آپ بہت سوچیں گے۔ اور نئی نئی حکمت عملیوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

(۲) اس علامت کا ایسے مہینے پر اطلاق ہوتا ہے جس میں آپ زیادہ مثبت اقدام اٹھائیں گے اور جس کے دوران آپ کے جذبات میں بے صبری نمایاں ہوگی۔

(۳) — یہ علامت ظاہر کرتی ہے کہ آپ کے جذبات میں سکون پیدا ہوگا اور آپ کاہل بن جائیں گے۔ خود اختیاری اعمال منفی ہوں گے۔ مختصر یہ کہ آپ خارجی دنیا پر بہت کم اثر انداز ہوں گے۔

(۴) اس علامت کا اطلاق تین مہینوں پر ہوتا ہے۔ پہلے مہینے میں آپ کی زندگی میں تبدیلیاں اور اصلاحات ہوں گی۔ اس لیے آپ اپنے معیار کے مطابق عجیب وغریب کام کریں گے۔ آپ کے جذبات غیر متوازن ہو جائیں گے۔ دوسرے مہینے آپ کے جذبات اور اعمال مثبت ہو جائیں گے۔ تیسرے مہینے آپ پرسکون ہو جائیں گے اور اچھی طرح سوچ بچار کر سکیں گے۔ آپ پہلے کی طرح چست نہیں رہیں گے۔

(۵) ▼ آپ کے جذبات تھوڑے سے غیر متوازن ہو جائیں گے۔ لیکن آپ کے خیالات اور اعمال میں تبدیلی رونما ہوگی اور مہینے کے نصف آخر میں آپ زیادہ مضبوط ہو جائیں گے۔

(۶) ● آپ کے اعمال غیر اختیاری طور پر خارجی دنیا سے متاثر ہوں گے اور آپ کا رجحان مثبت ہو جائے گا۔ اسی طرح آپ کے جذبات متاثر ہوں گے۔

(۷) اس علامت کا تعلق دو مہینوں سے ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ چند خاص حالات کا نتیجہ آپ کے حق میں نکلے گا اور خارجی اثرات بھی اچھے نتائج کے حامل ہوں گے۔ ایسا عام طور پر پہلے مہینے ہوگا لیکن دوسرے مہینے میں بھی امکان ہے۔

(۸) ( ) اس کا تعلق بھی دو مہینوں سے ہے۔ ان دونوں کا تعلق جائیداد اور روپے پیسے سے ہوگا۔ اس مدت میں آمدن اور خرچ میں اضافہ ہوگا۔

(۹) اس مدت میں آمدن اور خرچ میں اضافہ ہوگا۔

اس کا تعلق بھی دو مہینوں سے ہے۔ آپ از حد سرگرم رہیں گے اور ان مہینوں میں کافی کام کریں گے۔

علامات اور ان کی تشریح کے بعد اب آپ کو یہ بتایا جاتا ہے کہ جاپانی علم الاعداد کی رو سے یہ نو علامات مہینوں کے اعداد کے اوپر کس طرح لکھی جاتی ہیں۔ تاکہ آپ اپنی ماہانہ قسمت معلوم کرنے کے طریقے سے آگاہ ہو جائیں۔

نو علامات لکھنے کا طریقہ
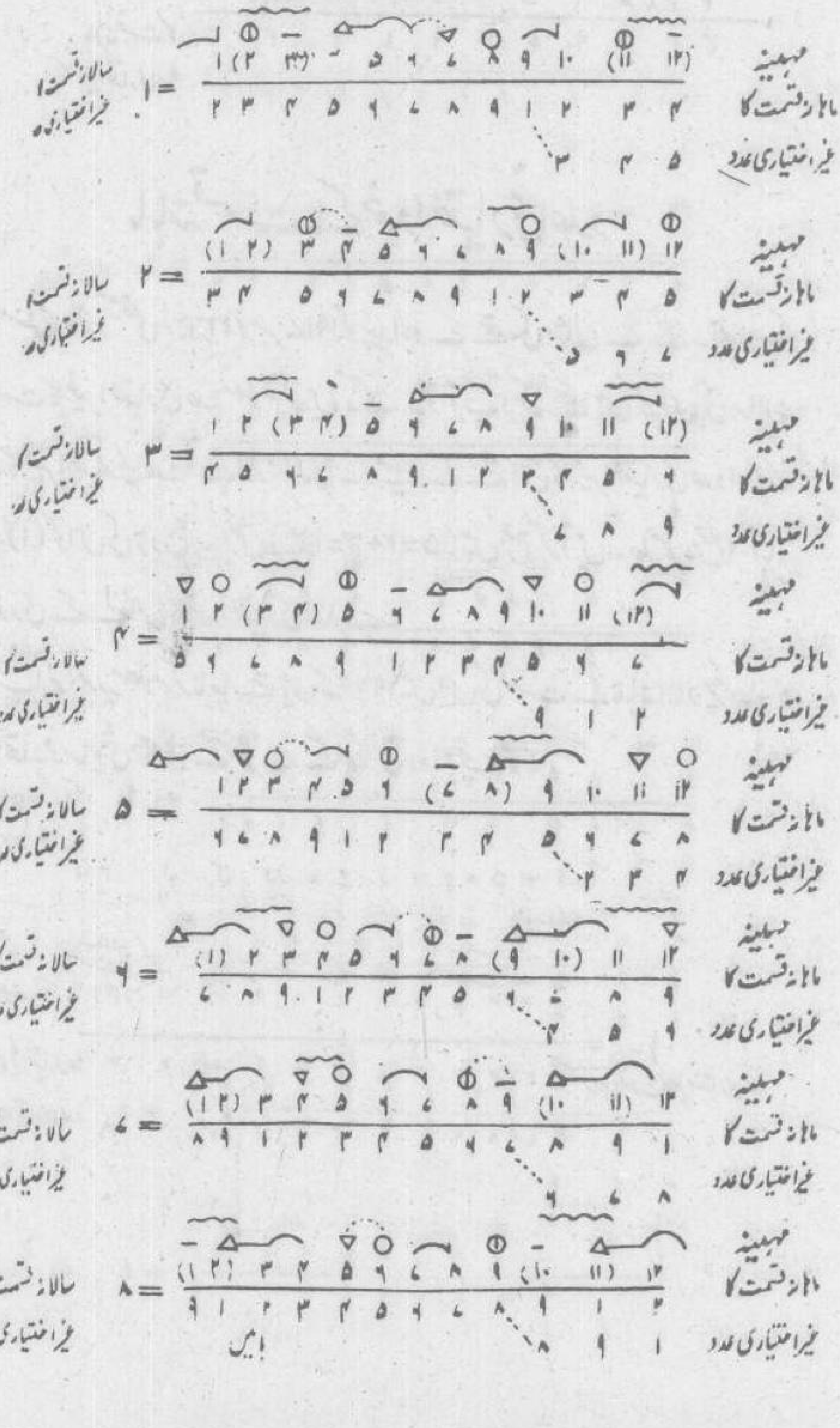
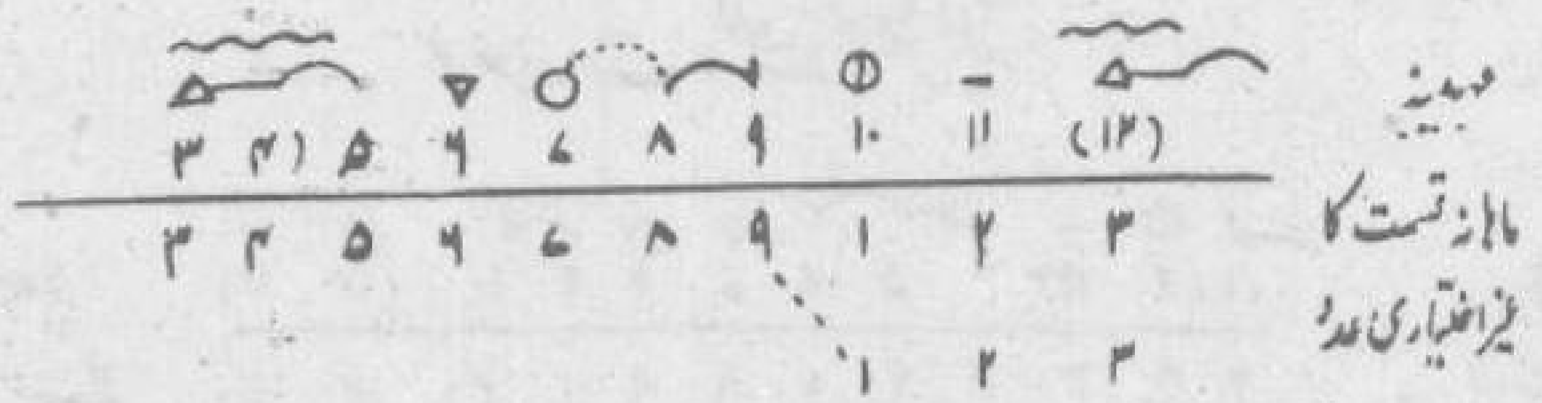

ماہانہ قسمت کے خوداختیاری عدد

مسٹر محمد انور سیٹھی، جو ۲۳ نومبر ۱۹۱۷ کو پیدا ہوئے تھے، کی مثال لے لیجئے۔ ہم ان کی ماہانہ قسمت کا غیراختیاری عدد معلوم کریں گے۔ یہ تو آپ دیکھ چکے ہیں کہ اس کی سالانہ قسمت کا غیراختیاری عدد ۹ ہے اور جنوری کے مہینے کے لئے اس کا غیراختیاری عدد ا ہے۔ اس عدد (ا) کو اس کی تاریخ پیدائش (۲۳=۳+۲=۵) میں جمع کر دیں۔ حاصل جمع ۶ آیا۔ جو ماہ جنوری کے لیے اس کا خوداختیاری عدد ہے۔

اب اگر ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ۱۹۶۴ میں اس کی قسمت کے ماہانہ اتار چڑھاؤ کا زائچہ کیا تھا۔ فوسایوشی تگاگی کے نظریے کے مطابق وہ زائچہ ہوگا۔

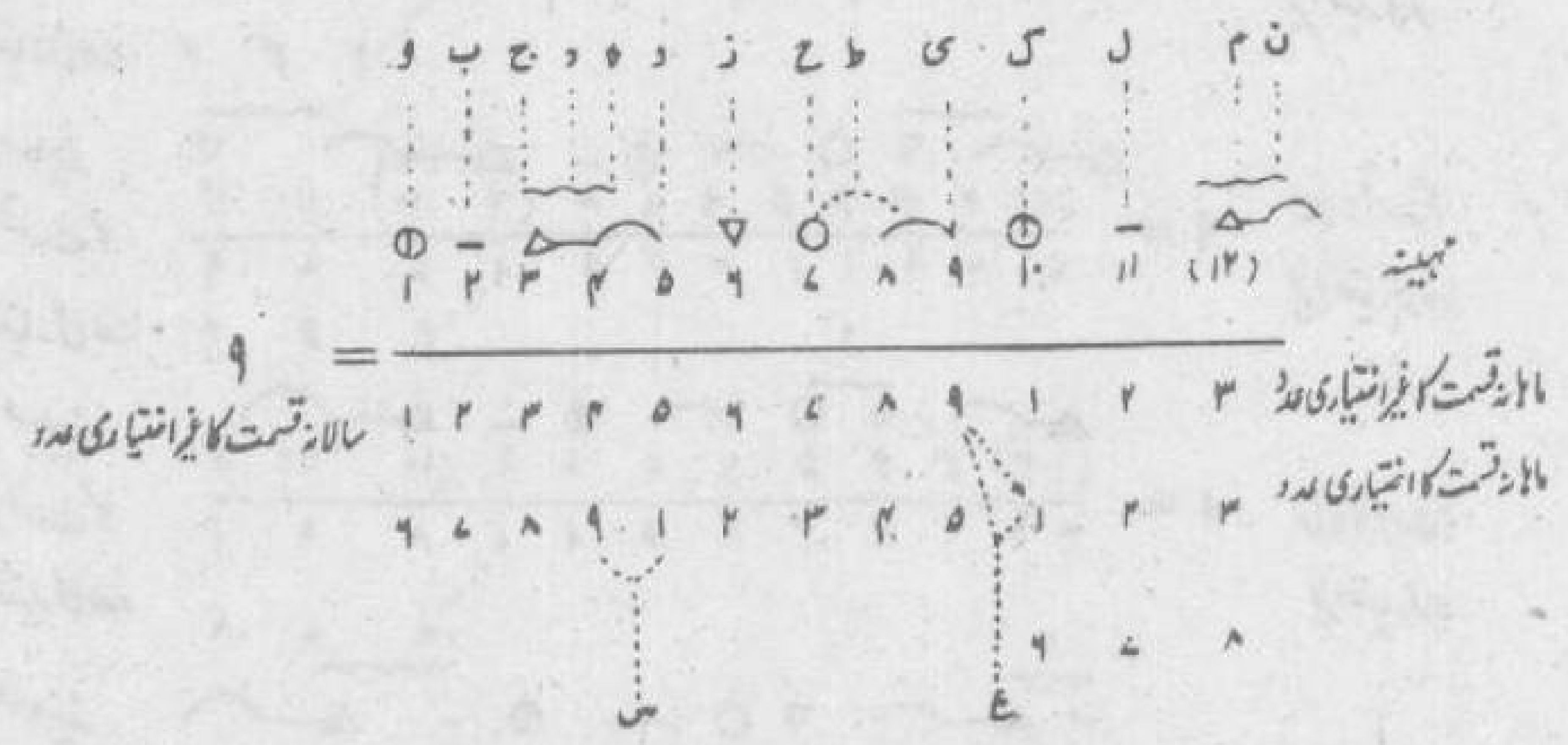

چونکہ ماہ جنوری کے لئے اس کا خود اختیاری عدد ۶ ہے۔اس لیے اب ۶ سے آگے لکھنا شروع کیا گیا ہے اور ۹ پر ختم کیا گیا ہے جو اپریل کا خود اختیاری عدد ہے۔اس کے بعد پھر حسب قاعدہ ا کی تکرار ہے۔جو مئی کا عدد ہے۔اسی طرح دسمبر کا عدد ۸ ہے۔یہ خود اختیاری اعداد اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس شخص سے چند ایسی باتیں سرزد ہوں گی جو اس کے اعمال کا نتیجہ ہوں گی۔اس لیے انہیں خود اختیاری اعداد کہا جائے گا۔

زائچے کی تشریح یوں ہے۔

(ا) قسمت تیز ہوگی (ب) قسمت پائیدار ہوگی (ج) قسمت میں اصلاح ہوگی (د) سرگرمی (ہ) قسمت مثبت رخ اختیار کرے گی (و) قسمت جامد ہونے لگے گی (ز) کوشش شروع ہوگی (ح) غیر اختیاری قسمت ظاہر ہونے لگے گی (ط) غیر اختیاری قسمت اچھی ہونے لگے گی۔(ی) نئی خوش قسمتی ظاہر ہوگی (ک) قسمت سرگرم عمل ہوتی ہے (ل) قسمت پائیدار ہوگی (م) قسمت میں اصلاح (ن) سرگرم زمانہ (ص) خود اختیاری تبدیلیاں (ع) غیر اختیاری تبدیلیاں۔

ماہانہ قسمت کے غیر اختیاری اعداد (ا سے ۹ تک) کی خصوصیات

اپنی ماہانہ قسمت کا غیر اختیاری عدد معلوم کریں۔پھر ان کے خواص دیکھیں جو ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:

ا۔اس مہینے آپ کو تبدیلیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔عام طور پر کوئی بات غیر اختیاری طور پر رونما ہوگی اور آپ نئے نئے کام کریں گے۔چونکہ اس دوران میں آپ کی قسمت تیز ہوگی اس لیے ماہانہ خود اختیاری عدد کے باوجود آپ کو مشکلات کا سامنا ہوگا۔چونکہ اس مہینے کا تعلق ''جدائی'' سے ہے اس لیے آپ کو دوسروں کے ساتھ تعلقات میں محتاط رہنا ہوگا جہاں تک ممکن ہو بحث و تمحیص سے پرہیز کریں۔اس عرصے میں نیا کاروبار، ملازمت، شادی، تبادلہ سفر وغیرہ کا احتمال ہے اس لیے آپ نئی نئی باتوں کا مطالعہ ضرور کریں۔

۲۔آپ کے لئے ترقی کا موقع ہے کیونکہ جو بیج آپ نے غیر اختیاری عدد ا والے

مہینے میں بویا تھا۔ اس کا ثمرہ ملنا شروع ہو جائے گا۔ اگر آپ شرف النفس اور پرکشش شخصیت ہیں تو آپ کو ہر بات میں مسرت حاصل ہوگی۔ اس مہینے آپ دوسرے اشخاص کے ساتھ مل کر کوئی نیا کام کریں گے جو آپ کے ماتحت ہیں جب اس ماہ تبدیلیاں رونما ہوں تو ان کا تعلق آپ کے احباب اور اہل خانہ سے ہوگا۔ مثلاً آپ جذباتی ہو کر ان سے جھگڑیں گے یا ان میں سے کوئی بیمار ہو جائے گا۔ اور آپ از حد مغموم ہوں گے۔ اس ماہ اخراجات بڑھ جائیں گے۔ اس ماہ جو کچھ بھی ہوگا اس کا تعلق آپ کے خاندان، بیوی، والدہ اور دوستوں وغیرہ سے ہوگا۔

۳۔ اس ماہ اکثر نئے نئے معاشرتی تعلقات قائم ہوتے ہیں آپ ایسی باتوں میں سرگرمی سے حصہ لیں جن سے یہ تعلقات بڑھیں گے۔ دوسری طرف آپ اپنی ذاتی سرگرمیوں کی تکمیل کے لئے معمول سے زیادہ روپیہ خرچ کریں گے۔ مثلاً دعوتیں وغیرہ۔ اسی ماہ آپ پرانے دوستوں سے ملیں گے جنہیں دیکھے مدت ہو گئی تھی۔ اس ماہ بہت سی خوشگوار باتیں رونما ہوں گی۔

۴۔ یہ ایسا مہینہ ہے جس میں آپ اپنے فرائض سے پوری طرح وابستہ رہیں گے اور اپنے کندھوں پر بوجھ محسوس کریں گے اس لیے آپ کچھ مغموم رہیں گے اس لیے اپنی جسمانی صحت کا پورا پورا خیال رکھیں اور محنت کریں کیونکہ اس ماہ آپ معاشرتی اور کاروباری تبدیلیاں ہوں گی جن سے مشکلات میں اضافہ ہوگا۔

۵۔ اس ماہ بہت سی چیزیں ظاہر ہوں گی۔ بعض مرتبہ کسی مسئلے کا حل دریافت ہوگا، کہیں تبادلہ ہوگا یا ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اسی ماہ جھگڑے اس حد تک بڑھیں گے کہ عدالت تک پہنچنے کا احتمال ہوگا۔ آپ کے تعلقات کسی دوست کے ساتھ ختم ہو جائیں گے جس کی وجہ اس کی موت یا دور دراز کا سفر ہوگی۔ عام طور پر ۵ عدد کا تعلق ''انسانی معاشرے'' سے ہوتا ہے اس لیے اس بات کی امید رکھنی چاہئے کہ آپ بیرونی سرگرمیاں وسیع کر دیں گے۔ آپ کی قدر و منزلت بڑھے گی۔ اسی ماہ محبت کا دیوتا بھی سرگرم عمل رہتا ہے۔

۶۔اس مہینے کوئی بات ایسی رونما ہوگی کہ آپ کو ذمہ داری قبول کرنی پڑے گی۔آپ کو دوسرے لوگوں کے معاملات پر توجہ مبذول کرنی پڑے گی مثلاً آپ کسی معاملے میں ثالث کے فرائض انجام دیں گے اور اس سے فائدہ حاصل کریں گے۔اس ماہ آپ کو تھوڑا سا مالی فائدہ ہوگا۔آپ کو گھریلو اطمینان نصیب ہوگا مگر جسمانی صحت کا خیال رکھنا پڑے گا۔

۷۔اس ماہ آپ کو دولت ملے گی۔اس لیے آپ کی سرگرمیاں بھی اس سے متعلق ہوں گی۔۸ کا عدد جہاں ''تعمیل و تکمیل'' پر دلالت کرتا ہے وہاں ''بربادی'' کی بھی نشاندہی کرتا ہے۔اس لیے آپ کو کاہلی سے محتاط رہنا چاہئے۔اگر آپ احتیاط نہ برتیں گے تو آپ ایک بہترین موقع کھو دیں گے۔اس لیے اس مہینے محنت کریں تا کہ آپ کو کامیابی نصیب ہو۔اس مہینے یہ بہترین موقع غیر اختیاری طور پر آئے گا اور اس کا تعلق جائیداد اور منافع سے ہوگا۔

۸۔آخری عدد ہے۔اس لیے جب یہ مہینہ آتا ہے تو ہر بات موزوں طریق میں ختم ہوتی ہے یا کوئی مقصد حاصل ہوتا ہے۔آپ کو چاہئے کہ اس ماہ اپنے کاروبار کے عمدہ بندوبست کا انتظام کریں۔اس ماہ مالی فائدہ کم ہوتا ہے لیکن روحانی طور پر یہ مہینہ بہت اچھا ہوتا ہے کیونکہ اس میں دوستوں سے تعلقات استوار ہوتے ہیں۔اور نئے نئے دوست بنتے ہیں چونکہ ۹ کے غیر اختیاری عدد میں ''تبدیلی'' کا کنایہ موجود ہے اس لیے اپنے مستقبل کے متعلق پھر سے سوچیں۔کوئی نہ کوئی غیر اختیاری طور پر رونما ہوتی ہے۔۱ اور ۹ کے غیر اختیاری اعداد والے مہینوں میں بڑی بڑی تبدیلیاں ہوتی ہیں اس لیے اپنا سال بھر کا زائچہ احتیاط سے تیار کریں۔

۹۔وہ مہینے جن کا غیر اختیاری عدد ۱ اور خود اختیاری عدد ۱ اور ۹ ہوتا ہے ان میں آپ کی دولت اور زندگی میں خاص تبدیلی کا رونما ہونا ناگزیر ہوتا ہے۔اگر آپ پیش بینی کر لیں تو آپ کے مستقبل کے لیے اچھا ہوگا۔

ماہانہ قسمت کی پیشگوئی

سب سے پہلے متذکرہ بالا ۹ علامات کے ذریعے مہینے کی جذباتی خصوصیات پر غور

کریں یہ وہ علامات ہیں جو ماہانہ قسمت کے غیر اختیاری عدد کو مہینے کے عدد کے مقابل رکھ کر لگائی جاتی ہیں اور پھر ماہانہ غیر اختیاری عدد کے ذریعے ان مسائل اور معاملات پر غور کریں جو غیر اختیاری طور پر رونما ہوتے ہیں۔ اسی خود اختیاری عدد کے ذریعے ان معاملات پر غور کریں جو خود اختیاری طور پر رونما ہوتے ہیں جب آپ اپنی ماہانہ قسمت کی پیشگوئی کرنے لگیں، تو غیر اختیاری اور خود اختیاری اعداد کی خصوصیات کو باہم ملا کریں۔

باہمی تعلقات

برطانوی ماہر علم الاعداد کاؤنٹ کیرو کی طرح فو سایوشی تگا گی بھی اس بات کا قائل ہے کہ مختلف اعداد والوں کے باہمی تعلقات بڑے خوشگوار ہوتے ہیں۔ آپ اپنی تاریخ پیدائش کا مفرد عدد دریافت کریں۔ پھر ذیل کا نقشہ دیکھ کر معلوم کریں کہ کس کس عدد والے شخص کے ساتھ آپ کے تعلقات خوشگوار ہوں گے۔

آپ کی تاریخ پیدائش کا مفرد عدد	دوسرے شخص کی تاریخ پیدائش کا مفرد عدد جس کے ساتھ آپ کے تعلقات خوشگوار ہوں گے
۱	۴۔۶۔۷
۲	۳۔۵۔۸
۳	۶۔۸۔۹
۴	۱۔۷۔۹
۵	۲۔۳۔۸
۶	۳۔۶۔۹
۷	۱۔۴۔۸
۸	۲۔۴۔۵
۹	۳۔۶۔۷

شادی کے اوقات

فوسا یوشی تگا گی نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اعداد یہ بھی بتاتے ہیں کہ کسی شخص کی زندگی کا کون سا سال شادی کے لیے موزوں ہوگا۔اس کے لئے اس نے دو نقشے دیے ہیں۔ پہلا نقشہ زندگی کے عدد اور سالانہ قسمت کے عدد پر مبنی ہے اور دوسرے کی بنیاد تاریخ پیدائش اور سالانہ قسمت کے عدد پر ہے۔دونوں نقشے درج ذیل ہیں:

نقشہ نمبر ۱		نقشہ نمبر ۲	
زندگی کے اعداد (مفرد)	سالانہ قسمت کے اعداد (مفرد) ……(شادی کا سال)	تاریخ پیدائش کا مفرد عدد	سالانہ قسمت کے اعداد (مفرد) ……(شادی کا سال)
	۱-۴-۷	۱	۱-۴-۵-۷
۲	۲-۵-۸	۲	۱-۵-۶-۸
۳	۴-۶-۹	۳	۳-۶-۷-۹
۴	۱-۴-۷	۴	۱-۴-۷-۸
۵	۲-۵-۸	۵	۲-۵-۷-۹
۶	۳-۶-۹	۶	۱-۳-۶-۹
۷	۱-۴-۷	۷	۱-۲-۴-۸
۸	۲-۵-۸	۸	۱-۴-۵-۷
۹	۳-۶-۹	۹	۲-۳-۶-۷

مبارک سال اور مہینہ

تاریخ پیدائش کا مفرد عدد---------- ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹

اس کے مقابل -- مبارک سال اور مہینے کا عدد ۶ ۳ ۶ ۷ ۳ ۶ ۸ ۹ ۷۔

فوسا یوشی تگا گی کے نظریہ اعداد کی رو سے زندگی کے نشیب وفراز کا چکر بدل نہیں سکتا لیکن علم الاعداد کی مدد سے یہ ضرور معلوم کیا جاسکتا ہے کہ آئندہ کیا ہوگا جس کا یہ فائدہ ہوگا کہ آپ محتاط رہ کر برے نتائج سے محفوظ رہیں اور اچھے نتائج سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے۔(۲۸)

علوم مخفیہ

مستقبل کے عالمی سیاستدان و دیگر عمائدین حروف و اعداد کے میزان پر

میاں محمد نواز شریف

م م ن ش

مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں از مولف

تحریک پاکستان کے دوران حضرت قائداعظمؒ کروڑوں مسلم عوام کی دل کی دھڑکن بن چکے تھے اور ہندو ساشوں کو کوئی اور مداوا نہیں سوجھ رہا تھا تو انہوں نے ایک ترکیب نجوم جعفر کی نکالی اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے انٹ شنٹ پیشنگوئیاں۔ پاکستان اور بانی پاکستان کے بارے اس طرح شروع کیں کہ جھوٹ کا طوفان باندھ دیا اور یہ یوں بھی آسان تھا کہ ذرائع ابلاغ پر ان کی اجارہ داری تھی۔ اس محاذ کو مجاہد حریت حضرت مولانا حسرت موہانی کے رفیق خاص صحافی و دانشور مولانا امداد علی صابری نے کچھ اس طرح سنبھالا کہ حق ادا کر دیا۔ حضرت قائداعظم کی تاریخ پیدائش ۲۵ دسمبر کے حوالے سے ایک ایسا معرکتہ الاراز ائچہ تیار کیا کہ پنڈت پانڈوں کی قینچی کی طرح چلتی زبان گنگ ہوگئی۔ ادھر پھر بزرگان دین و مشائخ عظام نے بھی توجہ دی اور پاکستان کے بارے میں بڑی سچی کشفی پیشنگوئیاں اخبارات میں شائع ہوتی رہیں (صابری صاحب وہی بزرگ ہیں جو "فلک پیما" کے نام سے بھی معروف رہے) بالکل اسی انداز میں مصنوعی بحران کا ڈھول بجا کر سیاسی طالع آزما ابن الوقت بونوں نے نام نہاد مخفی علوم کے ماہرین سے اوٹ پٹانگ قسم کی پیشنگوئیاں مسلسل اور تواتر کے ساتھ شائع کرانی شروع کرا دیں۔ جس کا نشانہ پاکستان کی سالمیت اور میاں نواز شریف کی ذات کو بنایا گیا۔ اس گمراہ کن پروپیگنڈے کا اصل مقصد ان شخصیتوں کو نشانہ پر رکھنا ہے جو مضبوط کردار اور دلیر ہوتے ہوئے کچھ کر گزارنے والے اور وفاق پاکستان کی

علامت ہیں۔ تاکہ اسلام کے اس قلعہ پاکستان میں دراڑیں ڈال دیں۔ یوں وہ یہود و ہنود کے علوم مخفیہ سے ڈکٹیشن لے کر یک جعلی ''بگاڑ'' پیدا کرنے کی کوشش میں ہیں۔ جو کچھ وہ لکھ رہے ہیں۔ چونکہ اساس علمی اور فنی نہیں ہے اس لیے اس کا نوٹس نہیں لیا جا رہا۔

یہاں جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہ علوم مخفیہ حروف و نقاط و اعداد کے مستند حوالے سے ہے اور اس کی علمی جہت مزید اجاگر کی جا رہی ہے۔

اس مضمون کا تقاضا ہے کہ پہلے علم حروف نقاط کا اس مضمون کی حد تک تعارف لکھ دیا جائے تا کہ عام قاری کی بھی دلچسپی برقرار رہے۔

صدیوں سے یہ بات سورج کی طرح روشن ہے کہ علوم اسراریہ میں جب کوئی بات علمی حوالے سے ہوگی تو اس کے علمی اثرات پر بات ہوگی تاخیر علمی ہوگی۔ اور جب قرآنی حوالے سے ہوگی تو تاثیرات یکسر تبدیل ہو جائیں گے اور یہ بات چند حقیقتوں میں ایک حقیقت کبرا کی طرح قرآن کریم کے وحی ربانی ہونے پر دلالت کرتی ہے اور اس کے تحت جس قدر بھی حالات و واقعات ہوں گے ٹھوس اور حقیقی ہوں گے۔ علماء فن حروف و اعداد نے ہر حرف کی پانچ جہتیں قرار دی ہیں۔

ا۔ ''صورت'' جیسے ا۔ ب۔ ج۔ د (ابجد)

۲۔ ''آواز'' جیسے کچھ حروف حلق سے کچھ زبان کی نوک سے اور کچھ درمیان سے بولے جاتے ہیں۔

۳۔ ''تاثیر'' یعنی وہ اثرات کیا مرتب کرتے ہیں جیسے جادو منتر کے الفاظ معنی کچھ نہیں لیکن اثرات ہوتے ہیں۔

۴۔ ہر حرف کا ایک اپنا رنگ ہے سبز، زرد، سرخ وغیرہ

۵۔ ''اعداد'' جیسے الف کا ایک اور با، کے دو، ج کے تین۔

اس میں علمائے جعفر نے سات سات حروف کی چار سمتوں کا بھی تعین کیا ہے۔ مشرقی، غربی، جنوبی، شمالی اور ساتھ ہی ساتھ ان کو عناصر اربعہ آتش، باد، آب اور خاک سے

بھی تقسیم ومنسوب کیا ہے۔

اس کے بعد تاثرات عددی ہیں کہ الف اگر ہزار مرتبہ پڑھا جائے تو کیا اثر رکھے گا۔ با، کیا رکھے گا اور اسی طرح بہت کچھ لکھنے اور استخراج کرتے ہیں۔ علم الاثار و علم الاخبار دیگر اور بھی کئی صنعتیں اہل فن نے ترتیب دی ہیں۔ جن احباب کو اشتیاق ہو اور سیر علمی کے لیے وقت بھی ہو تو وہ محی الدین ابن عربی رسالہ سفیان ثوری۔ امام غزالی اور موجودہ دور کے حوالے سے شمسی المعارف کبرا احمد بونیؒ۔ احمد رضا خان بریلوی کا رسالہ بابت علم جعفر اور غرائب الجمل کا مطالعہ کریں۔ یہ چند مستند نام ہیں۔ اس کے علاوہ بھی سینکڑوں نام ہیں لیکن وہ سہل الحصول نہیں۔ بازاری کتابوں میں زیادہ تر بے ربط، بے سند اور اغلاط سے پر کتابیں ہیں جس سے طالب علم کی علمی تسکین نہیں ہوتی بلکہ مغالطہ ہو جاتا ہے۔

موجودہ خلائی دور کی سائنسی ترقی نے یہ بات خصوصیت سے مشاہدہ کی ہے کہ کل نظام کائنات کہکشاں در کہکشاں ایک مضبوط ضابطہ اور نظام کے تحت رواں ہیں جہاں انتشار اور بے نظمی کا کوئی تصور تک بھی نہیں۔

جب کہ رات کو کھلے آسمان پر ستاروں کا جھرمٹ دیکھنے والے کو منتشر اور بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح بے ترتیب نظر آتا ہے۔ جب کہ جہلا کو یہ کلام خدا ایسا بحر الاولین لگتا ہے۔ بالکل اسی طرح قرآن کریم کا نزول ایک مضبوط عددی۔ اور حرفی نظم اور ضابطہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ جس میں ایک عظیم پیغام بھی ہے۔ ردھم قرأت بھی ہے، شفائے امراض بھی ہے۔ فصاحت بلاغت کے ساتھ سائنسی فارمولے اور کل کائنات کی تسخیر کے نسخے بھی۔ دیکھنے والی آنکھ چاہئے صاحب بصیرت کی طرح ورنہ بے بصیرت تو محروم ہوتا ہے۔

آنکھ والا ہی تیرے جلووں کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

قرآنی نظم حروف واعداد پر افریقہ کے مشہور مبلغ اسلام جناب احمد دیدات صاحب کی وڈیو کیسٹیں بڑی ہی فکر انگیز ہیں۔ جنہیں انہوں نے کمپیوٹر اور جدید معلومات سے

مزین کیا ہے۔

قرآن کریم میں ایک ا تا نو ۹ کے اعداد ایک حروفی ردھم کے ساتھ افق در افق ابھرتے ہیں۔ عقل سلیم کو اسے وحی ماننا ہی پڑتا ہے۔

ایک روایت کے تحت یوں آتا ہے کہ یہود کے علماء جنہیں ربی کہا جاتا ہے جو علوم اسراریہ کے ماہرین تھے، جب ا۔ل۔م (۱+۳۰+۴۰) سنا تو اس کے اعداد نکال کر کہا کہ ہم اس دین کو کیسے مان لیں جس کی میعاد صرف اکہتر سال ہے۔ لیکن جب مزید حروف مقطعات سنے تو پریشان ہوگئے۔ کیونکہ ا۔ل۔م، ۶ بار آیا جس کی ضرب سے ۷۱+۷۱=۵۰۴۱ برس بنتے ہیں۔

بعض اہل فن نے ۵۰۴۱ کو ا۔ل۔م۔ص (۱+۳۰+۴۰+۹۰) کے ۱۶۱ سے اور پھر حاصل کو تمام مقطعات سے ضرب دیکر ابتدائے آفرینش سے قیامت کی آخری گھڑی تک کے سالوں کو جو کھربوں سال بنتے ہیں گن ڈالا ہے۔

ایک مکتبۂ فکر نے حروف مقطعات کے اعداد جمع کر کے سنۂ ہجری سے اسلام کے عروج اور زوال اور پھر عروج دائمی کی بات کی ہے۔ یہ علمی موشگافیاں ہیں کوشش بہر حال قابل قدر ہے۔

قرآن مجید میں حروف دو طرح کے آئے ہیں اور علمائے سلف نے انہیں حروف شمسی اور حروف قمری کا نام دیا ہے۔ حروف شمسی وہ ہیں جن میں الف اور ل نہیں بولتے جیسے الشمس پڑھا جائے گا ال شمس نہیں اسی طرح حروف قمری میں الف لام آواز پیدا کریں گے جیسے اَلْقَمَرُ۔

اس کے بعد حروف کے درجات بنائے۔ اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ۔

اعلیٰ حروف وہ قرار دیئے گئے جو قرآن پاک میں ۲۹ سورتوں میں سورۃ کے شروع ہونے سے پہلے آئے اور ہر حرف علیحدہ پڑھا جاتا ہے، ملا کر پڑھنے کی روایت نہیں۔ جیسے۔ الم کو الف۔ لام۔ میم۔ الرا کو الف۔ لام۔ را۔ کل مقطعات قرآنی تیس ہیں اور اگر مکررات کا شمار نہ کیا جائے تو چودہ بنتے ہیں۔ جس طرح مقطعات چودہ ہیں اسی طرح حروف مقطعات بھی چودہ ہیں اور وہ یہ ہیں۔

الف ۔ لام ۔ میم ۔ صاد ۔ را ۔ کاف ۔ ھا ۔ یا ۔ عین

ا ۔ ل ۔ م ۔ ص ۔ ر ۔ ک ۔ ہ ۔ ی ۔ ع ۔ طا ۔ سین ۔ حا ۔ قاف ۔ نون

ط ۔ س ۔ ح ۔ ق ۔ ن

یہ حروف تمام کے تمام سورۃ الفاتحہ میں موجود ہیں۔ اس ''فاتحہ الکتاب'' میں سات آیات ہیں اور ایک سو اکیس حروف ہیں اس سورہ کو اسم اعظم کے برابر درجہ دیا گیا ہے۔ اس کی فضیلت و آثار و تاثیرات ایک علیحدہ باب کا تقاضا کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل بالا ان چودہ حروف کو درجہ اعلیٰ میں رکھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ چودہ حروف مقطعات اور سورۃ الفاتحہ کی زینت بنے ہیں۔

سورۃ الفاتحہ میں حروف تہجی کے اٹھائیس حروف میں سے اکیس حروف آئے ہیں چودہ تو مقطعات والے، بقایا سات یہ ہیں۔

با ۔ تا ۔ دال ۔ ذال ۔ غین ۔ ضاد ۔ واؤ

ب ت د ذ غ ض و

انہیں درجہ اوسطہ میں رکھا گیا ہے۔ بقایا جو سات حروف ہیں انہیں درجہ ادنیٰ میں رکھا گیا۔ وہ سات یہ ہیں۔ انہیں سواقط فاتحہ بھی کہا جاتا ہے۔

ثا ۔ جیم ۔ خا ۔ زا ۔ شین ۔ ظا ۔ فا

ث ج خ ز ش ظ ف

یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ حرف سین جس کی رنگت اہل علم نے زرد بتائی ہے اس حرف کو ازمنہ قدیم سے حق و صداقت کا نشان کہا جاتا ہے اور قرآن پاک کی ایک بلند پایہ سورۃ اسی حرف سین سے شروع ہوتی ہے اور اپنے اندر عجائبات کا ایک جہاں سموئے ہوئے ہیں۔

یہی وہ سورۃ ہے جس کی ایک آیت نے تمام دنیا میں تہلکہ مچا دیا تھا وہ یوں ہوا کہ سائنسدانوں کی ایک ٹیم نے شبانہ روز کی محنت کے بعد یہ معلوم کیا کہ نباتات میں زندگی ہے اور ''زرگل'' اور ''بقچہ مادہ'' کی تھیوری پیش کی جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ قرآن تیرہ صد سال

پہلے بتا چکا ہے اور وہ سورۃ یٰسین کی آیت نمبر ۳۶ میں موجود ہے تو بھونچکے رہ گے اور یہ عبرت کی بات ہے کہ ایٹم کی تھیوری بھی اسی ایک آیت کا کرشمہ ہے حضرت شاہ عبداللہ کا ترجمہ پڑھئے۔

''پاک ہے وہ ذات جس نے بنائے جوڑے (یعنی نر اور مادہ) سب
چیز کے۔ اس قسم سے جو اگتا ہے زمین میں۔ اور آپ ان میں اور
ایسی چیزوں میں جن کی ان کو خبر نہیں۔''

یہودی سائنس دان یہودی ہونے کے ناطے بڑے تیز نکلے جو ایٹم بم پر کام کر رہے تھے۔ جرمنی کے سقوط کو دیکھتے ہوئے آدھے جرمنی سے امریکہ چلے گئے اور بقایا نے روس کا رخ کیا۔ یوں دنیا کو دو سپر پاور میں تقسیم کر دیا۔ جب اسرائیل بنا تو انہوں نے قرآن سے استفادہ حاصل کرتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام کے زیر نگیں وہ علاقہ ڈھونڈ نکالا جس میں تانبے اور سونے کے ذخائر تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی بھیڑوں کی چراگاہ ڈھونڈ کر وہاں ایک پرانا ڈیم تلاش کر لیا یوں انہوں نے قرآن مجید سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تانبے اور سونے کے ذخائر حاصل کیے اور ڈیم سے صحراؤں کو گلزار بنالیا۔ اس موضوع پر مفصل تحقیقی مضمون کیپٹن ممتاز ملک کا ۱۹۶۷ء کی جنگ اسرائیل عرب کے حوالے سے پاکستان اور ہندوستان کے بیشتر اخبارات میں چھپا تھا۔

قرآن کریم کل کائنات کے خالق کا کلام ہے اس کو صرف پیغام تک محدود نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس میں تاریخ ہے جغرافیہ ہے، کیمسٹری و فزکس ہے۔ جس علم اور جس صنعت کا ذہن راہنمائی حاصل کرنا چاہے گا پالے گا۔ یعنی ہر علم کی اصل موجود ہے۔ بلکہ ایک جگہ سورۃ محمدؐ آیت نمبر ۲۴ پارہ ۲۶ میں تہدیدی انداز میں فرمایا گیا۔ (یہ لوگ) کیوں تدبر نہیں کرتے قرآن میں کیا ان کے دلوں کو تالے لگ رہے ہیں۔

اب حروف کی طرف آتے ہیں۔

جیسا کہ میں سورۃ یٰسین کے بارے میں عرض کر آیا ہوں، مزید یہ کہ حرف سین کا رنگ زرد ہے اور مشہور سلسلۂ تصوف نقشبندیہ میں ایک لطیفہ، قلب کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے اور

جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم قرار دیا گیا ہے اس لطیفے کا بھی رنگ زرد ہے۔ تبلیغ کے لیے بڑے معرکہ نقشبندی بزرگوں کے سنتوں اور سادھوں کے ساتھ تاریخ میں موجود ہیں اور یہ بھی کہ جادو ٹونہ تعویذات کے رد میں جو دو سورتیں ملا کر پڑھی جاتی ان میں تیرہ سین ہیں، تین سورۃ الفلق میں اور دس، والناس، میں۔ احادیث مبارکہ میں ہر شر سے ''تحفظ'' کے لیے روزانہ رات کو تین مرتبہ پڑھنا فرمایا گیا ہے۔

تہجی کے کل حروف اٹھائیس، اس طرح سے ہیں اسے ابجد نوحی یا ابجد قمری کہتے ہیں۔

ابجد۔ ہوز۔ حطی۔ کلمن۔ سعفص۔ قرشت۔ ثخذ۔ ضطغ

اعداد: ۱۔۲۔۳۔۴۔۵۔۶۔۷۔۸۔۹۔۱۰۔۲۰۔۳۰۔۴۰۔۵۰۔۶۰۔۷۰۔۸۰۔۹۰۔۱۰۰۔۲۰۰۔۳۰۰۔۴۰۰۔۵۰۰۔۶۰۰۔۷۰۰۔۸۰۰۔۹۰۰۔۱۰۰۰

ان اٹھائیس حروف تہجی کا اگر استظاق کیا جائے تو مجموعہ سب کا ایک آتا ہے کل اعداد ۵۹۹۵=۵+۹+۹+۵=۲۸+۱۰+۱ موحد یہیں سے وحدت لیتے ہیں اور فلاسفہ و درویشی ''وحدت الوجود''

حروف تہجی کی ایک صورت ابتث کی ہے جسے حضرت آدمؑ سے منسوب کیا گیا ہے۔ اور ابجد شمسی بھی کہتے ہیں۔

۱۔۲۔۳۔۴	۵۔۶۔۷۔۸	۹۔۱۰۔۲۰۔۳۰	۴۰۔۵۰۔۶۰۔۷۰
ا ب ت ث	ج ح خ د	ذ ر ز س	ش ص ض ط
ابتث	جحخد	ذرزس	شصضط
۸۰۔۹۰۔۱۰۰۔۲۰۰	۳۰۰۔۴۰۰۔۵۰۰۔۶۰۰	۷۰۰۔۸۰۰۔۹۰۰۔۱۰۰۰	
ظ ع غ ف	ق ک ل م	ن و ہ ی	
طعغف	قکلم	نوہی	

اس حروف تہجی کے بھی اعداد اتنے ہی ہیں۔

۵۹۹۵=۲۸=۱۰=۱

صاحبان علم وفن نے ان اٹھائیس حروف سے جو صنعتیں وضع کی ہیں وہ کہکشاں کی طرح علم وفن کی کتابوں میں جگمگا رہی ہیں ان کا احاطہ ''وقت'' چاہتا ہے جو اس تیز رفتار دور میں آسان نہیں۔

جس ابجد سے میں کام لے رہا ہوں اسے ابجد سر حرف اسم کہا جاتا ہے۔ یہ ہے تو ابجد نوحی لیکن اس میں چار حروف رکھے گئے ہیں۔ اعداد وہی ہیں۔

۱-۲-۳-۴	۵-۶-۷-۸	۹-۱۰-۲۰-۳۰	۴۰-۵۰-۶۰-۷۰	۸۰-۹۰-۱۰۰-۲۰۰
ابجد	ہوزح	طیکل	منسع	فصقر
ا ب ج د	ہ و ز ح	ط ی ک ل	م ن س ع	ف ص ق ر
۳۰۰-۴۰۰-۵۰۰-۶۰۰	۷۰۰-۸۰۰-۹۰۰-۱۰۰۰			
شتثخ	ذضطغ			
ش ت ث خ	ذ ض ط غ			

اس سے ارباب جعفر سے ''علم آثار میں'' اور اسم اعظم نکالنے میں مدد لیتے ہیں۔ کسی فرد کا اسم اعظم اس طرح نکالا جاتا ہے کہ اس کے نام کے اعداد کے مطابق اللہ تعالیٰ کا کوئی ایک صفاتی اسم اسماء الحسنیٰ سے لے کر ہم عدد کر کے پڑھا جاتا ہے۔ پرانی کتابوں اور مخطوطوں میں بڑے رمز و کنایہ میں بیان ہوا ہے لیکن حضرت احمد رضا بریلوی کی کتب میں بڑا واضح ہے۔

مشہور ادیب اور دانشور جناب ڈاکٹر اجمل نیازی صاحب نے یہ نکتہ پنجاب یونیورسٹی کے استاد اور مشہور دست شناس جناب ایم اے ملک کے حوالے سے فرمایا ہے کہ پاکستان میں ی اور م کے نام والے لوگوں کی سیاسی اور معاشی اجارہ داری ہوگی۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیجئے کہ زیادہ تو وہی لوگ نمایاں رہیں گے جن کے ناموں میں یہ دو حرف موجود ہوں گے اس کی تائید یوں بھی ہوتی ہے۔

ی+م ۱۰+۴۰ = ۵۰ = ۵

یہ دو حروف مقطعات میں آئے ہیں میم سترہ مرتبہ اور ی یا دو مرتبہ۔ اب ان حروف کو صنعت عددی میں لائیں۔

۱۷+۲ = ۱۹ = ۱۰ = ۱

اب ضرب دیں م کے اعداد ۴۰ × ۱۷ = ۶۸۰ = ۱۴ = ۵

ی کے اعداد ۱۰×۲ = ۲۰ - ۲ ______ ۲

۷

اس طرح سے ۱۔۵۔۷ حاصل ہوتے ہیں۔

قرآن کریم میں عدد سات کی بڑی اہمیت ہے اس لیے کہ یہ سات کا عدد تخلیق کائنات میں بڑا اہم قرار دیا گیا ہے اس کے بعد ۱۹ اور ۱۴۔ جیسے چودہ مقطعات اور اتنے ہی حروف مقطعات۔ چودہ سجدے، ویسے نو اعداد کی پوری لڑی آتی ہے لیکن ایک پانچ اور سات کے اعداد کو خاص اہمیت ہے علوم مخفیہ اور روحانی علوم کے حوالے سے علم الاعداد کے گہرے مطالعہ اور مشاہدہ سے اس کے تین گروپ ثابت ہوتے ہیں۔

ایک پانچ سات	دو چار آٹھ	تین چھ نو
۱۔۵۔۷	۲۔۴۔۶	۳۔۶۔۹

بعض (ایک پانچ اور سات) دو چار اور آٹھ (تین چھ اور نو) دیگر یہ کہ جنگ آزادی ہند۔ دو قومی نظریہ اور تحریک پاکستان میں جن شخصیتوں نے اہم کردار ادا کیا ان کا زیادہ تر تعلق ۱۔۵۔۷ کے اعداد سے ہے۔ اول تو سر حرف اسم میں ہوگا۔ ورنہ نام کے مجموعی اعداد میں زیادہ تاریخ پیدائش پایا جائے گا۔ جیسے حضرت قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ پیدائش ۲۵ دسمبر۔

اسی طرح دو قومی نظریہ اور پاکستان کی سالمیت کے تحفظ میں کام کرنے والی سیاسی۔ سماجی اور علمی شخصیتیں بھی انہی اعداد کی حامل ملیں گی اور اسی فارمولا کے تحت انہی اعداد کی حامل بڑی بڑی شخصیتیں متنازعہ اور منفی کردار کی حامل بھی ملیں گی۔ سیاسی بھنور میں ڈوبتی

ابھرتی شخصیتیں اپنے کردار کا خود تعین کرتی ہیں اور آنے والے مؤرخ ان کے چہرے بڑی بے رحمی سے اجاگر کر دے گا۔ حروف و اعداد حیرت انگیز طور پر نشان دہی کر رہے ہیں ان شخصیات کی جو صاحب قوت و اقتدار پائے جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ حروف اعداد اعمال کا نہیں صرف خصوصیات کا تعین کرتے ہیں وہ بھی اسی حد تک جس حد تک ان کی حدود ہیں۔

اب چند تاریخی نام دو قومی نظریہ کے حوالے س ''ابجد سرحرف اسم'' کے ذریعہ سر سید احمد خان اور ساتھی انہی اعداد میں ہیں۔ صحیح تاریخ پیدائش دستیاب نہیں۔

س۔س۔ا۔خ

۶۰+۶۰+۱+۶۰۰ = ۷۲۱ = ۱۰ = ۱

مولانا محمد علی جوہر اور ان کے چند ہم عصر ساتھی۔ صحیح تاریخ پیدائش دستیاب نہیں۔

م۔ع۔ج

۴۰+۷۰+۳ = ۱۱۳ = ۵

مولانا شوکت علی ایضا

ش۔ع

۳۰۰+۷۰ = ۳۷۰ = ۱۰ = ۱

جناب اسمٰعیل خان ایضا

ا۔خ

۱+۶۰۰ = ۶۰۱ = ۷ ایضا

آغا خان

ا۔خ

۱+۶۰۰ = ۶۰۱ = ۷ ایضا

اب چند روشن ترین نام سرحرف اسم کی روشنی میں حضرت قائد اعظم محمد علی جناح

م۔ع۔ج

۴۰+۷۰+۳ = ۱۱۳ = ۵

حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبالؒ

م۔ا   ۵=۴۱= ۱+۴۰

شہید ملت لیاقت علی خاں

ل۔ع۔خ

۷ = ۷۰۰ = ۶۰۰+۷۰+۳۰

خواجہ ناظم الدین

ن = ۵۰ = ۵

ملک غلام محمد

غ+م

۵=۱۰۴۰= ۴۰+۱۰۰۰

میجر جنرل سکندر مرزا

ا۔م

۵ = ۴۱ = ۴۰+۱

چوہدری محمد علی

چ۔م۔ع

۵ = ۱۱۳ = ۷۰+۴۰+۲۰

حسین شہید سہروردی

ح س ی ن۔ش ہ ی د۔س ہ ر و ر د ی

۱۰+۴+۲۰۰+۶+۲۰۰+۶۰+۴+۱۰+۵+۳۰۰+۵۰+۱۰+۶۰+۸

۱۵ + ۱۴ + ۹۳۲ = ۹۶۱ = ۱۶ = ۷

جنرل محمد ایوب

م۔ا

۶ = ۱۵ = ۸۷ = ۵ + ۴۱ + ۱+۴۰

ذوالفقار علی بھٹو

ذ-ع-ب

۷۰۰+۷۰+۲ = ۷۷۲ = ۱۶ = ۷

جنرل محمد ضیاءُ الحق

م-ح-م-د-ض ی اا ح ق

۴۰+۸+۴۰-۴+۸۰۰+۱۰+۱+۱+۳۰+۸+۱۰۰ = ۱۰۴۲ = ۷

محمد اسحٰق (صدر)

م-م

۴۰+۱ = ۴۱ = ۵

(محترمہ) بے نظیر

ب-ن

۲+۵۰ = ۵۲ = ۷

(محترمہ) نصرت بھٹو

ن-ب

۵۰+۲ = ۵۲ = ۷

جنرل عبدالوحید

ع

۷۰ = ۷

معین قریشی

م-ق ۴۰ +۱۰۰ = ۱۴۰ = ۵

میاں محمد نواز شریف

م-م-ن-ش

۴۰+۴۰+۵۰+۳۰۰= ۴۳۰ = ۷

یہ سب نام اقتدار میں ''طاقت'' سے آئے ہیں۔ عوامی ''طاقت'' سے یا اسلحہ کی ''طاقت'' سے۔

اب ذرائع ابلاغ کے چند معتبر نام

حمید نظامی

ح م ی د۔ ن ظ ا م ی

۸+۴۰+۱۰+۴+۵۰+۹۰۰+۴۰+۱۰=۱۰۶۳=۱۰+۱

میر خلیل الرحمٰن

م۔ خ

۴۰+۶۰۰=۶۴۰=۱۰=۱

محمد صلاح الدین ''تکبیر''

۹۲+۹۰+۳۰+۱+۸+۱+۳۰+۴+۱۰+۵۰=۳۱۶+۱۰=۱

اب ایک بنیادی نکتہ کی تشریح عرض کردوں جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ بیشتر جو نام تحریر میں آئے ہیں ہم عدد ہیں اور ایک ہی لڑی ایک پانچ اور سات سے ہیں۔

بعض ناموں میں چوہدری۔ خان یا سو کا لفظ شامل ہے یا تخلص شامل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے حالات زندگی کے مطالعہ اور دیگر شواہد سے یہی پایا گیا کہ وہ حروف ان کے نام میں شامل ہو کر اثر پذیر تھے اور یہی علم حروف واعداد کا قانون ہے۔

دوسری خصوصی بات یہ کہ منفی کردار کے لوگوں کے بھی وہی اعداد ہیں اور وہی حروف ہیں اور وہی ایک لڑی ایک پانچ اور سات کی ہے۔

یہی ایک نکتہ دعوت فکر دیتا ہے کہ تعمیر کرنے والے تخریب کار ہم اعداد اور حروف کے لحاظ سے چند مخصوص حروف کے حامل کیوں ہیں؟ اور ایسا دوسرے ممالک کے ساتھ کیوں نہیں ہے؟

ان سوالوں کا جواب پاکستان کے ساتھ حروف ہیں رمضان المبارک کے مہینہ کی ستائیسویں تاریخ اور آخری جمعۃ المبارک کے دن میں اور شمسی مہینہ کی ۱۴۔ اگست میں ''دیدۂ بینا'' کے لئے سورج کی طرح روشن ہے۔ (۲۹)

استفادہ

اس کتاب کی تالیف میں جن رسالہ جات وکتب سے مدد لی گئی۔

(۱) سلطان محمود آشفتہ حکایت دسمبر 1992ء
(۲) سلطان محمود آشفتہ حکایت اپریل 1992ء
(۳) سلطان محمود آشفتہ حکایت سالنامہ 1992ء
(۴) سلطان محمود آشفتہ حکایت اگست 1992ء
(۵) سلطان محمود آشفتہ/حسین ثاقب حکایت جنوری 1991ء
(۶) سلطان محمود آشفتہ حکایت نومبر 1991ء
(۷) سلطان محمود آشفتہ حکایت ستمبر 1991ء
(۸) سلطان محمود آشفتہ حکایت مئی 1992ء
(۹) سلطان محمود آشفتہ حکایت دسمبر 1991ء
(۱۰) سلطان محمود آشفتہ حکایت اکتوبر 1991ء
(۱۱) سلطان محمود آشفتہ حکایت مارچ 1991ء
(۱۲) سلطان محمود آشفتہ حکایت اکتوبر 1992ء
(۱۳) سلطان محمود آشفتہ حکایت مئی 1991ء
(۱۴) میم۔الف حکایت ستمبر 1993ء

(۱۵) سید سلیمان شاہ گیلانی حکایت اکتوبر 1991ء

(۱۶) سید سلیمان شاہ گیلانی حکایت مئی 1989ء

(۱۷) سید سلیمان شاہ گیلانی حکایت جنوری 1982ء

(۱۸) سید سلیمان شاہ گیلانی حکایت مئی 1983ء

(۱۹) سید سلیمان شاہ گیلانی حکایت مارچ 1983ء

(۲۰) حسین ثاقب حکایت اپریل 1993ء

(۲۱) مسز اشرف حکایت دسمبر 1986ء

(۲۲) سراجی نظامی سیارہ ڈائجسٹ 1969ء

(۲۳) شمیم اختر سیارہ ڈائجسٹ 1969ء

(۲۴) صلاح الدین ناسک سیارہ ڈائجسٹ اگست 1966ء

(۲۵) سیارہ ڈائجسٹ اپریل 1968ء

(۲۶) مسعود فارابی سیارہ ڈائجسٹ اپریل 1967ء

(۲۷) سید سلیمان شاہ گیلانی حکایت مارچ 1987ء

(۲۸) مسعود فارابی سیارہ ڈائجسٹ اپریل 1969ء

(۲۹) ملک حبیب اللہ سیارہ ڈائجسٹ فروری 1994ء

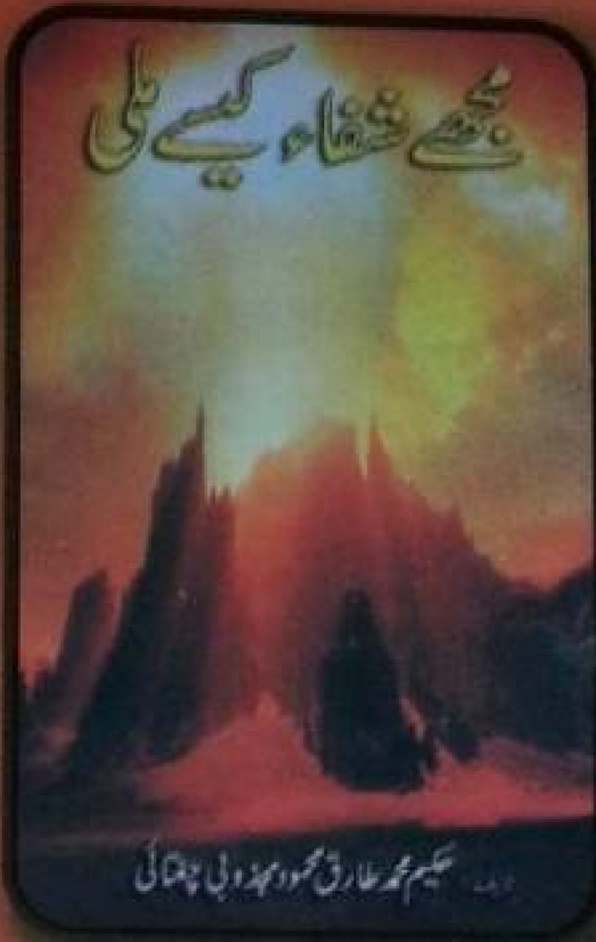

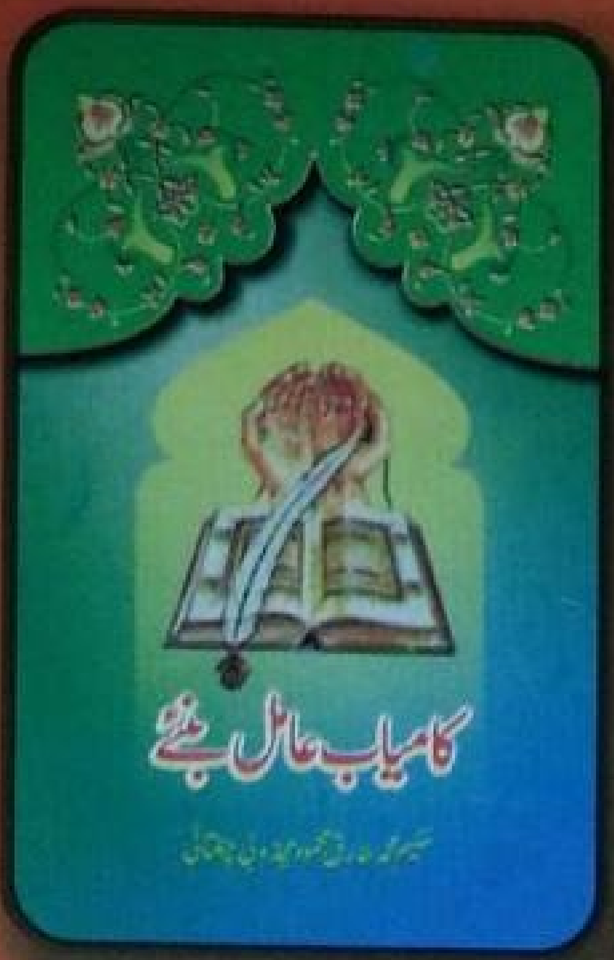

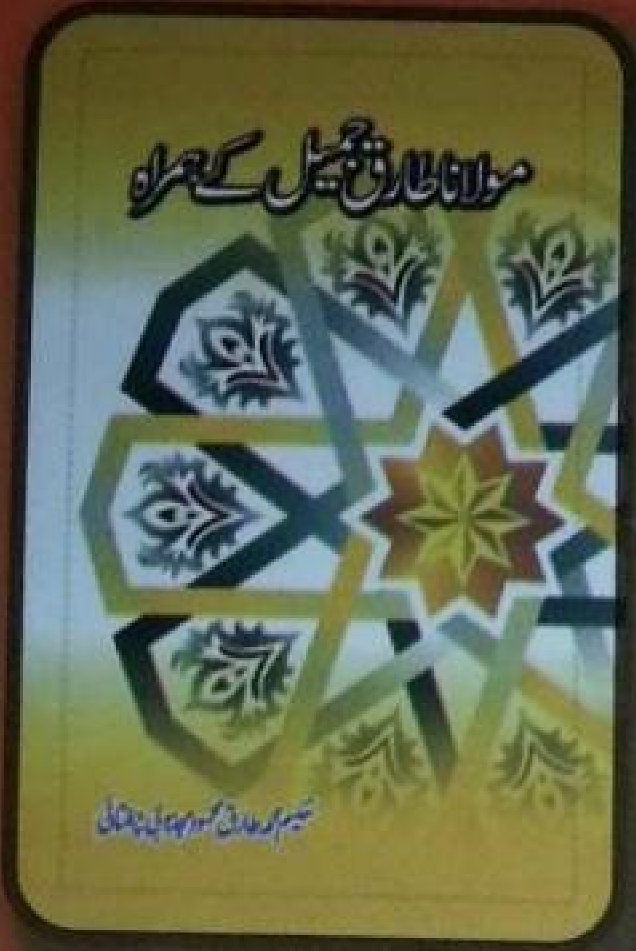

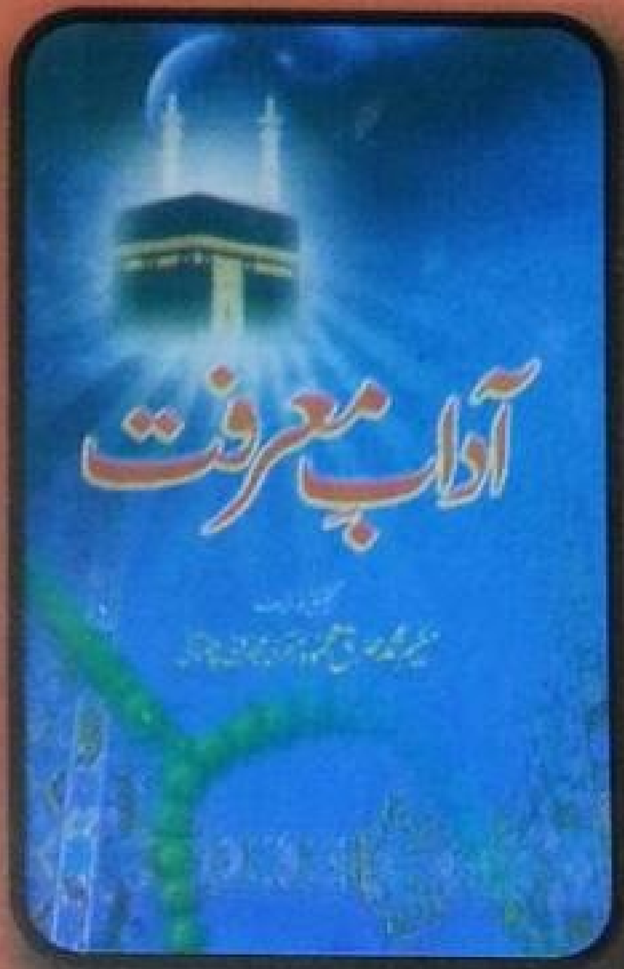

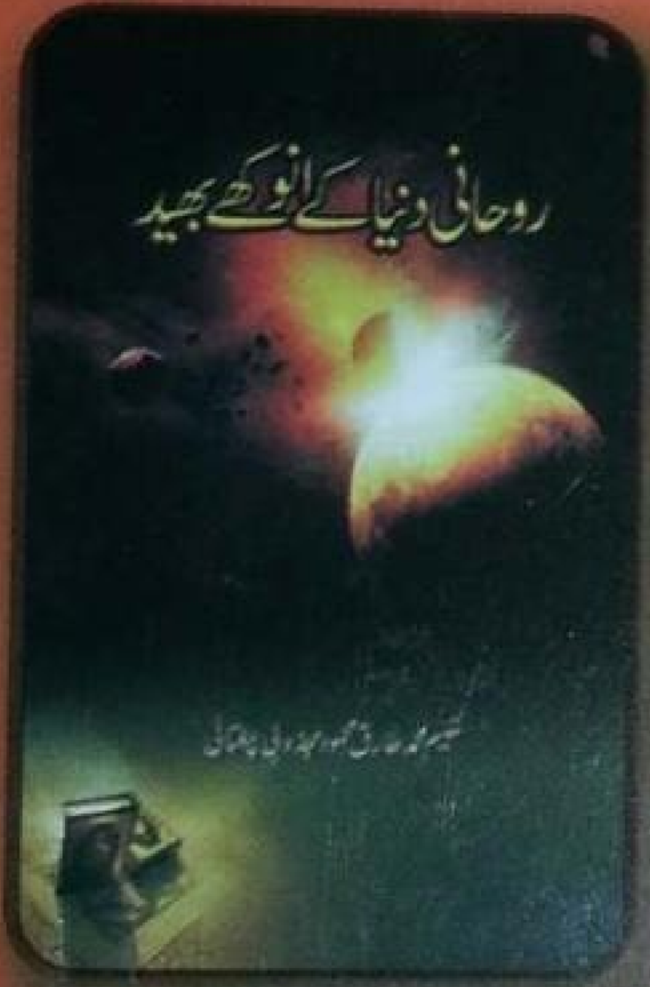

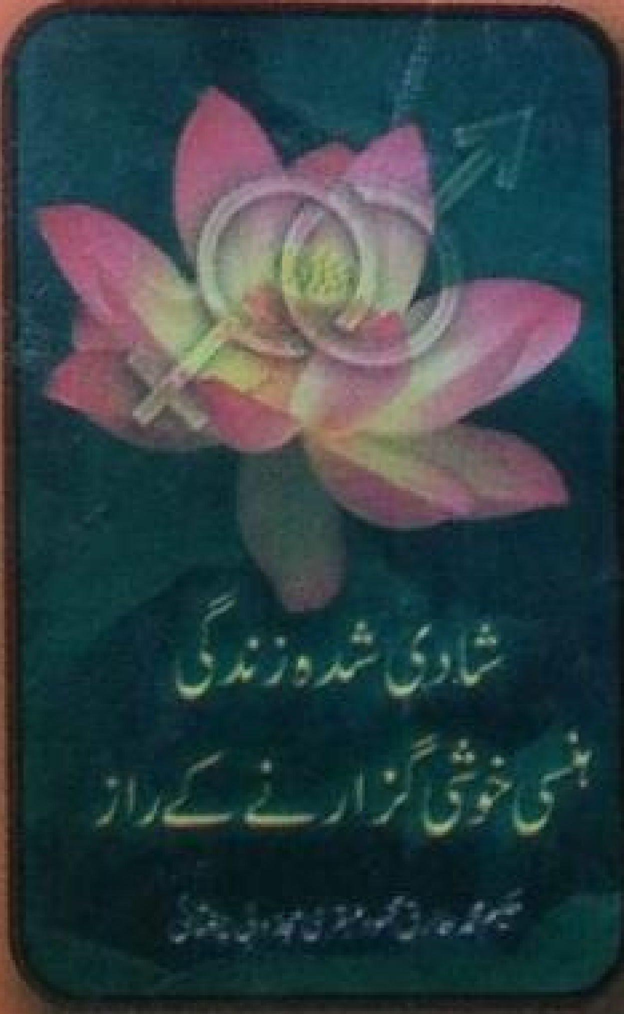

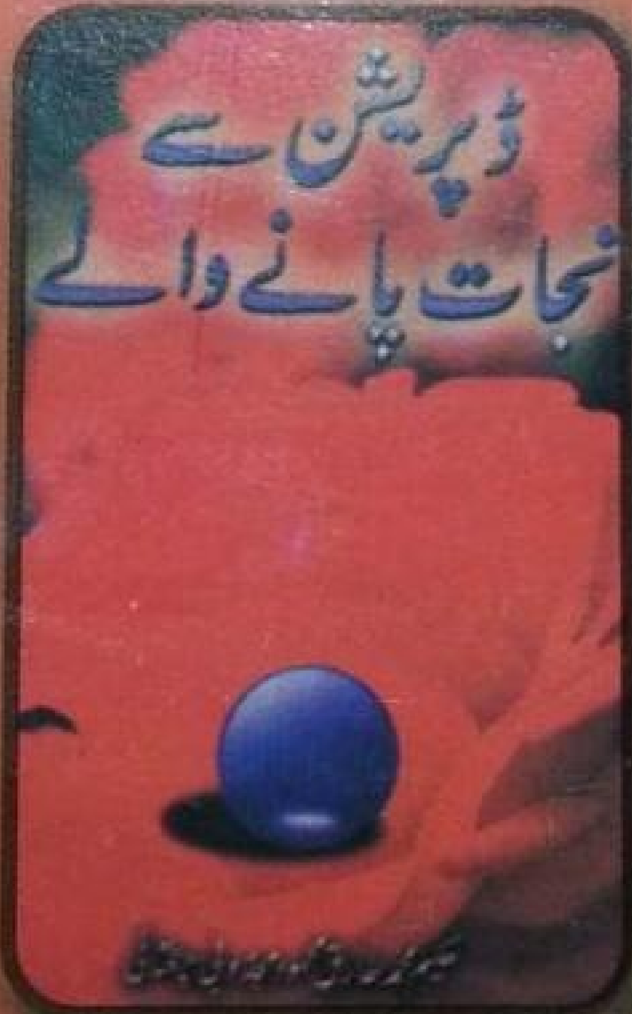

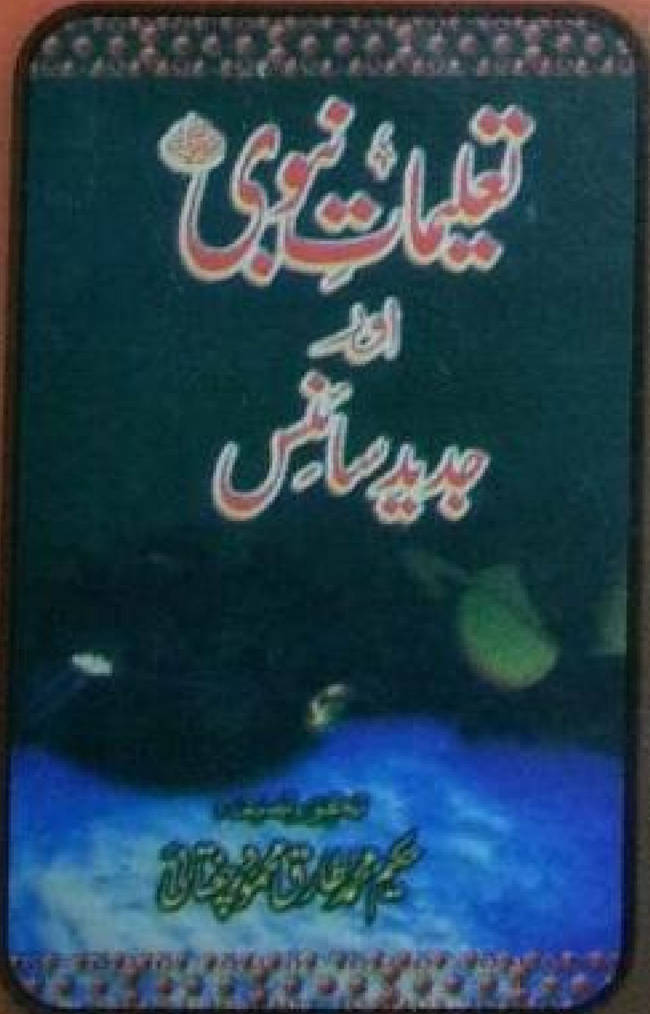

دفتر ماہنامہ "عبقری"